تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق

تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار

تصنیف و تالیف:

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا

تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق

تحریک وتعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار

(میمن قوم تاریخ کے آئینے میں ۔ جلد ششم)

تصنیف وتالیف:۔ پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا

D:\Memon BOOK VOL 6\Image\log Final.tif not found.

ورلڈ میمن آرگنائزیشن (WMO)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب کا نام	----	’’تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق‘‘
		تحریک وتعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار
مصنف	----	پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا
تعداد	----	۱۵۰۰
اشاعت اول	----	۱۴، اگست ۲۰۱۰ء
قیمت	----	
ناشر	----	ورلڈ میمن آرگنائزیشن (WMO)
		ISBN : 978-969-9108-01-3
سیل نمبر	----	0300-3453920
ای میل ایڈریس	----	aziz_markatia@yahoo.com
مطبع	----	احمد بلاک ورکس (راحت منزل بابر اسٹریٹ رانن تالو کراچی)

انتساب

''تاریخ کے اُن گمشدہ اوراق کے ہیروز کے نام جنہوں نے اپنی بے مثال قربانیوں کے ذریعے برصغیر پاک وہند کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔''

کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر دونوں ممالک اپنے باہمی اختلافات خیرسگالی کے جذبے کے ساتھ حل کر کے حقیقی معنوں میں خطے کے عوام کی فلاح وبہبود پرعمل پیرا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گوں ہوں کہ وہ ہمیں فہیم وفراست عطافرمائے کہ ہم اپنے باہمی مسائل مثبت سوچوں اور نیک نیتی سے حل کریں، جس سے پورے برصغیر پاک وہند میں امن ومحبت کو پروان چڑھایا جاسکے۔

وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ط ۔

”اور تمھیں شاخیں اور قبیلے بنایا کہ آپس میں پہچان رکھو۔“

(سورۃ الحجرات ، پارہ ۲۲، آیت ۳۹)

پیش لفظ

تاریخ، فلسفہ، مذاہب عالم اور فلکیات ہمیشہ سے ہی میرے پسندیدہ مضامین رہے ہیں، اس کے ساتھ ہی کتابوں سے دوستی بچپن سے رہی ہے۔ کتابوں اور علم دوستی کا اندزہ آپ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ماضی میں ایک طالبعلم، اور کتابوں کے کاروبار سے وابستگی کے بعداب ایک معلم کی حیثیت سے اس شعبے سے وابستہ ہوں۔ بحیثیت استاد میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ زندگی میں کوئی ایسا کام کیا جائے، جس سے بنی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح کے ذریعے ہم اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار سکیں، اور اسی بات کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنا کر میں نے سماجی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا۔

سماجی اور فلاحی کاموں کی انجام دہی کے دوران اللہ تعالیٰ انسان کو دلی سکون و اطمینان کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بڑی عزت سے بھی نوازتا ہے، اور یہ سعادت باری تعالیٰ نے مجھے بھی بخشی۔ جس کی مثال اوکھائی میمن برادری کے جماعت کے صدارت کے عہدے پر (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء تک) کے لئے منتخب ہوا تھا۔ تاریخ کے طالب علم ہونے کے ناطے مجھے اس بات کا شدید احساس تھا کہ ''میمن قوم'' جو دنیا میں تجارت و معیشت اور سماجی خدمات میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لئے بھی اس کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ آج تک اس کی کوئی مستند تاریخ نہیں لکھی گئی ہے۔ جب کے اس قوم کی تاریخ مرتب کرنے کی اہمیت اور افادیت کا ذکر ہمیں ۱۹۳۱ء میں راجکوٹ میں منعقد ہونے والی پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس میں ملتا ہے، جس میں سر آدمجی حاجی داود جو اس کانفرنس کے صدر جلسہ تھے۔ انہوں نے اُس میں سب سے پہلا نکتہ میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کا اُٹھایا تھا۔ جس کے بعد ۱۹۳۶ء میں تیسری آل انڈیا میمن کانفرنس پوربندر جو سر حاجی عبداللہ ہارون کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی، اُس میں میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ قیام پاکستان کے بعد جناب محمد علی رنگون والا، جناب لطیف ابراہیم جمال اور جناب محمد عثمان کاٹھ جیسے دوراندیش میمن رہنماوں نے بھی مختلف مواقعوں پر میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے پر زور دیتے رہے۔ جب کے ماضی میں کچھ بزرگوں نے جس میں نمایاں طور پر اسماعیل امریلی والے، حبیب لاکھانی، عمر عبدالرحمٰن کھاتانی، یحییٰ ہاشم باوانی، ناز مانگرولی (انڈیا)، عبدالکریم حاجی یوسف نوی والا، اجن دھوراجوی (انڈیا)، نور محمد جمال نور، سراج میمن، ابراہیم شہباز، عزیز کاپاں، ستار پاریکھ، عبدالرزاق تھاپلہ والا، زکریا ہاشم اور دیگر کئی ساتھیوں نے اس سلسلے میں کافی کوششیں کی ہیں، لیکن میمن قوم کی مکمل اور مستند تاریخ جو تحقیقی حوالہ جات کے ساتھ ہو، اور جو دنیا کے تمام اعلیٰ تعلیمی اداروں اور یونیورٹیوں کے لئے قابل قبول ہو، وہ ابھی تک مرتب نہیں ہو سکی تھی۔ ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کا اردہ کیا۔ اس سلسلے میں مستند تاریخ مرتب کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسے کسی اعلیٰ تعلیمی ادارے یا یونیورسٹی سے سند کا درجہ حاصل ہو۔ لہٰذا تمام تحقیقی اور تعلیمی امور کی باریکیوں کو سامنے رکھتے ہوئے، اس سلسلے میں ہمدرد یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی (Ph.D) س کا مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے تاریخ کی سند حاصل کی ہوئی ہے۔

میمن قوم کی تاریخ کے تحقیقی کام کی ابتداء اپنے گھر یعنی میمن قوم کی ایک اہم برادری ''اوکھائی میمن برادری'' سے شروع کیا۔ کیونکہ اُس کا تاریخی مواد اور معلومات کا حصول مجھے آسانی سے دستیاب تھا۔ ''تاریخ اوکھائی میمن برادری'' کی تکمیل کے بعد اس کتاب کی اشاعت نے میرے اس تحقیقی کام کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جس نے مجھے اس کام کو کرنے کا بہت حوصلہ بخشا۔ تاریخ اوکھائی میمن برادری کی کتاب کی تقریب رونمائی میں کتاب سے متعلق پریذینٹیشن (Presentaion) کے دوران جب میں نے وہاں پر اس بات کا انکشاف کیا کہ میمن قوم سے متعلق تاریخ ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' سات جلدوں (والیوم) پر مشتمل ہوگی۔ جو مندرجہ ذیل ہوں گے۔

''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کی مکمل سیریز۔

جلد اول۔ VOL-1 ''ہندولوہانہ سے مسلم میمن قوم کی برادریوں تک''

جلد دوئم۔ VOL-2 ''ہالائی / کاٹھیاواری میمن برادریاں۔

جلد سوئم۔ VOL-3 ''میمن قوم کی معاشی طور پر خوشحال برادریاں۔

جلد چہارم۔ VOL-4 ''تجارت اور معیشت میں میمن قوم کی خدمات''

جلد پنجم۔ VOL-5 ''میمن قوم کی سماجی خدمات''

جلد ششم۔ VOL-6 ''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔

جلد ساتویں۔ VOL-7 ''سو (۱۰۰) بڑی میمن شخصیات''

اس کے ساتھ ہی تحریک پاکستان پر میمن قوم کے کردار کے بارے میں بریفنگ میں بتایا کہ تاریخ پاکستان میں ایسے بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں میمن قوم کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ رہی ہے کہ اُسے آج تک تاریخ پاکستان کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔ جس پر اس تقریب میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کے اُس وقت کے پاکستان چیپٹر کے نائب صدر جناب پیر محمد کالیا صاحب نے اپنے خطاب میں میرے اس کام کو سراہتے ہوئے اعلان کیا کہ میمن تاریخ کی ان تمام جلدوں کو ورلڈ میمن آرگنائزیشن اپنے پلیٹ فارم پر شائع کرے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی درخواست کی کہ اس سلسلے میں ان جلدوں کی اشاعت میں سب سے پہلے تحریک پاکستان میں میمن قوم کے بزرگوں نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں اُس جلد (والیوم) کو سب سے پہلے مرتب کرنے کوشش کروں، تاکہ پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اس قوم کے بزرگوں کی کیا قربانیاں رہی ہیں، اُس کو روشناس کرایا جاسکے، اور خاص کر ہم اپنی نئی نسل کو ان کے اسلاف کے کارناموں کے بارے میں بتاسکیں۔ ''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔ کی اشاعت ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کے سلسلے میں جناب پیر محمد کالیا صاحب موجودہ جنرل سیکریٹری ورلڈ میمن آرگنائزیشن (سینٹرل باڈی) سے کیئے گئے وعدہ کے مطابق اس پر تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

میمن قوم کی تاریخ سے متعلق میرے اس مقالہ کے ابتک کے کام کو خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میرے سپروائزر ڈاکٹر انصار زاہد خان صاحب کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے حقیقی معنوں میں مدبر اور دانشور استاد ہونے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اس کام میں میری رہنمائی میں دوسری اہم ترین شخصیت ''جناب یونس قیس نوی والا'' کی رہی ہے۔ ان کی رہنمائی میرے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہی ہے۔ یونس بھائی بھی میمن تاریخ، ثقافت اور خصوصی طور پر میمنی ادبی محفلوں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کو بلا شبہ میمن قوم کی چند حقیقی علمی ادبی شخصیات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اور جو کسی شہرت اور مالی مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ اس تحقیقی کام میں جناب عمر عبدالرحمٰن کھاتانی، جناب یوسف ابراہیم (اخبار میمن)، مرحوم یحیٰ ہاشم باوانی اور عزیز کایاں کا ذکر نہ کروں تو انتہائی ناانصافی ہوگی۔ کیونکہ اُن کی ہمیشہ سے ہی یہ کوشش رہی ہے کسی صورت میں بھی میمن قوم کی مکمل مستند تاریخ مرتب کی جائے۔ اس سلسلے میں ان کی بھی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔

میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے اس کام میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی خدمات، اور جس میں جناب پیر محمد کالیا صاحب کی ذاتی دلچسپی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے، اس میں خصوصی توجہ فرمائی، اور اس کام کے سلسلے میں انہوں نے میرے لئے ہندوستان میں تحقیقی کام کے سلسلے میں دو (۲) بار (۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۷ء میں) میں انتظامات فرمائے۔ ورلڈ میمن آرگنائزیشن (W.M.O.) کے صدر جناب عبدالرزاق یعقوب گاندھی (A.R.Y) جن سے میری ملاقات ۲۰۰۷ء میں دورہ ہندوستان کے دوران جناب اقبال آفیسر کے ساتھ بمبئی میں ہوئی تھی، اور جب ان کو میرے میمن تاریخ کے تحقیقی کام کا پتہ چلا تو انہوں نے اس سلسلے میں میری بڑی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اسے جلد سے جلد مکمل کرنے کی تاکید کی اور ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جو اس بات کا عملی ثبوت ہے، جو ان کے تعاون سے پایہ تکمیل تک پہنچی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جناب شعیب اسماعیل مانگروریا (نائب صدر پاکستان چیپٹر) کا بھی اس سلسلے میں تعاون رہا ہے، اس تحقیقی کام میں اکثر وہ اس کام کی تکمیل اور اسے جلد سے جلد کتابی صورت میں شائع کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ جناب ایچ ایم شہزاد (ڈپٹی جنرل سیکریٹری پاکستان چیپٹر) نے اس کتاب کی اشاعت میں پریس سے متعلق امور کی انجام دہی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے ساتھ ہی جناب شعیب غازیانی اور جناب قاسم موسیٰ لوائی ویب پر اس تحقیقی کام کو جاری کرنے کے لئے اپنا بھرپور تعاون فرما رہے ہیں۔

میمن قوم کی تاریخ کی تصنیف کے اس کام میں ''آدمجی فاونڈیشن'' کا بھی دلی طور پر مشکور ہوں کہ انہوں نے (M.Phil- Ph.D) ایم فل۔ پی ایچ ڈی پروگرام کے لئے ہمدرد یونیورسٹی کے تمام مالی اخراجات کی فراہمی میں تعاون فرمایا۔ اس کے علاوہ پاکستان میمن ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی کے تمام عہدیداروں اور خاص کر جناب عبدالروف عیسیٰ، جناب طارق باوانی، جناب احمد چنائی، اور سیکریٹری جناب عمران قادری اور ایڈمن سر آدمجی انسٹیٹیوٹ جناب رفیق ڈاگھا کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے میں مجھے اپنے سروس کے دوران انہوں نے ہر قسم کی معاونت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی بمبئی (ہندوستان) میں قائم میمن ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی کے جناب آدم نور، جناب فاروق درویش، آل انڈیا میمن جماعت کے صدر جناب ناصر پھولارا، اور خصوصی طور پر اقبال آفیسر کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے ہندوستان کے تحقیقی دورے (پہلا دورہ ۲۰۰۵ء میں اور بعد میں دوسرا دورہ ۲۰۰۷ء) کے دوران مجھ سے بھرپور تعاون فرمایا۔ اس سلسلے میں بمبئی یونیورسٹی میں قائم لائبریری اسٹاف، اور بمبئی سینٹرل لائبریری کے اسٹاف کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے اس تحقیقی کام کے سلسلے میں برٹش دور کے قدیم مرتب کردہ گیزیٹرز کے مختلف والیوم میں میمن قوم سے متعلق تاریخی مواد کی فراہمی میں تعاون فرما کر اپنے علمی دوست ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ ان تمام

باتوں کو دیکھتے ہوئے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ

> ''کیا ایسا ممکن نہیں کہ دونوں ممالک کے حکمران اپنے باہمی مسائل مثبت سوچوں اور طرزِ عمل سے حل کر کے اس خطے کے عوام کی فلاح و بہبود کی طرف مرکوز کر دیں۔ کیونکہ دونوں ممالک کے عوام آپس میں محبت چاہتے ہیں نفرتیں نہیں، کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اس خطے کے عوام کو خون خرابے کی جگہ امن محبت سے اپنے باہمی مسائل حل کرنے کی طرف مرکوز کر دیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گوں ہوں کہ وہ دونوں ممالک کے حکمرانوں کو فہیم و فراست سے باہمی مسائل کو حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

آخر میں جناب عبدالرزاق تھاپلہ والا، جناب احمد عبداللہ، مرحوم یوسف ابراہیم ''جو انکل'' (ساؤتھ افریقہ) جناب عبدالستار پاریکھ، مرحوم علی محمد ٹبا، الحاج محمد صدیق پولانی، جناب لطیف ابراہیم جمال مرحوم، جناب عبدالعزیز کاٹھ، جناب اسلم پاستا اور اسماعیل ماکڑا کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً میری رہنمائی اور مشاورت فرماتے ہوئے میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے کام میں اپنی بھر پور دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی میں سر آدمجی انسٹیٹیوٹ میں میرے ساتھیوں جن میں سر سعید اعوان، سر فیصل افضال صدیقی، ادریس بھائی، عثمانی صاحب، حنیف بھائی، غفار بھائی، ممتاز بھائی، جاوید بھائی، بابر بھائی اور دیگر اسٹاف ممبروں کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں ہر وقت میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ اس کتاب کی تیاری کے مرحلے میں میں احمد بلاک ورکس (پریس) کے جناب شاہد بھائی، زاہد بھائی، عدنان بھائی، علی رضا اور وہاں پر کام کرنے والے تمام ممبران کو خراجِ تحسین پیش کروں گا کہ انہوں نے اس کتاب کی پرنٹنگ کے مرحلے میں بڑی جانفشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ایسے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا،
ریسرچ اسکالر (میمنولوجی) سوشل سائنسز، ہمدرد یونیورسٹی کراچی۔
یکم، اگست ۲۰۱۰ء

BOOK VOL 06\Image\12345 copy.JPG not found.

شیخ الجامعہ کراچی یونیورسٹی، کراچی

BOOK VOL 6\Image\images.ti not found.

میمن قوم کی معاشی وسماجی خدمات نے پاکستان کی تعمیر وترقی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ مگر اس قوم کی تحریک پاکستان میں جو خدمات اور قربانیاں رہی ہیں، وہ آج تک منظر عام پر نہیں آسکی تھیں، اور تحریک پاکستان کے گمشدہ اوراق آج تک پاکستان کی تاریخ کا حصہ بننے سے رہ گئے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ تاریخ کے اس گوشہ پر آج تک کوئی علمی تحقیقی کام نہیں ہوسکا ہے۔

سوشل سائنسز میں سماجیات (سوشیالوجی) اور تاریخ کے علوم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مگر پاکستان میں ان علوم میں اعلیٰ علمی وتحقیقی کاموں کے تناسب کو مزید بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں تعلیمی میدان میں تو بڑی ترقی نظر آتی ہے لیکن سماجی اقدار (Values) کے معاملے میں ہمارا معاشرہ دن بدن تنزلی کا شکار نظر آتا ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے اسلاف کے بلند سماجی اقدار کے بارے میں ہم اپنے آنے والی نسلوں کو روشناس کروائیں۔ اس کے لئے علمی اور تحقیقی میدان میں ہمیں سماجی علوم پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہورہی ہے کہ پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا میمن قوم کی تاریخ کے سلسلے ہمدرد یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی (Ph.D) کا تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ جو سماجی تاریخ کے شعبے میں انتہائی خوش آئند اقدام کہا جاسکتا ہے۔ میمن قوم کی تاریخ کے سلسلے میں مرتب کردہ یہ تحقیقی کام جو سات جلدوں (والیوم) پر مشتمل ہوگا۔ اور یہ موجودہ کتاب ''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' اور تحریک پاکستان میں میمن قوم کا کردار، کا مسودہ دیکھنے کے بعد اسے ایک اچھی کاوش قرار دی جاسکتی ہے۔ اس پورے سلسلے کی تکمیل کے بعد بلاشبہ میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کا کام پایہ تکمیل تک پہنچے گا، جو کسی بھی قوم کے بزرگوں کا دیرینہ خواب اور خواہش ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تصنیف کے تحقیقی کام کو سامنے رکھتے ہوئے، مجھے اُمید ہے کہ تحریک پاکستان سے متعلق بہت سے حقائق مستقبل میں تاریخ پاکستان کے حصہ کے طور پر ''پاکستان اسٹڈیز'' کے نصاب میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کو مبارکباد پیش کرنا چاہوں گا جن کے تعاون سے سماجی علوم میں ''سماجی تاریخ'' کے شعبے میں معاونت فرمائی۔ جسے بلاشبہ میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کی شاندار کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر 06\Memon\Sig Dr Qasim Raza.tif not found

BOOK VOL 06\Image\new 2-9-10 copy.jpg not found.

عبدالرزاق یعقوب گاندھی

صدر ورلڈ میمن آرگنائزیشن

BOOK VOL 06\Image\WMO logo Final.tif not found.

''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' تحریک پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔ کی اشاعت ''ورلڈ میمن آرگنائزیشن'' کے لئے آج تاریخی دن کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ آج میمن قوم کے آکابرین دانشوروں اور رہنماوں کا یہ خواب سچ ہونے جارہا ہے۔ جس میں انہوں نے میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے پر ہمیشہ زور دیتے رہے۔ اور موجودہ کتاب مستند تاریخ ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کی ابتداء ہے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، اور اُمید ہے بہت جلد اس سلسلے کی باقی جلدوں پر بھی تحقیقی کام کو مکمل کرنے پر پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا بھی میمن تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید ہوجائیں گے۔

ورلڈ میمن آرگنائزیشن دنیا میں میمن قوم سے متعلق ایسے تمام علمی اور تحقیقی کاموں کی حوصلہ افزائی کرے گی جس سے اس قوم کے بچوں کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ میمن قوم کے تشخص اور وقار میں اضافہ ہو۔ موجودہ کتاب اس سلسلے کی ایک شاندار کوشش ہے جس میں اس قوم کے بزرگوں کی تحریک پاکستان میں خدمات اور کارناموں کو تحقیقی حوالاجات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ مرکتیا صاحب، کا میمن قوم کے لئے بہت بڑا کام تصور کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ان کو یقین دلاتا ہوں کے اس کتاب کی طرح میمن قوم کی تاریخ کے سلسلے کی باقی تمام جلدوں کو بھی ورلڈ میمن آرگنائزیشن شائع کرے گی۔

آخر میں میری اس کتاب کے حوالے سے پاکستان کے تعلیمی شعبہ کے تمام اداروں سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب میں دیئے گئے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، پاکستان کی تاریخ میں میمن قوم کی گراں قدر خدمات کے ان گمشدہ اوراق کو شامل کر کے اس شعبے میں رہ جانے والی بہت سے حقائق کو تاریخ پاکستان کا حصہ بنانے میں اپنا کردار ادا کر گے۔ اُمید ہے کہ ارباب اختیار اس پر خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

عبدالرزاق یعقوب گاندھی (ARY)۔

BOOK VOL 06\Image\2-9-10.jpg not found.

پیر محمد کالیا

سیکریٹری جنرل ورلڈ میمن آرگنائزیشن

BOOK VOL 06\Image\WMO logo Final.tif not found.

تاریخ آنے والے نسلوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں کے بارے میں پتہ چلتا ہے اور وہ اُس سے سبق حاصل کر کے اپنے مستقبل کا لائحہ عمل تعین کر سکتیں ہیں۔ اس وقت پوری دنیا ایک گلوبل ولیج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ آج ہم پوری دنیا میں آباد مختلف اقوام اور برادریوں پر نظر دوڑائیں تو اُن میں میمن قوم تجارتی اور سماجی امور کی انجام دہی میں پوری دنیا میں نمایاں پر نظر آتی ہے۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ اس اہم تجارتی اور سماجی خدمات انجام دینے والی قوم کی آج تک مستند تاریخ مرتب نہیں ہو سکی ہے۔ اس سلسلے میں ۲۰۰۶ء میں مجھے "تاریخ اوکھائی میمن برادری" کی کتاب کی تقریب رونمائی میں جانے کا اتفاق ہوا، اور جب وہاں پر میرے علم میں یہ بات آئی کہ پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے پر کام کر رہے ہیں، اور اس سلسلے میں وہ ہمدرد یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی (Ph.D) کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے یہ بات جان کر بہت خوشی ہوئی اور اُس پروگرام میں اپنے خطاب کے دوران میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کریں، چاہئے اس سلسلے میں اُس کی کتنی بھی جلدیں مرتب ہوں، ورلڈ میمن آرگنائزیشن اس سلسلے میں اُن سے بھر پور تعاون کرے گی۔

الحمداللہ، اُس اعلان کے آج تقریباً چار سال بعد پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا نے حسب وعدہ میمن قوم کی تاریخ کی انتہائی اہم جلد تحریک پاکستان میں میمن قوم کے کردار پر "تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق" کے عنوان سے تحقیقی کتاب تصنیف کی ہے، اور اس سلسلے میں مزید چھے (۶) جلدوں پر تحقیقی کام اپنے آخری مراحل میں ہے۔ انشاءاللہ حسب وعدہ ان تمام جلدوں کی اشاعت کا فریضہ ورلڈ میمن آرگنائزیشن ادا کرے گی۔ مذکورہ تحقیقی کام کے مسودہ کو دیکھتے ہوئے بلاشبہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے، کہ مستقبل قریب میں اس میں شائع ہونے والے میمن قوم سے متعلق بہت سے تاریخی حقائق آئندہ تاریخ پاکستان کا حصہ ہونگے۔

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا کے میمن قوم کی تاریخ کے سلسلے اس شاندار کام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کی اس کاوش کو تعلیمی، علمی، اور خصوصاً میمن قوم میں ایک سنگ میل کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آخر میں ہم ارباب اختیار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر توجہ فرما کر اور تمام تحقیقی اور علمی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تحریک پاکستان سے متعلق جو حقائق پیش کیے گئے ہیں اُن کو تاریخ پاکستان میں شامل فرمائیں۔

پیر محمد کالیا

BOOK VOL 06\Image\Dr Aziz HIESS.tif not found.

پروفیسر ڈاکٹر سعید عبدالعزیز

ڈائریکٹر ہمدرد انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز،

ہمدرد یونیورسٹی کراچی

BOOK VOL 06\Image\hamdard university (logo unfill) copy.tif not found.

تاریخ ایک مسلسل اور جاری عمل کا نام ہے جو آنے والی کسی بھی نسل کی علمی وادبی نشو ونما اور کردار سازی میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں موجودہ واقعات اچھے ہوں یا بُرے، ہر صورت میں مستقبل کی راہیں متعین کرنے اور اقوام کی تربیت میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخ کا کھوج اور اس کا بیان ایک ایسا راستہ ہے کہ جس پر چلتے ہوئے ذراسی بھی لغزش منزل کو آنکھ سے یوں اوجھل کرسکتی ہے کہ اسے پانا تو درکنار دیکھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ عبدالعزیز مرکتیا کی تحقیق "میمن قوم تاریخ کے آئینے میں" ایک انتہائی اہم کوشش ہے جس میں اس چیز کا اہتمام والتزام کلی طور پر موجود ہے کہ میمن برادری نے سیاسی، سماجی اور معاشی میدان میں غیر منقسم ہندوستان کے دور سے پاکستان کے حصول تک جو کام کئے اُن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ، ممکنہ حد تک قابل اعتماد معلومات لوگوں تک پہنچائی جا سکے۔ اس عمل میں کسی بھی مرحلے پر موضوع کے باوجود محقق اپنے اہداف سے نہ ہٹے۔

اس اہم مقصد میں عبدالعزیز مرکتیا نے جس عرق ریزی سے کام لیا یہ موضوع بلاشبہ اسی کا متقاضی تھا اور محقق نے کہیں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا۔ اپنے اس کام کی تکمیل کے لئے انہوں نے صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان سے بھی بہت ساری معلومات حاصل کیں۔ اس کی یہ کوشش بطور ایک ایسے محقق کے جو تاریخ کے اس پہلو پر کام کر رہا ہو قابل ستائش ہے۔

میں پر اُمید ہوں کہ عبدالعزیز مرکتیا کی تحقیق، میمن قوم کی تاریخ کے موضوع پر کی جانے والی کسی بھی نئی کوشش کے لئے صرف ایک حوالہ ہی نہیں بلکہ خزانہ ثابت ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر سعید عبدالعزیز۔

BOOK VOL 06\Image\Shoaib Ismail .jpg not found.

شعیب اسماعیل مانگروریا

نائب صدر ورلڈ میمن آرگنائزیشن

BOOK VOL 06\Image\WMO logo Final.tif not found.

میمن قوم کی ماضی میں منعقد ہونے والے تمام اہم اجتماعات کی کاروائیوں پر اگر ہم نظر دوڑائیں تو ہمارے بزرگ ہمیشہ سے ہی میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ اس طرح ہم اپنے ماضی کے اسلاف کی کارکردگی کو سامنے رکھتے ہوئے، اپنے حال کا تجزیہ کر کے مستقبل کا بہتر انداز میں لائحہ عمل مرتب کرسکتے ہیں۔ ماضی میں جہاں میمن قوم کے اسلاف نے تجارت معیشت کے میدان میں دنیا میں اپنا ایک خاص مقام بنایا۔ اسی طرح انہوں نے سماجی شعبے میں بھی بے مثال خدمات انجام دی ہیں، خصوصاً پاکستان میں تعلیم اور صحت عامہ کے شعبے میں ان کی خدمات نمایاں رہی ہیں۔

''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' اور تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار، جس میں پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا نے تمام تحقیقی اور علمی امور کو سامنے رکھتے ہوئے تصنیف کیا ہے، اور جسے ہم میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کی ایک معیاری کوشش قرار دے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں تحریک پاکستان کے ساتھ تعلیمی میدان میں میمن قوم کے بزرگوں کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے سندھ میں تعلیم کے شعبے میں نمایاں خدمات انجام دینے والی میمن شخصیت حسن علی آفندی جسے تعلیمی شعبہ میں نمایاں خدمات کی وجہ سے ''سندھ کے سرسید احمد خان'' سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کاٹھیاواڑ میں تعلیمی میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات، جن میں بیگ محمد باوانی، بیرسٹر عبدالستار روہلی، اور سر آدمجی حاجی داود کے علاوہ دیگر بزرگوں کی کوششوں کی بدولت میمن قوم میں تعلیم کو فروغ، اور سر آدمجی حاجی داود کی قیادت میں کلکتہ میں قائم ہونے والی میمن ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی نے بعد میں اس شعبہ میں انقلابی کردار ادا کیا، اور یہ ادارہ آج بھی ہندو پاک میں تعلیمی میدان میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تعلیمی میدان میں محترمہ خدیجہ حاجیانی، لطیف ابراہیم جمال، سکندر بھورا، عمر فاضل فاروق، محمد عثمان کاٹھ اور دیگر اکابرین کی نمایاں خدمات رہی ہیں۔ اور یہ تمام معلومات ہمیں تاریخ کو جاننے سے حاصل ہوتی ہیں۔ موجودہ دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آنے والی نسلوں کو جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تعلیمی شعبہ پر خصوصی توجہ دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم میمن قوم کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے سلسلے میں مردم شماری کے کام کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچائیں تاکہ اس کی روشنی میں آئندہ کے لائحہ عمل کو بہتر طور پر مرتب کیا جاسکے۔

یہاں میں یہ بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ گذشتہ پندرہ سالوں سے میں پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا کو بہت قریب سے جانتا ہوں، جب سے میں عملی طور پر سماجی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا، اس وقت سے ان کو میمن قوم کی تاریخ کے تحقیقی کام میں مصروف عمل دیکھا ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے اوکھائی میمن برادری کی ایک مستند تاریخ مرتب کرچکے ہیں۔ اور اب ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کے سلسلے میں سات والیوم پر مشتمل میمن قوم کی مکمل تاریخ تصنیف کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' اور تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار، اسی سلسلے کی کاوش ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جسے ہم بلاشبہ میمن قوم کے لئے ان کا ایک تاریخی کارنامہ کہہ سکتے ہیں۔

شعیب اسماعیل مانگروریا

BOOK VOL 06\Image\123 copy.jpg not found.

پروفیسر ڈاکٹر انصار زاہد خان

جنرل سیکریٹری پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی

BOOK VOL 06\Memon\LOGO Copy.tif not found.

میمن قوم کی پاکستان کے لئے خدمات ہمیشہ سے ہی قابل ستائش رہی ہیں ۔اوران کی تحریک وتعمیر پاکستان میں گراں قدر خدمات پر علمی وتحقیقی کی کام کی ضرورت کوکافی عرصے سے محسوس کیاجارہاتھا۔ یہ انتہائی خوش آئند بات ہے کہ میمن قوم کی تاریخ کے پی ایچ ڈی (Ph.D) کے تحقیقی مقالہ ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' پر کام ہورہا ہےاوراس کی نگرانی کی ذمیداری کافریضہ میرے سپرد کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں عبدالعزیز اسماعیل مرکنیا بڑی محنت اورلگن سے اپنے کام کوسرانجام دے رہے ہیں، جس کی زندہ مثال مذکورہ کتاب ''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' سے کیا جاسکتا ہے۔ جو حقیقت میں میمن قوم کی تحریک اورتعمیر پاکستان میں خدمات کا تذکرہ ہے۔انھوں نے اس سلسلہ میں بھارت اوردیگر مقامات کے دورے بھی کیے، اوروہاں سے مختلف ذرائع سے مستند تحقیقاتی موادحاصل کیا ہے، اوراس طرح تاریخ کے ان گمشدہ اوراق کوسامنے لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ جس طرح انھوں نے عرق ریزی اورلگن کے ساتھ یہ کام کیا ہے، وہ نہایت ہی قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ''میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کے مشن میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

VOL 06\Memon\Sig zahid.tif not found.

پروفیسر ڈاکٹر انصار زاہد خان ۔

جناب ایچ ایم شہزاد

اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل ورلڈ میمن آرگنائزیشن

BOOK VOL 06\Image\WMO logo Final.tif not found.

ہر انسان اپنے آباؤ واجداد کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔اسی بات نے بعد میں انسان کو اپنے خاندانوں کے شجرے لکھنے کی طرف راغب کیا، اور جو بعد میں قبیلوں ، برادریوں اور اقوام کی تاریخ مرتب کرنے کا سلسلہ بنا۔میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنا ہمارے بزرگوں کی دیرینہ خواہش رہی ہے۔ماضی میں بھی ہمارے کئی بزرگوں نے اس سلسلے میں مختلف کوششیں کی ہیں ۔لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسی مستند تاریخ مرتب کی جائے جسے پوری دنیا میں تسلیم کیا جائے۔موجودہ سلسلہ ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اُن کاموں کی حوصلہ افزائی کرے جس سے میمن قوم کے معاشی طور پر کمزور خاندانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے ساتھ،اُن کے بچوں میں تعلیم کو پروان چڑھانے اور ان کی آبادکاری کے سلسلے میں مالی معاونت کی جائے، اس کے ساتھ ہی اپنے بزرگوں کے اُن کارناموں کو بھی اجاگر کیا جائے ،تاکہ ہماری نئی نسلوں کو اپنے بزرگوں کے کارناموں کو پتہ چل سکے۔اور اُن میں بھی ایسی اعلیٰ صفات پیدا کی جاسکیں ،اور جواُن کی طرح انسانیت کی بھرپور خدمات انجام دے سکیں۔

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکنیا کی میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کی اس کوشش کو ہم آنے والی نسلوں کے لئے ایک مشعل راہ کہے سکتے ہیں۔جس کے ذریعے نئی نسل کو اپنے بزرگوں کے بارے میں گراں قدر معلومات حاصل ہونگی۔میری مرکنیا صاحب سے پہلی ملاقات ۲۰۰۱ء میں آل پاکستان میمن فیڈریشن کے الیکشن کے دوران ہوئی اُس وقت آپ اوکھائی میمن جماعت کے صدر کے عہدے پر فائز تھے۔جس کے بعد آپ سے قریبی تعلقات کا سلسلہ ۲۰۰۵ء بمبئی میں منعقد ہونے والے ورلڈ میمن آرگنائزیشن کے اجلاس میں ہوا۔اُس پورے دورے کے دوران میں اور کانفرنس میں شریک دیگر مندوبین نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا کہ ہم سب بمبئی میں منعقد ہونے والی مختلف تقریبات میں مصروف عمل رہتے ،اور مرکنیا صاحب اس دوران بمبئی کی مختلف لائبریریوں اور وہاں پر قائم میمن جماعتوں کے دفاتروں میں میمن تاریخ کے سلسلے میں معلومات کے حصول میں سرگرم عمل رہتے۔مرکنیا صاحب کا اُس کانفرنس میں حاضری کے ساتھ وہاں پر آنے کا بنیادی مقصد میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد حاصل کرنا تھا۔

یہاں پر یہ بات بتانے کا بنیادی مقصد پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکنیا کی میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے اس کام میں لگاؤ کی انتہا کو بیان کرنا مقصود تھا،جس سے اس کام میں ان کی روحانی وابستگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں پر میں صرف اتنا کہوں گا کہ اس تاریخ کے مرتب کرنے کے بعد وہ بھی میمن قوم کی تاریخ میں ہمیشہ ایک درخشاں ستارے کی طرح جگمگاتے رہیں گے۔

ایچ ایم شہزاد

''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کے سلسلے کی تحقیقی تصنیف:۔

''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' تحریک وتعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔

کا مکمل کتابی ورژن ویب پر بھی جاری کردیا گیا ہے، اس کے ڈیجیٹل ایڈیشن کے سلسلے میں، جناب شعیب غازیانی، اور جناب قاسم موسیٰ لوائی کا بے حد مشکور ہوں۔جن کی انتھک کوششوں سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔الحمدللہ میمن تاریخ سے متعلق یہ اہم ترین تصنیف اب دنیا کے ہر گوشہ میں آپ کو آسانی سے دستیاب ہوگی۔اس سلسلے میں آپ کو صرف memonbooks.com کی سائٹ کو وزٹ کرنا ہوگا، اور وہاں سے اس کتاب کو مکمل طور پر بغیر کیسی چارجز کے ڈاون لوڈ (Down Load) کر سکتے ہیں۔اس اہم کام کو سرانجام دینے پر میں اور ورلڈ میمن آرگنائزیشن کے عہدیداران، جناب شعیب غازیانی اور قاسم موسیٰ لوائی اور ان کے دیگر ساتھیوں کو مبارک باد کے پیش کرتے ہیں۔

آخر میں تمام قارئین سے میری التماس ہے کہ وہ میری رہنمائی فرماتے ہوئے اپنے مشورے اور ارائے سے آگاہ کریں۔اس سلسلے میں اپنی رائے ای میل ایڈریس aziz_markatia@yahoo.com پر ارسال کریں۔ شکریہ

مصنف۔

...6\Image\AAM Photo.tif not found.

کچھ مصنف کے بارے میں

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا اعلیٰ تعلیمی میدان میں اور خاص کر ''میمنولوجی'' سوشل سائنسز کے شعبے میں دنیا بھر میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آپ 14، اگست 1956ء کھارادر کراچی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاکستان نیشنل اسکول (ناور) کھارادر سے، انٹر ایس ایم کامرس کالج اور B.A اور M.A اسلامک ہسٹری کراچی یونیورسٹی سے کیا۔ آپ چھوٹی سی عمر میں گھر کی ذمہ داریوں (والد صاحب کی آنکھوں سے معذوری) کی وجہ سے 1972ء میں بندرگاہ پرٹالی کلرک کی نوکری سے عملی زندگی کا آغاز کیا، اس کے ساتھ ہی سماجی خدمات کی ابتداء اوکھائی میمن اسٹوڈنٹس یونین سے کی۔ اور وہاں پر مختلف عہدوں پر فائز رہے سماجی امور میں اوکھائی میمن یوتھ سروسز کے 1999-2001ء میں جنرل سیکریٹری اور 2001-03ء میں اوکھائی میمن جماعت کے صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے صدارتی دور میں آپ نے اوکھائی میمن برادری کے سماجی کاموں میں جدید تصور کو روشناس کروایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک نیا (VISION) ویژن پیش کیا۔ جس کے بعد جماعت کے تمام پروجیکٹوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

مرکتیا صاحب کو علمی اور تعلیمی امور میں خاص دلچسپی رہی ہے۔ آپ کو تاریخ، فلسفہ، مذاہب اور اسٹرولوجی (علم فلکیات) سے خصوصی دلچسپی رہی ہے۔ آپ "مقدمہ ابن خلدون" کو علمی میدان میں اہم ترین تصنیف قرار دیتے ہیں، اور مغرب کے مفکروں اور سماجی علوم کے ماہرین کے مقابلہ میں "ابن خلدون" کا مقام بلند قرار دیتے ہیں۔ آپ کے علمی شوق اور میمن قوم سے والہانہ لگاؤ کی وجہ سے آپ اس وقت "ہمدرد یونیورسٹی" سے میمن قوم کی مستند تاریخ مرتب کرنے کے سلسلے میں ایک تحقیقی (Ph.D) مقالہ ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' تحریر کر رہے ہیں۔ تاکہ معاشی اور سماجی میدان میں دنیا کی چند اہم ترین اقوام میں نمایاں اہمیت کی حامل ''میمن قوم'' کے بارے میں آئندہ آنے والی نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کے بارے میں آگاہی فراہم کی جاسکے۔

پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکتیا اپنی زندگی کے چند اہم ترین سماجی کاموں میں جعفر فدو ڈسپنسری کھارادر کو ہسپتال بنانے کی تجویز کو قرار دیتے ہیں، جس میں انہوں نے اُس وقت کی بے نظیر حکومت کو دی تھی جو آج ''کتیانہ میمن ہسپتال'' کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں اس کے علاوہ نواز شریف کے دور میں کراچی میں بڑھتے ہوئے کنٹینرائزیشن (Containeraisation) کی وجہ سے وہاں پر سنگین ٹریفک کے مسائل کے حل کے لئے بندرگاہ سے سپر ہائی تک ایک علیحدہ ہائی وے بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ جو آج ہم ''ناردرن بائی پاس'' کی صورت میں دیکھ رہے

ہیں ۔اس کے علاوہ بندرگاہ میں اس وقت کارگو کے مسائل جس میں بلک کارگو کا پورٹ قاسم پر منتقل کرنے کا پروگرام، جنرل کارگو اور اس وقت نئی تعمیر ہونے والی گودی گرونگ یارڈ (Grouning Yard) میں کام سے متعلق تجاویز جو آج بھی K.P.T کے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ جو بلاشبہ ملک کے لئے ان کی گراں قدر خدمات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔

مرکٹیا صاحب نے علمی اور تحقیقی کاموں میں 14، اگست 2006ء کو اوکھائی میمن برادری کی مستند تاریخ تصنیف کی۔ انہوں نے اس تحقیقی کام کے سلسلے میں "اوکھا منڈل" ہندوستان تشریف لے گئے۔ تاکہ اوکھائی میمن برادری کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے ایک مستند تاریخ مرتب کرسکیں۔۔ جس کا اندازہ آپ تاریخ اوکھائی میمن برادری کی کتاب کے مطالعہ کے بعد بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح " میمن قوم " کی تاریخ کو مرتب کرنے کے سلسلے میں آپ دو (۲) مرتبہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اور وہاں سے میمن قوم کے بارے میں اہم اور مفید معلومات کے ساتھ مختلف تاریخی ریکارڈ حاصل کر کے مذکورہ تاریخ کے لئے مستند حوالاجات حاصل کئے۔ اس سلسلے میں آپ ہندوستان میں میمن قوم کے مختلف سماجی اداروں جس میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن (انڈیا چیپٹر) آل انڈیا میمن جماعتی فیڈریشن، آل انڈیا میمن ایجوکیشنل سوسائٹی، اور وہاں پر قائم مختلف جماعتوں کے عہدیداروں اور اُن کے یہاں سے مختلف رسائل اور سالانہ رپورٹوں سے حقائق اور معلومات کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

بلاشبہ اگر ہم موجودہ دور کی میمن قوم کی چند اہم اسکالر اور علمی شخصیتوں کا ذکر کریں تو اُن میں پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا کی شخصیت نمایاں طور پر شامل ہوگی۔ ورلڈ میمن آرگنائزیشن کے موجودہ عہدیداران، ان کی علمی اور تحقیقی کام کے بارے میں صرف اتنا کہیں گے کہ میمن قوم کی تاریخ کے اس شاندار کام سے آنے والی نسلیں بھرپور استفادہ حاصل کریں گی، جسے انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔

BOOK VOL 06\Image\WMO logo Final.tif not found.

ورلڈ میمن آرگنائزیشن (WMO)

”میمن قوم تاریخ کے آئینے میں“

کی سیریز کی اشاعت کے سلسلے میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کے

صدر	جناب عبدالرزاق یعقوب (ARY)
سیکریٹری جنرل	جناب پیر محمد کالیا،
پاکستان چیپٹر کے نائب صدر	جناب شعیب اسماعیل مانگروریا،
اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل پاکستان چیپٹر	جناب ایچ ایم شہزاد

نے اس سلسلے میں تعاون فرماتے ہوئے اس کی اشاعت کا انتظام فرمایا ہے۔

فہرست

پہلا باب میمن قوم کی تاریخ کے تحقیق کے بنیادی ماخذ۔

۱۔۱ انسانی زندگی میں تاریخ کی اہمیت۔

۱۔۲ میمن قوم کی تاریخ کے تحقیقی کام میں ماخذوں کے حصول کے ذرائع۔

۱۔۳ بنیادی ماٰخذ کا حصول۔

۱۔۴ روایات کی اہمیت اور اُن سے بنیادی ماٰخذ کا حصول۔

۱۔۵ تدوین حدیث ''روایت ودرایت'' کے اصول کو اس مقالہ میں خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

۱۔۶ میمن قوم کی تاریخ میں روایات کی اہمیت۔

۱۔۷ سید یوسف الدین قادری کا شجرہ نسب۔

۱۔۸ مقالہ کی تیاری میں روایات پر کم سے کم اور بنیادی ماٰخذوں پر زیادہ انحصار۔

۱۔۹ اُن علاقوں کے مطالعاتی دورے۔

۱۔۱۰ سروے رپورٹس اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے مرتب کردہ گیزیٹیرز سے استفادہ۔

۱۔۱۱ کتابیات۔

۱۔۱۲ میمن قوم کے محققین ومصنفین۔

۱۔۱۳ میمن قوم کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے والے اہم ترین رسائل (میگزین)۔

☆ ''میمن متراں'' (تقسیم ہند سے قبل بمبئی انڈیا)۔

☆ ''میمن بلیٹن'' (تقسیم ہند سے قبل راجکوٹ انڈیا)۔

☆ ''میمن عالم'' (قیام پاکستان کے بعد کراچی)۔

☆ ''میمن ویلفیر'' (تقسیم ہند کے بعد بمبئی)۔

۱۔۱۴ میمن قوم کی مختلف برادریوں (جماعتوں) کی سالانہ رپورٹوں سے معلومات کا حصول۔

۱۔۱۵ سوانح عمری، ذاتی ڈائریوں اور سفرناموں سے ماخذوں کا حصول۔

۱۔۱۶ برادری کی بزرگ شخصیات سے انٹرویوز کے ذریعہ معلومات کا حصول۔

۱_۱۷ میمن قوم کے بارے میں اعلیٰ ترین شخصیات اور اہل علم کے تاثرات۔

۱_۱۸ حوالہ جات۔

دوسرا باب — جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں آزادی کے تحریکوں میں میمن قوم کا کردار۔

۲_۱ جنگ آزادی کا پس منظر۔ (WAR OF INDEPENDENCE 1857)

۲_۲ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب۔

☆ مذہبی اسباب

☆ معاشی اسباب

☆ معاشرتی اسباب

☆ سیاسی اسباب

☆ فوجی اسباب

۲_۳ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی تجارتی برادریوں کا کردار۔

۲_۴ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور اس کے دوررس نتائج۔

۲_۵ ہندوستان کے تاجروں کی دنیا کے مختلف ممالک میں نقل مکانی۔

۲_۶ میمن قوم کی مختلف ممالک میں نقل مکانی۔ (مشرق بعید میں)

۲_۷ میمن قوم برما میں۔

☆ ملا احمد داؤد مدنی خاندان۔

☆ برما کا مرچنٹ پرنس اور چاولوں کا بادشاہ سر عبدالکریم حاجی عبدالشکور جمال (سر جمال)

۲_۸ میمن قوم کولمبو (سری لنکا) میں۔

۲_۹ میمن قوم افریقہ میں۔

۲_۱۰ موہن داس کرم چند گاندھی کے سیاسی زندگی کی ابتداء۔

۲_۱۱ آفریقہ میں ناتال "Natal" انڈین کانگریس کا قیام۔

۲_۱۲ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی ابتر حالات اور سرسید احمد خان کی خدمات۔

۲_۱۳ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام اور سرسید کا مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کا مشورہ۔

۲_۱۴ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام۔

۲_۱۵ سندھ مدرسۃ الاسلام کا قیام۔

۲_۱۶ سندھ کے سرسید احمد خان اور میمن قوم کے عظیم فرزند ''جناب حسن علی آفندی''۔

۲_۱۷ کاٹھیاواڑ کی مسلم اقوام کے تعلیمی شعبے کا تاریخی پس منظر۔

۲_۱۸ کاٹھیاواڑ میں مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لیئے اقدامات۔

۲_۱۹ کاٹھیاواڑ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔

۲_۲۰ راجکوٹ میں کاٹھیاواڑ کی تاریخی بورڈنگ ہاؤس کا قیام۔

۲_۲۱ آل انڈیا میمن کانفرنس ۱۹۳۱ء راجکوٹ، میمن قوم کا تاریخی موڑ۔

۲_۲۲ پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس۔

۲_۲۳ منشور میمن۔

۲_۲۴ میمن بلیٹن کا اجراء۔

۲_۲۵ میمن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کا قیام۔

۲_۲۶ سندھ میں ''تحریک آزادی'' کے لیئے اُٹھنے والی تحریکیں۔

۲_۲۷ ریشمی رومال تحریک میں مدرسہ مظہر العلوم کا کردار۔

۲_۲۸ سندھ میں اُٹھنے والی آزادی کی تحریکوں میں مولانا محمد صادق کا کردار۔

۲_۲۹ تحریک خلافت کی اہمیت اور اُس کا پس منظر۔

۲_۳۰ خلافت کمیٹی کا قیام۔

۲_۳۱ تحریک عدم تعاون (تحریک موالات) ''کھدر تحریک'' گاندھی جی کی خلافت تحریک میں شمولیت۔

۲_۳۲ عمر حاجی یوسف سوبانی کی خدمات۔

۲_۳۳ ''مجاہدہ آزادی'' فاطمہ اسماعیل سوبانی کی خدمات۔

۲_۳۴ خلافت تحریک کے سلسلے میں خواتین کے اجتماعات (بمبئی میں)۔

۲_۳۵ تحریک خلافت میں سندھ کا کردار۔

۲_۳۶ خلافت تحریک میں میمن قوم کی خواتین کا کردار۔ (کراچی میں)

۲_۳۷ کیرالہ میں تحریک خلافت اور موپلاؤں تحریک۔

۲_۳۸ کیرالہ میں خلافت تحریک میں سیٹھ یعقوب حسن کا کردار۔

۲_۳۹ چوراچوری کا واقعہ اور گاندھی جی کا تحریک کے خاتمہ کا اعلان۔

۲_۴۰ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد چھوٹانی خاندان کے حالات۔

۲_۴۱ تحریک خلافت میں میاں محمد چھوٹانی کی خدمات۔

۲_۴۲ آل انڈیا خلافت کمیٹی کی اہم میمن شخصیات۔

۲_۴۳ خلافت تحریک کے بعد ہندو مسلم کشیدگی اور ہندو فرقہ پرست تحریکیں۔

۲_۴۴ کراچی میں غازی عبدالقیوم کی شہادت کا واقعہ۔

۲_۴۵ تحریک پاکستان کے دوران قید و بند ہونے والی اہم میمن شخصیات۔

۲_۴۶ تقسیم ہند سے قبل میمن قوم کی اعزاز یافتہ شخصیات۔

۲_۴۷ سوبھاش چندرا بوس کی ''آزاد ہند تحریک'' اور میمن قوم کی خدمات۔

۲_۴۸ حوالہ جات

تیسرا باب مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ میمن قوم کی وابستگی۔

۳_۱ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام۔

۳_۲ آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں فعال کردار ادا کرنے والی میمن شخصیات (فاونڈر ممبرز)۔

۳_۳ سندھ میں مسلم لیگ کا قیام۔

۳_۴ سندھ مسلم لیگ میں سر حاجی عبداللہ ہارون کی خدمات۔

۳_۵ ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کا قیام۔

۳_۶ کاٹھیاواڑ میں سیاسی اور سماجی میدان میں عبدالغنی بیگ محمد باوانی کی خدمات۔

۳_۷ خلافت تحریک کے بعد ہندو مسلم کشیدگی، اور دو قومی نظریہ کے تحت سیاسی رہنماوں کی سرگرمیاں۔

۳_۸ نہرو رپورٹ اور اس کے جواب میں قائداعظم کے چودہ نکات۔

۳_۹ قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت سیاسی لیڈر اور میمن قوم سے ان کی وابستگی۔

۳_۱۰ جناح ہال بمبئی کی تعمیر۔

۳_۱۱ قائداعظم اور قائد میمن قوم سر آدمجی حاجی داود کی پہلی ملاقات۔

۳_۱۲ گاندھی جی اور آدمجی حاجی داود کا پہلا رابطہ۔۳

۳_۱۳ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد اور خودمختار مسلم مملکت کا تصور پیش کرنا۔

۳_۱۴ گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۳ء۔

۳_۱۵ "Now or Never" 'اب یا کبھی نہیں' کی اشاعت۔

۳۔۱۶ سندھ کی بمبئی پریذیڈنسی سے علیحدگی۔

۳۔۱۷ صوبائی انتخابات ۱۹۳۷ء۔

۳۔۱۸ کانگریسی وزارتوں کا رویہ ۳۹۔۱۹۳۷ء اور اس میں مسلمانوں سے ہونے والی زیادتیاں۔

۳۔۱۹ مسلم لیگ کی تنظیم نو ۳۹۔۱۹۳۷ء۔

۳۔۲۰ قائداعظم کے اعزاز میں میمن قوم کی طرف سے دیا جانے والا پہلا استقبالیہ (کلکتہ میں)۔

۳۔۲۱ بمبئی میں قائد کو میمن تاجروں کی طرف سے استقبالیہ۔

۳۔۲۲ کراچی میں قائداعظم کو سندھ مسلم لیگ کی طرف سے استقبالیہ۔

۳۔۲۳ ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کی تنظیم نو، اور پرجامنڈل تحریک۔

۳۔۲۴ پرجامنڈل تحریک اور گاندھی جی کی سیاسی ناکامی:۔

۳۔۲۵ راجکوٹ کے مقامی رہنما۔

☆ جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ۔

☆ جناب حاجی داداولی محمد سیٹھ۔

☆ جناب عبدالرحیم معرفانی۔

☆ جناب عبدالغنی دادا بھائی جتانی۔

☆ جناب عبدالغنی دادا بھائی میگھانی۔

☆ جناب حکیم عبدالرحمٰن معرفانی۔

۳۔۲۶ ہندوستان میں مسلمانوں کی آواز کو رائے عامہ تک پہنچانے کے لیئے قومی اخبار کی ضرورت واہمیت۔

۳۔۲۷ پریس فنڈ کے سلسلے میں قائداعظم کا دورہ کاٹھیاواڑ۔ (ابتداء راجکوٹ سے)

☆ گونڈل میں۔

☆ دھوراجی میں۔

☆ جوناگڑھ میں۔

☆ مانگرول میں۔

☆ ماناودر میں۔

☆ بانٹوا میں۔

☆ کتیانہ میں۔

☆ راناواو میں۔

☆ پوربندر میں۔

☆ اوپلیٹا میں۔

☆ قائداعظم اپنے آبائی علاقے پانیلی میں۔

☆ جیت پور میں۔

☆ گجرات کے مرکزی شہر احمد آباد میں۔

۳_۲۸ قائداعظم کے کاٹھیاواڑ کے دورے کی پریس ریلیز۔

۳_۲۹ لیگ پریس فنڈ کے اعداد و شمار۔

۳_۳۰ تحریک پاکستان میں حاجی عمر ماچس والا کی گراں قدر خدمات۔

۳_۳۱ حوالہ جات

چوتھا باب ۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان سے ۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک میمن قوم کی عملی خدمات و قربانیاں۔

۴_۱ قرارداد لاہور کا متن۔

۴_۲ قرارداد کی تائید۔

۴_۳ ایک ریاست کا تصور۔

۴_۴ ۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان کے کاٹھیاواڑ کی سیاسی صورت حال پر اثرات۔

۴_۵ قائداعظم کو کراچی میں اوکھائی میمن جماعت خانہ (میمن سوسائٹی لیاری) میں استقبالیہ۔

۴_۶ کرپس مشن، اور ہندوستان چھوڑ دو تحریک ۱۹۴۲ء۔

۴_۷ سندھ اسمبلی میں قرارداد پاکستان کی منظوری ۱۹۴۳ء۔

۴_۸ گاندھی جناح گفتگو ۱۹۴۴ء اور ویول پلان ۱۹۴۵ء۔

۴_۹ بمبئی میں انتخابی فنڈ جمع کرنے میں میمن قوم کا کردار۔

۴_۱۰ قائد کی قوم سے "چاندی کی گولیوں" کے لیئے اپیل۔

۴_۱۱ میمن چیمبر آف کامرس اور میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن بمبئی کی انتخابی فنڈ کے لیئے گراں قدر عطیات۔

۴_۱۲ گجرات کے شہر احمد آباد اور کاٹھیاواڑ کی مختلف ریاستوں میں انتخابی فنڈ کے لیئے اجتماعات۔

۴_۱۳ ساؤتھ افریقہ کے میمن تاجروں کا قائداعظم کے انتخابی فنڈ میں بھرپور حصہ۔

۴_۱۴ جناب احمد اے رحمٰن غنی کی تحریک پاکستان سے تعمیر پاکستان میں خدمات۔ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۹۲ء

۴_۱۵ عام انتخابات ۴۶-۱۹۴۵ء مسلم لیگ کی کامیابی اور دہلی کنونشن ۱۹۴۶ء۔

۴_۱۶ عام انتخابات ۴۶-۱۹۴۵ء میں کامیاب میمن لیڈران۔

۴_۱۷ مسلم لیگ کا یوم راست اقدام ۱۹۴۶ء۔

۴_۱۸ کیرالہ (مدراس) میں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں حاجی عبدالستار سیٹھ کی تاریخی خدمات۔

۴_۱۹ حاجی عبدالستار سیٹھ کی پاکستان کے لیئے خدمات۔

۴_۲۰ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلم لیگ کے سرگرم رہنما غلام محمود بنات والا کی خدمات۔

۴_۲۱ آل انڈیا اسٹیٹ، صوبائی اور ریاستی مسلم لیگ میں نمایاں خدمات انجام دینے والی میمن شخصیات۔

۴_۲۲ عبوری حکومت کا قیام ۱۹۴۶ء اور غریب آدمی کا بجٹ ۱۹۴۷ء۔

۴_۲۳ قرارداد پاکستان سے قیام پاکستان تک معاشی اور سیاسی میدان میں میمن قوم کا کردار۔

۴_۲۴ ہندوستان میں مسلمانوں کے پہلے بینک (حبیب بینک) کا قیام۔

۴_۲۵ آل انڈیا مسلم صنعت وتجارت کی فیڈریشن کا قیام۔

۴_۲۶ کاٹھیاواڑ انڈسٹریز۔ (دلاور سینڈیکیٹ کا قیام)

۴_۲۷ مسلم کمرشل بینک کا قیام۔

۴_۲۸ محمدی اسٹیم شپ کمپنی۔

۴_۲۹ ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی ہوائی سروس۔

۴_۳۰ تحریک پاکستان میں سندھ میں آباد میمن قوم کی خدمات۔

۴_۳۱ سر حاجی عبداللہ ہارون کی سیاسی وسماجی خدمات۔

۴_۳۲ یوسف ہارون کا قیام پاکستان سے قبل مستقبل کی مالی ومعاشی مسائل سے نمٹنے کیلئے کاٹھیاواڑ کا اہم دورہ۔

۴_۳۳ تحریک وتعمیر پاکستان میں جناب یوسف ہارون کی خدمات۔

۴_۳۴ قائداعظم کا میمن قوم سے اپیل " COME BACK HOME "(واپس گھر آجاؤ)۔

۴_۳۵ قائداعظم کی طرف سے خطاب واپس کردینے کی ہدایت۔

۴_۳۶ اٹیلی کا اعلان، اور ۳، جون پلان ۱۹۴۷ء۔

۴_۳۷ قانون آزادی ہند مجریہ ۱۹۴۷ء اور قیام پاکستان۔

۴_۳۸ حوالہ جات

پانچواں باب   پاکستان کے ساتھ جوناگڑھ کا الحاق اور ہندوستان کا اُس پر قبضہ

۵_۱ ہندوستان کی دیسی ریاستیں۔

۵_۲ تقسیم ہندوستان کے وقت جواہر لال نہرو کی دیسی ریاستوں کو دھمکی۔

۵_۳ تین اہم ترین ریاستیں۔

۵_۴ ریاست حیدرآباد دکن پر بھارت کا قبضہ۔

۵_۵ ریاست کشمیر کی متنازعہ حیثیت۔

۵_۶ ریاست جوناگڑھ کی تاریخی اہمیت۔

۵_۷ جوناگڑھ پر بابی خاندان کی حکومت۔

۵_۸ تقسیم ہندوستان کے وقت کاٹھیاواڑ کی سیاسی صورت حال۔

۵_۹ ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ۔

۵_۱۰ الحاق کا اعلان۔

۵_۱۱ مخالفت کی ابتداء۔

۵_۱۲ عارضی حکومت کا قیام۔

۵_۱۳ تین اہم واقعات۔

۵_۱۴ کاٹھیاواڑ میں بھارتی افواج۔

۵_۱۵ جوناگڑھ پر بھارتی فوج کا قبضہ۔

۵_۱۶ نواب صاحب کی جوناگڑھ سے روانگی۔

۵_۱۷ جوناگڑھ کے آخری ایام۔

۵_۱۸ آخری کاروائی۔

۵_۱۹ ویراول پر بھارتی فوج کا قبضہ۔

۵_۲۰ سر شاہنواز بھٹو اور اسماعیل حاجی محمد ابراہانی کی الحاق کے سلسلے میں انتھک کاوشیں۔

۵_۲۱ مرد آہن اسماعیل حاجی محمد ابراہانی۔

۵_۲۲ سر شاہنواز بھٹو۔

۵_۲۳ جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق اور کتیانہ کے حالات۔

۵_۲۴ کتیانہ میں عارضی حکومت کا کنٹرول اور لوٹ مار کی ابتداء۔

۵_۲۵ کتیانہ میں پہلی لوٹ۔

۵_۲۶ کتیانہ میں دوسری لوٹ۔

۵_۲۷ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی پوربندر اور اوکھا بندر سے پاکستان میں ہجرت۔

۵_۲۸ بمبئی راحت کمیٹی کی کارگزاری۔

۵_۲۹ الحاق جوناگڑھ اور بانٹوا کی صورت حال۔

۵_۳۰ بانٹوا میں جھنڈا وندن کا واقعہ۔

۵_۳۱ بانٹوا میں لوٹ مار۔

۵_۳۲ بانٹوا سے میمن قوم کی ہجرت۔

۵_۳۳ کتیانہ اور بانٹوا کی لوٹ مار اور میمن قوم کے تاجروں کی طرف سے اسی (۸۰) کروڑ روپے کی پاکستان منتقلی۔

۵_۳۴ یوسف مانڈویا کی قلمی جہاد اور قربانیاں۔

۵_۳۵ عارضی حکومت پر کلنک کا ٹیکہ۔

۵_۳۶ بھارتی حکومت کا، کاٹھیاواڑ پر مکمل کنٹرول اور عارضی حکومت کا خاتمہ۔

۵_۳۷ جوناگڑھ شہر میں فساد۔

۵_۳۸ دھوراجی میں کشیدگی۔

۵_۳۹ امریلی اور کوڈینار سے ہجرت۔

۵_۴۰ مانگرول سے ہجرت۔

۵_۴۱ کیشود میں کشیدگی۔

۵_۴۲ تقسیم ہندوستان اور ریاست راجکوٹ سے میمن قوم کی ہجرت۔

۵_۴۳ ریاست موربی ٹنکارہ سے میمن قوم کی ہجرت۔

۵_۴۴ تقسیم ہندوستان کے وقت ریاست ہالار سے میمن قوم کی ہجرت۔

۵_۴۵ تقسیم ہندوستان اور ریاست پوربندر سے میمن قوم کی ہجرت۔

۵_۴۶ مہاجرین کے ساتھ ہندو ریاستوں کا تعاون۔

۵_۴۷ اوکھا کی میمن برادری کی مہاجرین کے لیئے تاریخی ایثار و قربانیاں۔

۵_۴۸ عیسٰی جمال کی اوکھا کے میمنوں کے لیئے تاریخی خدمت۔

۵_۴۹ حوالہ جات

چھٹا باب قیام وتعمیر پاکستان۔

۶۔۱ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی مسائل۔

۶۔۲ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ۔

۶۔۳ کراچی میں مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں ''میمن قوم'' کی خدمات۔

۶۔۴ قیام پاکستان کے بعد میمن قوم کا مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں جلسہ۔

۶۔۵ مہاجرین کی سہولیات فراہم کرنے میں میمن ریلیف کمیٹی کی خدمات۔

۶۔۶ سرکاری سطح پر میمن ریلیف کمیٹی کی خدمات کا اعتراف۔

۶۔۷ جناب احمد ای ایچ جعفر کی سماجی خدمات۔

۶۔۸ پاکستان کے چھ ماہ میں معاشی طور پر ختم ہوجانے کی پیش گوئی۔

۶۔۹ معاشی اور ملک کے انتظام کو چلانے کے لیئے مالی مسائل۔

۶۔۱۰ میمن قوم کے تاجروں کی طرف سے اسی (۸۰) کروڑ روپے کی پاکستان منتقلی۔

۶۔۱۱ سر آدمجی حاجی داود کا قائداعظم کو انتظامی امور کی انجام دہی کے لیئے ''بلینک چیک'' دینا۔

۶۔۱۲ سر آدمجی حاجی داود کی تحریک وتعمیر پاکستان میں بے لوث خدمات۔

۶۔۱۳ پاکستان میں میمن قوم کی طرف سے مختلف انڈسٹریز کا قیام۔

۶۔۱۴ موجودہ دور میں پاکستان کی معاشی ترقی میں سرگرم کاروباری گروپس۔

☆ آدمجی گروپ آف کمپنیز۔

☆ تیلی گروپ۔ پاکولا والا گروپ آف کمپنیز۔

☆ باوانی گروپ آف کمپنیز۔

☆ داود گروپ آف کمپنیز۔

☆ فیکو گروپس آف کمپنیز۔

☆ ٹبا گروپس آف کمپنیز۔

☆ النور گروپس آف کمپنیز۔

۶۔۱۵ پاکستان کی معاشی وصنعتی اداروں کے قیام میں میمن قوم کا کردار۔

۶۔۱۶ مالیاتی اداروں میں ان کی خدمات۔

۶۔۱۷ بنگلہ دیش کا قیام اور نیشنلائزیشن پالیسی کی وجہ سے میمن قوم کو ناتلافی نقصان کا سامنا۔

۶_۱۸ کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے میمن صدور۔

۶_۱۹ کراچی اسٹاک ایکسچینج کے میمن صدور۔

۶_۲۰ پاکستان کی مرکزی کابینہ کے میمن وزراء۔

۶_۲۱ قوام متحدہ میں میمن قوم کے پہلے سفیر ''زین نورانی'' اوران کی پاکستان کے لیئے خدمات۔

۶_۲۲ جناب حاجی حنیف طیب کی سیاسی اورسماجی خدمات۔

۶_۲۳ ڈاکٹر محمد فاروق عبدالستار ہیروانی کی سیاسی اور سماجی خدمات۔

۶_۲۴ الحاج ذکریا کامدار کی حج اور مذہبی امور میں خدمات۔

۶_۲۵ جناب عبدالرزاق سلیمان داود۔

۶_۲۶ جناب نثار۔اے۔میمن۔

۶_۲۷ جناب غلام نبی میمن۔

۶_۲۸ جناب عبداللہ۔جے۔میمن۔

۶_۲۹ میمن گورنرز (سندھ)۔

☆ ہارون فیملی کے ایک اور سپوت محمود اے ہارون کی ملک کے لیئے گراں قدر خدمات۔

☆ جناب اشرف ولی محمد تابانی۔

۶_۳۰ صوبہ سندھ کے میمن وزراء۔

۶_۳۱ مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبران۔

۶_۳۲ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبران۔

۶_۳۳ مجلس شوریٰ کے ممبران۔

۶_۳۴ صوبہ سندھ اسمبلی کے ممبران۔

۶_۳۵ میمن میئرز۔

۶_۳۶ میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا پاکستان آرمی میں (SSG.Commando Brigade) کے بانی۔

۶_۳۷ پاکستان میں سماجی شعبہ میں نمایاں خدمات انجام دینے والے میمن قوم کے ادارے۔

☆ فاونڈیشن اور سوسائٹیز۔

☆ میمن قوم کی برادریوں کی سطح پر جماعتیں۔

☆ قیام پاکستان سے قبل کراچی میں تعلیمی شعبہ میں میمن قوم کی خدمات۔

پہلا باب

میمن قوم کی تاریخ کے

تحقیقی کام کے بنیادی ماخذ

پہلا باب

میمن قوم کی تاریخ کے تحقیقی کام کے بنیادی ماخذ

انسانی زندگی میں تاریخ کی اہمیت۔

کائنات کے مدوجزر اور انقلاب عالم کے فلسفے میں ''تاریخ'' کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے،قوموں کے عروج وزوال،حکومتوں کی تعمیر تخریب اور پانی کے بُلبلوں کی طرح ابھرنے اور مٹنے والی تہذیبوں کے مضمرات اگر انسانی ذہین وشعور کو بیدار کر سکتے ہیں تو اُن کا نفسیاتی راز تاریخ میں پنہاں ہے۔انسان زمین دوز تنگ وتاریک غاروں سے نکل کر جنگلی درندوں سے نبرد آزمائی کرتا ہوا کس طرح پتھر اور لوہے کے زمانوں تک پہنچا۔بے آب وگیاہ چٹیل میدانوں سے گزر کر سر سبزو شاداب مرغزاروں میں اُس نے کس طرح اجتماعی زندگی اور قبیلہ بندی کے تمدن کی تخلیق کی؟

ابتدائے آفرینش سے اب تک کتنے معاشرے،کتنی تہذیبیں اور کتنی زبانیں عالم وجود میں آکر انقلابات کے گرم وسرد جھونکوں میں کُملا گئیں،اُن کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں اُن معتبر واقعات وروایات کا سہارا لینا پڑے گا جنھیں ''تاریخ'' سے موسوم کیا گیا ہے،تاریخ کی ترتیب وتدوین میں ذہن انسانی کی پرواز ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہے واقعات عالم کی چھان بین کے لیئے انسان کو کیسی کیسی مشکلات جھیلنا پڑیں؟مختلف قوموں اور ملکوں کے رسم ورواج کی روایتی کہانیاں کس طرح دھیرے دھیرے تاریخ میں تحلیل ہوتی رہیں؟اس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نقطہ نظر کی ناپختہ کاری کے باوجود انسان کا ذہن وشعور تاریخ کی اہمیت اور ضرورت سے بیگانہ نہیں تھا اور یہ کام حکایات،واقعات اور روایات کی شکل میں ہمیشہ لاشعوری طور پر انجام پاتا رہا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا،تاریخ دنیا کے تمام علوم وفنون کا سرچشمہ ہے اور گزرے ہوئے زمانے کا ایک ایسا آئینہ ہے جس سے سبق حاصل کر کے نئی نسلیں اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہیں،''تاریخ'' علوم کی ایک انتہائی اہم اور لازمی صنعت ہے۔کیونکہ یہی وہ واحد علم ہے جو ماضی کے تمام تجربات اور واقعات کے خزانہ کو مضبوط کیے ہوئے ہے۔یہ وہ علم ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کی بنیادوں کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔اگر آج دنیا سے تاریخ ختم ہو جائے تو ہمارے تمام تجربات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں اور ہماری ماضی کی یادداشتیں ذہن سے کھو جائیں تو ہم خود کو کھوکھلا اور بے جان پائیں گے اور ہماری زندگی،تہذیب وتمدن خلاء میں معلق ہو کر رہ جائیں گی۔اسی لئے معاشروں کی ترتیب وتنظیم کے لئے تاریخ کا ہونا ضروری ہے۔

انسان جب تک انفرادی حیثیت سے اس کائنات میں اپنی بقا کی جنگ لڑتا رہا۔اس کی ذات فطرت کی پیچیدگیوں میں گم رہی، اور وہ کوئی تاریخ تشکیل نہیں کر پایا۔لیکن جب وہ اجتماعی زندگی میں معاشرے،طبقوں،برادریوں اور خاندانوں میں تقسیم ہوا تو اُس نے تجربے محفوظ کرنا شروع کیئے۔جس سے اپنی شناخت اور قومیت کے شعور کا آغاز ہوا۔جبکہ قومیت کی تحریک میں تاریخ نویسی اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔

کیونکہ جب کوئی قوم اپنی شناخت کے مرحلہ میں ہوتی ہے اور اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر متحد کرنے کا عمل ہوتا ہے اس وقت تاریخ نویسی کے ذریعہ ماضی کی تشکیل کی جاتی ہے جس سے قوم کی شناخت کا عمل تیز تر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ زبان کی ہیئت، ثقافتی اہمیت، لوک گیت و کہانیوں اور ماضی کے کارناموں کے ذریعے اُس قوم کے تشخص کو زندہ رکھنے کا عمل تاریخ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

وقت کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن جو نمایاں ترقی ہوئی، جس کی وجہ سے مختلف انسانی معاشرے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے، تجارت، صنعت و حرفت نے انسانی معاشروں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ابتدائی تاریخی سرمایہ زبانی روایات پر مبنی ہوا کرتا تھا، لوگ اہم واقعات کو یاد کر لیا کرتے تھے، اور ان ہی واقعات سے مدت کا تعین کرتے تھے۔ زبانی روایات، اور قصوں کہانیوں میں خرابی یہ تھی کہ نسل بعد نسل ان میں اپنی خواہشات جذبات اور اُمنگوں کو داخل کر کے ان کی حقیقت و ماہیت کو بدل دیتی تھی، اس لیئے کہا جاتا ہے کہ تین نسلوں کے بعد زبانی روایات میں صداقت بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور اضافے زیادہ ہو جاتے ہیں، صرف زبانی روایات سے تاریخ کو مکمل طور پر محفوظ نہیں رکھا جا سکتا، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ واقعات کو بھلا دیا جاتا ہے، اور اکثر واقعات کو آگے پیچھے کر دیا جاتا ہے۔ زبانی روایات میں چونکہ واقعات کو سنہ وار اور تاریخ کے ساتھ نہیں بیان نہیں کیا جاتا، اس لیئے یہ تاریخ کے زمرے میں نہیں آتیں، صرف وہ واقعات جو تاریخ اور سنہ کے ساتھ بیان ہوں ایسے واقعات تاریخ کے دائرے میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

تحریری تاریخ کے وجود میں آنے سے قبل ایشیا و یورپ میں یہ رواج تھا کہ حکمران اور امراء خاندان بھاٹ اور شاعروں کو ملازم رکھا کرتے تھے، تاکہ وہ ان کے خاندانوں کے کارناموں کو محفوظ رکھیں، اور ان کا نسب دیوی دیوتاؤں سے ملائیں، اسی طرح یہ جنگ و امن میں اہم واقعات کو شاعرانہ مبالغہ کے ساتھ منظوم کرتے تھے، اور پھر جشن تہوار اور خاص خاص موقعوں پر ان کو پڑھتے تھے۔ مسلمانوں میں بھی ابتدائی دور میں تاریخ زبانی روایات پر مبنی ہوا کرتی تھی، بعد میں ان روایات کی تصدیق کر کے انہیں تحریری شکل میں لایا گیا اور یہ اہم اصول اختیار کیا کہ ان شخصیتوں اور راویوں کے بیان سے تاریخ کو مرتب کیا جائے جو خود تاریخ کا کردار رہے ہوں۔ اور جنہوں نے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ابن خلدون کے زمانے سے زبانی روایات سے زیادہ تحریری شہادتوں پر بھروسہ کیا جانے لگا۔

جب تاریخ تحریری شکل میں آئی تو اُس وقت انسانی معاشرے میں بادشاہت کا دور دورہ تھا یا انسان ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے اولیاؤں کی شخصیت سے متاثر تھا۔ لہذا اُس تاریخ کا موضوع یا تو بادشاہ یا اولیاء اور اُن کے معجزے تھے، ان دونوں صورتوں میں تاریخ نویسی پر شخصیتوں کی چھاپ رہی اور معاشرے کا عام آدمی تاریخ کے دائرے سے دور رہا۔ دیکھا جائے تو سماجی اور معاشرتی تاریخ کئی لحاظ سے انتہائی اہم ہے، جس میں معاشرے کے اُن طبقوں اور جماعتوں کے کردار کو ابھارا گیا ہے، جو اب تک لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ سماجی اور معاشرتی تاریخ لوگوں میں یہ شعور دیتی ہے کہ اب تک معاشرہ یا قوم کی شناخت حکمرانوں، جنرلوں اور اعلیٰ منتظمین کے واسطہ سے ہوتی تھی۔ لیکن اب یہ صورت حال بدل گئی ہے، اور شناخت کے کئی پہلو سامنے آرہے ہیں۔ موجودہ دور میں ہمارے مورخوں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ تاریخ نویسی کا کوئی مقصد متعین کریں، اور تاریخ کے ذریعے معاشرے میں شعور کو پختہ کرنے اور معاشرے میں وسعت ذہن، آزادی و حریت کو پیدا کریں۔ اس لیئے مورخ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ قومی و معاشرتی شعور کی خاطر تاریخ کی تفسیر وسیع اور پھیلے ہوئے مفہوم کے ساتھ کریں۔ تاریخ کی یہ تفسیر تب ہوسکتی ہے جبکہ سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ سماجی، معاشی اور ثقافتی تاریخ کے موضوعات پر لکھیں۔ کیونکہ یہی وہ موضوعات ہیں

جو معاشرے سے نفرت و فساد کو دور کر کے ان میں انسانیت سے محبت و الفت پیدا کرتے ہیں ۔ لہذا صحیح تاریخی شعور کو پیدا کرنے اور اس کو اُبھارنے کے لیئے ایسی تاریخ نویسی کی ضرورت ہے جو تجزیاتی اور تعمیری تنقید سے بھرپور ہو۔ ایک ایسی تاریخ جو اہل اقتدار تک محدود نہ ہو بلکہ اس کے دائرے میں پورا معاشرہ اور اس کے طبقے ہوں ۔

میمن قوم کی تاریخ کے تحقیقی کام میں ماٰخذوں کے حصول کے ذرائع ۔

برصغیر پاک و ہند میں بسنے والی مختلف اقوام میں ممتاز اور ترقی میں کلیدی کردار ادا کرنے والی ''میمن قوم'' جس کی دنیا میں معاشی، معاشرتی اور سماجی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں ۔ برصغیر پاک و ہند میں بسنے والی مختلف اقوام میں کلیدی کردار ادا کرنے والی یہ قوم کی ارتقائی تاریخ اس کی ہندو لوہانہ قوم سے مسلمان ''میمن قوم'' کی تشکیل ،سندھ سے ہندوستان اور دنیا کے مختلف علاقوں تک ہجرت، اس قوم کی برادریوں میں تقسیم، معاشی و معاشرتی خدمات، اور برصغیر میں اُٹھنے والی ملی تحریکوں میں اس کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ برصغیر میں بسنے والی مختلف اقوام میں نمایاں مقام رکھنے والی اس قوم کی مستند تاریخ کو مرتب کیا جائے۔ لہذا اس سلسلے میں، میری کوشش ہے کہ اس تحقیقی مقالہ میں میمن قوم کی تاریخ اور تقسیم ہندو پاک کی تاریخ کے اُن گمشدہ اوراقوں کو اس کے دھارے میں شامل کیا جائے جس پر آج تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔

اس تحقیقی مقالہ میں مندرجہ ذیل بنیادی نکات پر بحث کی گئی ہے۔

(i) میمن قوم کا تاریخی ارتقاء ،سندھ سے کچھ، کاٹھیاواڑ اور دنیا کے مختلف خطوں میں ہجرت کا جائزہ۔

(ii) میمن قوم کی مختلف برادریوں میں تقسیم۔

(iii) دورِ حاضر میں ہندوستان، پاکستان اور دنیا کے دیگر علاقوں میں اس قوم کے سماجی اور معاشی حالات کا جائزہ۔

(iv) میمن قوم کی جماعتی بنیاد پر سماجی، معاشرتی اور خاندانی نظام کا جائزہ۔

(v) مذہبی امور میں میمن قوم کی غیر معمولی دلچسپی اور لگاؤ اور اس کا تجزیہ۔

(vi) میمن قوم کی معاشی و تجارتی میدان میں کامیابی اور اُن عوامل کا جائزہ جو اُن کی ترقی کا باعث بنے۔

(vii) برصغیر میں اٹھنے والی ملی اور آزادی کی تحریکوں میں میمن قوم کا کردار۔

بنیادی ماٰخذ کا حصول۔

اگر ہم عام تاریخی ماخذوں کا جائزہ لیں تو ہمیں مختلف ادوار کے حکمرانوں، فوجی جرنیلوں، فاتحین اور امراؤں کے بارے میں تو بہت سی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، مگر اُس دور کے معاشرتی و معاشی حالات اور وہاں پر آباد مختلف اقوام اور برادریوں کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتی, اور خصوصا متوسط، درمیانے اور نچلے طبقوں کی اقوام اور برادریوں پر تو تاریخی مواد کا حصول انتہائی مشکل سے ملتا ہے۔ میمن قوم کی تاریخ کو مرتب کرتے وقت ہر ممکن کوشش رہی ہے کہ ابتدائی ماخذوں سے استعفادہ حاصل کیا جائے۔ اس بات کو مدنظر

رکھتے ہوئے، میں نے ذاتی طور پر اُن علاقوں کا دورہ کیا اور وہاں پر قائم مختلف لائبریریوں، میمن برادری کے اداروں اور وہاں پر آباد بزرگوں سے انٹرویوز کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ماضی میں میمن قوم اپنی زندگی کے زیادہ تر امور کی انجام دہی زبانی طور پر کیا کرتی تھی، اور لکھنے لکھانے کا کام تقریباً نہ ہونے کے برابر ہی ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے کاروبار اور تجارتی امور کی انجام دہی اور بہی کھاتوں کی تیاری کے لیئے بھی ہندو مہتاؤں (حساب کتاب لکھنے والوں) کی خدمات حاصل کیا کرتی تھی۔اس کے علاوہ اس قوم کے بزرگ اپنی معاشرتی اور سماجی امور کی انجام دہی زبانی لین دین پر کرتے تھے۔اور تحریری ریکارڈ رکھنے کا سلسلہ بھی بہت ہی کم ہوتا تھا۔جس کا عملی مظاہرہ ہم آج بھی اس قوم کی معاشرتی اور سماجی معاملات کی زبانی انجام دہی سے لگا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ (جماعتوں) برادریوں کے سماجی امور کی انجام دہی اور میٹنگوں کی کاروائیاں تک زیادہ تر زبانی ہوا کرتی تھیں، اور اُس کے باضابطہ ریکارڈ رکھنے کا سلسلہ تقسیم ہند کے بعد سے ہونے لگا۔ایسی صورت حال میں میمن قوم کی تاریخ جو چھ سو پچیس (625) سالوں پر محیط ہے اور اُس میں بھی یہ قوم اکثر مختلف سیاسی حالات کی ابتری اور قدرتی آفات کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نقل مکانی اور بعد میں وہاں سے دنیا کے مختلف خطوں میں تجارتی و کاروباری امور کی انجام دہی کے سلسلے میں ہجرت میں مصروف عمل رہی۔ان تمام عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمیں اس قوم کی تاریخ کو مرتب کرنے میں اور اس کے بنیادی ماخذوں (PRIMARY SOURCE) کے لیئے مندرجہ ذیل چیزوں پر انحصار کرنا ہوگا۔

روایات کی اہمیت اور اُن سے بنیادی مآخذ کا حصول۔

انسان کی معاشرتی زندگی میں کچھ ایسے طور طریقے، معاشرتی قدریں اور تصورات ہوتے ہیں جن پر اُس سماج میں بسنے والے تمام لوگ بنیادی طور پر متفق ہوتے ہیں، اسی سماجی سرگرمیوں کے مجموعے کو "تہذیب و ثقافت" کہا جاتا ہے اور اسی عوامل سے ماضی کی باتیں تاریخی واقعات جو بزرگوں کی زبانی اُن کے بعد کی آنے والی نسلوں کو منتقل ہوتی ہیں جسے حرف عام میں 'روایات' کہا جاتا ہے۔

روایات۔روایت:۔ کے لغوی معنی، کسی دوسرے کی بات نقل کرنا۔ سنی سنائی باتیں / یا رسم و رواج کا جال۔ [1]

تدوین حدیث "روایت و درایت" کے اصول کو اس مقالہ میں خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

اسلام میں اطاعت رسولؐ ابتداء ہی سے ایک لازمی امر تھا۔اس لیے صحابہ کرامؓ نے نبی کریمؐ کے اسوہ حسنہ کے حفظ و اشاعت کی طرف خاص توجہ دی۔تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے عہد میں سنت رسول کا واحد اور مستند ذریعہ حدیث نبوی ہی تھا،لہذا تدوین حدیث کے سلسلہ میں محدثین نے مقدور بھر کوششیں کیں۔گو کہ صحابہ اکرامؓ شب و روز نبی کریمؐ کی خدمت میں رہتے تھے،اور براہ راست آپؐ سے احادیث سنتے تھے۔تمام صحابہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔بعد میں جب دوسرے لوگوں نے ان کی جگہ لی تو ان کے بارے میں ان احتیاط کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس لیے محدثین نے حدیث کی چھان بین کے لیئے کچھ اصول "روایت و درایت" قائم کیے۔ چنانچہ وہ ہر حدیث کو ان اصول پر جانچتے اور پرکھتے تھے۔محدثین نے اصول درایت کے تحت حسب ذیل صورتوں میں روایت کو مجروح قرار دیا جو قابل اعتبار و اعتماد نہیں رہتی۔

۱۔ جب کوئی حدیث عقل وفہم کے منافی ہو۔

۲۔ کسی اصول مسلمہ سے متصادم ہو۔

۳۔ محسوسات ومشاہدات کے منافی ہو۔

۴۔ قران مجید سے متصادم ہو۔

۵۔ سنت نبوی سے متصادم ہو۔

۶۔ اجماع قطعی ویقینی سے متصادم ہو۔

۷۔ معمولی فروگذاشت پر ابدی اور سخت عذاب کی دھمکی پر مشتمل ہو۔

۸۔ رکیک المعنی اور شائبہ لغویت پایا جاتا ہو۔

۹۔ اسے صرف ایک راوی روایت کرے حالانکہ اس میں کوئی قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو۔ اگر وقوع میں آیا ہوتا تو بہت سے لوگوں کو اس سے واقف ہونا چاہیے تھا۔

۱۰۔ اس میں ایسی فضول باتیں ہوں جو نبی کریم کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتیں۔ [۲]

اسلام میں تدوین حدیث کے اصول نے ہمیں زندگی کی دیگر معاملات کو پرکھنے کے لیئے ایک ضابطہ فراہم کیا ہے۔جس کے ذریعے ہم روایات اور زبانی تاریخ کے بہت سے امور کی سچائیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہم نے ہمارے اس تحقیقی مقالہ میں اس بات کو خصوصی طور پر ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

ہم دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ابتدائی تاریخی سرمایہ زبانی روایات پر مبنی ملتا ہے۔ ابتداء میں لوگ اہم واقعات کو یاد کرلیا کرتے تھے، اور بعد میں ان ہی واقعات سے مدت کا تعین کرتے تھے۔ اور اس کی ابتداء زبانی روایات، اور قصوں کہانیوں سے ہی شروع ہوئی۔ لیکن ان میں خرابی یہ تھی کہ نسل بعد نسل ان میں اپنی خواہشات جذبات اور اُمنگوں کو داخل کر کے ان کی حقیقت و ماہیت کو بدل دیا جاتا تھا۔ اس لیئے کہا جاتا ہے کہ تین نسلوں کے بعد زبانی روایات میں صداقت بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور اضافے زیادہ ہو جاتے ہیں، صرف زبانی روایات سے تاریخ کو مکمل طور پر محفوظ نہیں رکھا جا سکتا، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ واقعات کو بھلا دیا جاتا ہے، اور اکثر واقعات کو آگے پیچھے کر دیا جاتا ہے۔

زبانی روایات کی تاریخ کی اہمیت کے بارے میں جان واسینا (JAN VASINA) نے جو افریقہ کی زبانی روایاتی تاریخ کے ماہر ہیں۔ انہوں نے زبانی روایات کی تاریخ کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے کہ،

> ''زبانی شہادتیں اور گواہیاں ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ وہ مواد ہوتا ہے جس کی بنیاد پر ہم معاشرے کے ماضی اور کلچر کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ زبانی کلچر آہستہ آہستہ اُس وقت کمزور ہوتا ہے جب معاشرے میں خواندگی کی شرح بڑھتی جاتی ہے۔ اگرچہ کچھ زبانی روایات اس خواندگی کے باوجود باقی رہتی ہیں۔'' [۳]

انہوں نے آگے چل کر اپنے منشور (مینی فیسٹو) زبانی روایات بطور تاریخ ORAL TRADITION AS HISTOR میں کہا ہے کہ،

''جہاں کوئی تحریری مواد موجود ہی نہ ہو وہاں زبانی روایات کو یہ ذمیداری سنبھالنی پڑتی ہے کہ وہ تاریخ کی تشکیل نو کرے یہ صحیح ہے کہ وہ یہ کام اس طرح سے تو نہیں کرتی کہ جو تحریری مواد کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ تحریر ایک ٹیکنیکل معجزہ ہے۔ زبانی روایات میں جو کمی ہے اس کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کوششوں کو سراہنا چاہیئے جو تاریخ کی تشکیل نو کے سلسلہ میں کی گئیں ہیں۔ اگر چہ وہ جامع اور مکمل نہیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے تاریخ کو بنیاد فراہم کی۔ یہ صحیح ہے کہ زبانی روایت کی بنیاد پر جو تاریخ لکھی جاتی ہے وہ اس لحاظ سے کم تر ہے کہ اس کے حقائق کو جانچنے کے لیئے اور دوسرا کوئی مواد نہیں ہے۔''

جان واسینا (JAN VASINA) کے اس منشور (مینی فیسٹو) کے مطابق تاریخ کے اُن ادوار میں جہاں ہمیں دوسرا کوئی ایسا مواد دستیاب نہیں ہوتا جس سے حقائق کا تعین کیا جا سکے ایسی صورت میں ہمیں زبانی روایات پر انحصار کرنا ہوتا ہے اور اس تناظر میں زبانی روایات کو وہاں پر ایک خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

گو کہ زبانی روایاتی ماخذوں کے بارے میں شکوک وشبہات اور خیالات اس قدر عام ہیں کہ انہیں دور کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس لئے وہ معاشرے جہاں تحریری مواد نہیں ہے ان کے لئے روایتی طور پر اپنی تاریخ تشکیل دینے کا کام ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہاں میں آرتھر ماروک ARTHUR MARKWICK کی کتاب ''دی نیچر آف ہسٹری''(THE NATURE OF HISTORY کا حوالہ دینا چاہوں گا، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ،

''وہ تاریخ جو دستاویزات کی مدد کے بغیر لکھی جائے، جیسا کہ آفریقہ کے لوگوں کی تاریخ، چاہیئے وہ اطمینان بخش نہ وہ اور کیوں نہ سطحی ہو، لیکن اُسے ماننا پڑے گا کہ بہرحال پھر بھی وہ تاریخ ہے۔'' [۴]

یہ امر مسلم ہے کہ تہذیب وتمدن خلا میں آگے نہیں بڑھتی، بلکہ ان کو اپنے گزشتہ ادوار کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ نئی سے نئی رسم اور زندگی گزارنے کے طور طریقے مجبور ہیں اس بات کے لیئے کہ وہ اپنی بنیاد گذشتہ روایتوں پر استوار کریں۔ لہذا زندگی میں چند بنیادی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو کسی وقت اور کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان کا سہارا نہ لیا جائے تو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا جا سکتا، اگر ہم زندگی کے مختلف شعبوں کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملے گی جہاں نئے لوگوں نے اپنے ماضی سے مدد نہ لی ہو، اور اُن قدروں کو اپنا نمونہ نہ بنایا ہو جو اُنہیں اپنے اسلاف سے روایتوں کے ذریعے پہنچی ہوں۔ ماضی کا رنگ چاہے کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہو، وہ ہمیں حال اور مستقبل میں نمایاں طور پر نظر آئے گا۔ مختصر یہ کہ معاشرے میں بسنے والی مختلف اقوام و برادریوں کی سماجی زندگی اور تہذیب وتمدن روایتوں سے استعفادہ کرنے پر مجبور ہیں۔

میمن قوم کی تاریخ میں روایات کی اہمیت۔

ہمارے اس تحقیقی مقالہ میں بھی بہت سے تاریخی واقعات کا انحصار میمن قوم کے بزرگوں کی طرف سے فراہم کردہ روایات پر ہے۔ جیسا کہ ماضی میں انگریزوں کے دور حکومت میں پورے ہندوستان میں بسنے والی مختلف اقوام اور برادریوں کے سماجی، معاشرتی، مذہبی اور معاشی نظام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں انہوں نے گیزیٹیرز مرتب کروائے، تاکہ ہندوستان کو حقیقی معنوں میں اس کے سماجی اور معاشرتی نظام کو سمجھا جائے۔اس سلسلے میں ہندوستان میں بسنے والی مختلف اقوام اور برادریوں سے متعلق معلومات کے حصول کے سلسلے میں اُن کا زیادہ تر انحصار روایتوں پر رہا۔اوراس سلسلے میں تاریخ مرتب کرنے کے لیئے انہیں بنیادی ماخذوں سے بہت ہی کم تعداد میں حقیقی معلومات کا حصول ممکن ہوا۔اسی طرح میمن قوم کے بارے میں بھی انہوں نے بہت سی باتیں ۱۸۴۷ء میں امیرالدین نزہت کی طرف سے مرتب کردہ ''رسالہ ابرازالحق''جو انہوں نے ریاست کچھ میں پیر بزرگ علی ولد صادق علی کے فراہم کردہ معلومات پر مرتب کیا۔اور جس کو انگریزوں نے بھی میمن قوم کی اساس کی بنیاد بنایا۔ [۵]

جس میں انہوں نے میمن قوم کا پیر یوسف الدین کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔اوران کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی پانچویں پشت سے بیان کی گیا ہے۔ہمیں اس روایات کی تصدیق کے لیئے سب سے پہلے سید یوسف الدین قادری کے شجرہ نسب کا جائزہ لینا ہوگا کہ آیا اس نام کے کوئی بزرگ پیر عبدالقادر جیلانی کے سلسلے سے ہوئے ہیں یا نہیں؟ تاکہ رسالہ ابرازالحق کی فراہم کردہ معلومات کا تعین کیا جا سکے۔

سید یوسف الدین قادری کا شجرہ نسب۔

اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد کے ذکر میں آپ کے بیٹے تاج الدین عبدالرزاق کا نام تمام کتب میں ملتا ہے۔ سلسلہ قادریہ کی مشہور کتاب 'قلائدالجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر' (سال تصنیف ۹۶۳ھ بمطابق ۱۵۵۶ء) میں ایک حوالہ سے آپ کا نام ابوبکر عبدالرزاق تحریر کیا گیا ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا پورا نام تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق تھا۔ یہاں پر ہم سید یوسف الدین قادری کے شجرہ نسب کا دونوں کتابوں 'قلائدالجواہر' اور 'ابرازالحق' کا جائزہ لیں گے۔جو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

	پورا نام	نام بمطابق قلائدالجواہر	نام بمطابق ابرازالحق
۱۔	شریف الدین عبداللہ۔	شرف الدین عبداللہ۔	شرف الدین قادری
۲۔	محی الدین عبدالقادر۔	محی الدین عبدالقادر۔	محی الدین قادری
۳۔	نورالدین محمد۔	محمد۔	نورالدین قادری
۴۔	علاؤ الدین علی عبدالقادر۔	عبدالقادر۔	علاؤالدین قادری

۵۔	شمس الدین ابوعبداللہ محمد۔	محمد۔	شمس الدین قادری
۶۔	علاؤالدین علی یحیٰی۔	علی۔	یحیٰی قادری
۷۔	یوسف الدین ابوذکریا یحیٰی۔	یحیٰی۔	یوسف الدین قادری
۸۔	ظہیرالدین ابواسعود احمد۔	احمد۔	ضواحمد قادری
۹۔	محی الدین ابی نصر محمد۔	محمد۔	ابی نصر الدین قادری
۱۰۔	عمادالدین ابوصالح نصر۔	نصر۔	عمادالدین قادری
۱۱۔	تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق۔	عبدالرزاق۔	تاج الدین عبدالرزاق قادری
۱۲۔	محی الدین ابومحمد عبدالقادر۔	شیخ عبدالقادر جیلانی۔	شیخ عبدالقادر جیلانی [۶]

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ابراز الحق سب سے پہلی کتاب تھی، جس میں میمن قوم کے قبول اسلام سے متعلق تفصیلات ملتی ہیں۔اور ۱۸۸۴ء میں شائع ہونے والے بمبئی گیزیٹیر میں بھی میمن قوم سے متعلق تاریخی نویت کے حوالہ جات ابراز الحق سے ہی لیے گئے ہیں۔جس کے بعد کئی محققین بھی اسی کو میمن قوم کی اساس قرار دیتے ہیں۔

مقالہ کی تیاری میں روایات پر کم سے کم اور بنیادی ماٰخذوں پر زیادہ انحصار۔

گو کہ ہمارے اس تحقیقی مقالہ کا تعلق روایات پر کم سے کم اور بنیادی ماٰخذوں پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرتا ہے۔جب کہ میمن قوم کی تاریخ جو چھ سو پچیس سالوں پر محیط ہے۔اس کے مرتب کرنے میں ہمیں پھر بھی ابتدائی ادوار سے متعلق معلومات کا انحصار ہمیں بزرگوں کی فراہم کردہ روایات، جس میں ''رسالہ ابراز الحق'' بھی شامل ہے اس سے استفادہ کرنا ہوگا۔جس کے مطابق میمن قوم کا ہندووں لوہانہ قوم کے سات سو خاندانوں کا ٹھٹھہ (سندھ) میں مسلمان ہونا، اور بعد میں وہاں پر لوہانوں قوم اور اُن کے رشتے دار جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان خاندانوں کا سماجی بائیکاٹ (سوشل بائیکاٹ) کرنا، اور اس کے ساتھ ہی تمام رشتے ناطے اور معاشی لین دین کا مکمل ختم کر دینا شامل تھا۔اس کے علاوہ سندھ میں سیاسی ابتری کے حالات جس کی وجہ سے اُن دنوں وہاں پر بسنے والی تمام اقوام مختلف پریشانیوں کا شکار تھیں۔جب کے نو زائیدہ میمن قوم دوہری پریشانیوں میں مبتلا تھی یعنی ایک طرف سماجی اور معاشی مسائل، اور دوسری طرف سیاسی عدم تحفظ کا احساس، جس کی وجہ سے میمن قوم کا ریاست کچھ اور کاٹھیاوار کے مختلف علاقوں میں ہجرت کرنا۔ [۷]

ان واقعات کو انگریزوں کے مرتب کردہ گیزیٹیرز کی طرح ہمیں بھی ''رسالہ ابراز الحق'' میں فراہم کردہ روایتی معلومات پر انحصار کرنا ہوگا۔کیونکہ اس روایت کے علاوہ ہمیں کوئی اور بنیادی ماٰخذ دستیاب نہیں ہے لہٰذا ہمیں ان ہی پر انحصار کرنا ہوگا۔

روایاتی ماٰخذوں کی مقدار ہمارے اس تحقیقی مقالہ میں محدود (دس فیصد حصے پر محیط) ہے، جبکہ باقی نوے فیصد مقالہ کا تعلق گذشتہ تین سو سالہ دور میں اس قوم کی ارتقائی تاریخ اور مختلف معاشی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی و مذہبی امور سے متعلق سرگرمیوں سے ہے۔

جیسے زیادہ تر بنیادی ماخذوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ لہذا یہاں پر اس بات کی وضاحت کرنا بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں پر ہمیں بنیادی ماخذوں کا حصول ممکن نہیں ہوتا، تو مجبوراً مورخ کو زبانی روایات پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور تاریخ کو مرتب کرنے کے کام میں ہمارے لیئے بنیادی معلومات فراہم کرنے کا واحد ذریعہ ہوتا ہے۔ لہذا ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اس مقالہ میں روایات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اور اس مقالہ کی ابتدائی ادوار کے بارے میں معلومات اسی ذریعے سے حاصل کی گئی ہیں۔

اُن علاقوں کے مطالعاتی دورے۔

ہمارے اس تحقیقی مقالہ کا طریقہ کار تاریخی تحقیق کے طرزِ عمل پر ہے، اور جس میں سب سے اہم چیز حقائق (DATA) حاصل کرنے کے لیئے ابتدائی ماخذوں (PRIMARY SOURCES) کے ذریعے معلومات کا حصول ہے۔ اس سلسلے میں محقق بذاتِ خود اُن مقامات پر مطالعاتی دوروں کے ذریعے معلومات اکٹھا کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل رہا ہے۔ اس سلسلے میں وہاں پر کئی بزرگوں کے انٹرویوز کے ذریع بھی معلومات حاصل کی گئی ہے۔ ہندوستان کے صوبے گجرات کے علاقے کاٹھیاوار (جس کا موجودہ نام سوراسٹر رکھ دیا گیا ہے) کے مختلف علاقے جس میں راجکوٹ، جام نگر، دوارکا، اوکھا، میٹھا پور، اور بمبئی کے علاوہ سندھ کے وہ علاقے بھی شامل ہیں جہاں پر میمن قوم کی بڑی تعداد آباد ہے، اور اُن علاقوں کا ذاتی مشاہدہ، اور اس کے ساتھ وہاں پر بسنے والی دیگر اقوام و برادریوں کی روایات اور معاشرتی زندگی کا جائزہ اور اُن علاقوں میں اُن ادوار میں قائم مختلف ریاستوں اور وہاں کے سیاسی حالات اور اُس وقت کے حکمرانوں کے بارے میں مستند معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ، اُن علاقوں میں اس قوم کے بزرگوں کی طرف سے قائم کردہ مختلف سماجی، تعلیمی اور دینی اداروں کی عمارتوں اور ان کی طرف سے فراہم کردہ عطیات سے قائم مساجدوں کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل کی گئیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ورلڈ میمن آرگنائزیشن (WORLD MEMON ORGANIZATION) کے تعاون سے دنیا کے مختلف ممالک میں آباد میمن قوم کی مختلف تنظیموں سے جس میں سری لنکا، برما، برطانیہ، افریقہ، امریکہ، اور کینیڈا سے معلومات کا حصول بھی شامل رہا ہے۔

سروے رپورٹس اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے مرتب کردہ گیزیٹیرز سے استعفادہ۔

ہندوستان کی جنگ آزادی 1857 کے بعد انگریزوں نے اس بغاوت کے اسباب جاننے اور ہندوستان میں دوبارہ بغاوت کی صورت حال سے نمٹنے، اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی خاطر، پورے ہندوستان کی سماجی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی حالات کی حقیقی صورت حال جاننے اور پورے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیئے سروے رپورٹس اور گیزیٹیر مرتب کروائے۔ تاکہ وہ اُن علاقوں کے زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی آئندہ کی پالیسیاں مرتب کرسکیں۔ انگریزوں کے اس اقدام کی وجہ سے اُن کو ہندوستان کے معاشرتی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی امور کے سلسلے میں انتہائی اہم معلومات کا حصول ممکن ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی زندگی کے بہت سے ایسے پہلو بھی منظرِ عام پر نمایاں ہوئے جو اس سے پہلے پوشیدہ تھے۔ اس طرح اس خطے کی حقیقی تاریخ اور معاشرتی زندگی نمایاں طور پر اجاگر ہوئی۔ اس طرح آج ہمیں پورے ہندوستان کی حقیقی سماجی اور معاشرتی زندگی کے وہ بہت سے پہلو جو اس سے پہلے محققین کی نظروں سے اوجھل تھے وہ نمایاں طور

پر نظر آنے لگے، اور آج وہ ہی سروے رپورٹس اور گیزیٹیئرز ہندوستان کی سماجی، معاشرتی اور ثقافتی سرگرمیوں پر کام کرنے والے محققین کے لیئے ابتدائی معلومات فراہم کرنے کا بیش بہا خزانے کی صورت میں(PRIMARY SOURCE) انتہائی اہم معلومات کی فراہمی کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔لہذا میمن قوم کی تاریخ مرتب کرنے میں ان گیزیٹیئروں اور سروے رپورٹوں سے اس تحقیقی مقالہ کے لیئے بھرپور استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں "GAZETTEER OF THE BOMBAY PRESIDENCY VOL IX PART II GUJRAT POPULATION 1899." میں دیگر اقوام کے ساتھ میمن قوم کے بارے میں بھی گراں قدر معلومات فراہم کی گئیں ہیں، جس میں اس قوم کی تاریخ، اُن کا سماجی و معاشرتی نظام میں رہن سہن اور زندگی کے دیگر امور کی انجام دہی، تجارت و کاروبار میں اس قوم کی خدمات، اور دیگر کئی اہم معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ [۸]

اس طرح بمبئی گیزیٹیئر کی جلد نمبر ہشتم "GAZETTEER OF THE BOMBAY PRESIDENCY KATHIYAWAR VOL VIII 1884" میں کاٹھیاوار کے اُن علاقوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ جہاں پر میمن قوم کی کثیر تعداد آباد تھی، اور وہاں پر زندگی کے مختلف امور کی انجام دہی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی تھی، جس میں تجارت کے میدان میں ہمیں یہ قوم وہاں پر بسنے والی دیگر اقوام کے مقابلے میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ [۹]

اسی گیزیٹیئر کی بمبئی سے متعلق تین جلدوں پر مشتمل سیریز "GAZETTEER OF THE BOMBAY CITY AND ISLAND VOL-I II, III, COMPILED UNDER GOVT ORDER 1909." میں بمبئی شہر کے قیام اور اُس کو تجارتی میدان میں ہندوستان میں نمایاں مقام دلانے والے عوامل اور اُن اقوام اور برادریوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اور ان میں سے ایک میمن قوم بھی ہے جس کی اس سلسلے میں خدمات ہیں جس کا تفصیلی ذکر اُن تین جلدوں میں موجود ہے اس قوم کی بمبئی میں آباد ہونے سے لے کر اُن کے گھر میں پکنے والی روزمرہ کی ڈشوں تک کا ذکر موجود ہے۔ [۱۰]

آج بھی ہم بمبئی میں دیکھیں تو وہاں پر میمن برادری کثیر آبادی پر مشتمل محلے جن میں ''میمن واڑہ'' ''ذکریہ محلہ'' ''کولہ محلہ'' ''باونگری محلہ'' اور دیگر کئی علاقے موجود ہیں۔اور جو موجودہ بمبئی کے قدیم علاقے تصور کیے جاتے ہیں۔میمن قوم کی بمبئی میں اثر رسوخ کا اندازہ ہم اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں ۸۲۔ ۱۹۸۳ء میں ''جناب ناز مانگرولی'' جن کا تعلق میمن برادری سے تھا، اور وہ بمبئی شہر کے ''میئر'' کے عہدے پر فائز رہے۔

اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے امپیریل گیزیٹیئر "THE IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA 1906" سے بھی استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ جو (۲۶) چھبیس جلدوں پر مشتمل ہے۔اس ضخیم گیزیٹیئر میں پورے ہندوستان میں آباد شہروں، قصبوں اور چھوٹے سے چھوٹے علاقوں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ گجرات اور کاٹھیاوار کے مختلف علاقوں میں قائم اُس وقت راجاؤں اور مہاراجاؤں کی قائم دیسی ریاستوں اور اُس کے مختلف علاقوں کے بارے میں معلومات، خصوصا وہ علاقے جہاں پر میمن قوم آباد تھی تقسیم ہند اور پاکستان میں ہجرت کے بعد اُن علاقوں کی نسبت سے اس قوم میں برادریوں، مثلاً، اوکھائی میمن،

دھوراجی میمن، بانٹوا میمن، جیت پور میمن، اور دیگر برادریوں کا وجود عمل میں آیا، اور ان علاقائی برادریوں کے بارے میں کئی اہم معلومات امپریل گیزیٹیر سے حاصل کی گئی ہے۔ [۱۱]

اس کے علاوہ ۷۵-۱۸۷۴ء میں ریاست کچھ اور کاٹھیاوار کے لیئے اُس وقت برٹش گورنمنٹ نے ایک آرکولوجیکل سروے کروایا تھا۔ جس میں وہاں کی James "Burgess ,ANTIQUITIES OF KUCH AND KATHIYAWAR" Archaeological Survey of Western India 1874-75 تاریخ، ثقافت اور معاشرتی زندگی اور وہاں پر آنے والی قدرتی آفات کا تفصیلی تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں بڑی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اور اس مقالے میں اُن سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ [۱۲]

کتابیات۔

اس تحقیقی مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام ممکن ماخذوں سے استفادہ حاصل کیا جائے، اور اس سلسلے میں زیادہ تر ابتدائی اسناد (PRIMARY SOURCE) پر مبنی ہے مگر بعد کے علمائے تاریخ کی تصانیف کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ جن کتابیات پر میمن قوم کی تاریخ سے متعلق یہ تحقیقی مقالہ تیار کیا گیا ہے، اسے گنجائش کی کمی کے باعث پوری طرح زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں ایک مکمل فہرست درج کردی گئی ہے۔ یہاں ابتدائیہ میں اُن میں سے چند اہم اور خاص خاص ماخذوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ میمن قوم نے اپنے اسلاف اور تاریخ لکھنے کا آغاز 1873ء میں شروع کیا۔ اُس وقت ریاست کچھ میں پیر صاحب علی ولد صادق علی صاحب کی ہدایت پر امیرالدین نزہت نے رسالہ ''ابراز الحق'' تحریر کر کے اس کی ابتداء کی۔ جس کے مطابق میمن قوم ہندو لوہانہ قوم سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔ ابراز الحق کی اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ سندھ میں لوہانہ قوم آباد تھی بھی یا نہیں، اس سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے لوہانہ قوم کے تاریخی پس منظر کو دیکھناہ ہوگا۔ اس بات کو جاننے کے لیئے ہمیں سندھ کی قدیم تاریخ ''چچ نامہ'' جس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۰۰ء میں مرزا قلیچ بیگ نے کیا، تاریخ معصومی جسے ''میر معصوم نے ۹۴۴ھ میں تصنیف کیا جس کا سندھی میں ترجمہ مخدوم امیر احمد نے کیا اور جسے ادرہ سندھی ادبی بورڈ نے شائع کیا۔ سندھ کی تاریخ پر ایک اور اہم تصنیف ''تحفتہ الکرام'' جس سے سندھ میں آباد لوہانہ قوم کی تاریخ کے بارے میں استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سندھ گیزیٹیر سے بھی مفید معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ لہٰذا اس مقالے کی تیاری میں لوہانہ قوم کی تاریخی پس منظر کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

تاریخی تصنیف ''میراۃ احمدی'' جو ۱۷۶۲ء میں فارسی زبان میں شائع ہوئی تھی اور جس کا ترجمہ ۱۹۳۰ء میں مولانا ابوظفر ندوی نے ''تاریخ اولیا گجرات'' کے نام سے کیا ہے۔ اور اس کتاب میں گجرات میں صوفیاء اکرام کی اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرنے والے بزرگان دین سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جہاں میمن قوم کا ذکر ہے میں نے اس پر تفصیلی بحث آگے کے صفحات میں کی ہے۔ اس کے علاوہ مرزا کاظم برلاس نے ۱۹۰۵ء میں مراد آباد سے ایک تاریخی تصنیف ''تاریخ کچھ و مکران، مع حالات میمنان'' میں میمن قوم کے بارے میں ذکر کیا ہے، اُس پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

میمن قوم کے محققین۔

میمن قوم کی تاریخ کو مرتب کرنے کے سلسلے میں کئی میمن محققین نے وقتاً فوقتاً اپنے طور پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے، اور اس سلسلے میں کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

حبیب لاکھانی۔

میمن قوم کے محققین میں سب سے اہم کام جناب حبیب لاکھانی نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے پانچ (۵) کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے (۲) دو گجراتی زبان میں، (۲) دو انگریزی میں، اور ایک اردو میں لکھی ہیں۔ (۱) ''پاکستان اور میمن برادری'' (گجراتی زبان میں) (۲) ''میمن اتحاس نی روپ ریکھا'' (گجراتی زبان میں)۔ مصنف نے ان دونوں کتابوں میں تاریخی پس منظر اور میمن قوم کی قیام پاکستان کی جدوجہد سے تعمیر پاکستان میں اس برادری کا ذکر کیا ہے۔ تیسری کتاب انہوں نے (۳) "Story of great Patriot ADAMJEE." جس میں انہوں نے میمن قوم کی عظیم شخصیت سر آدمجی حاجی داود کی زندگی کے مختلف پہلوں کو اجاگر کیا ہے۔ چوتھی کتاب (۴) "Honoarable Memon" جس میں مصنف نے میمن قوم میں اہم واقعات، ادارے، اور شخصیات کے بارے میں مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ جس سے ہم نے اس تحقیقی مقالہ میں بہت سی جگھوں پر رہنمائی حاصل کی ہے۔ اور پانچویں کتاب (۵) ''الحاق جوناگڑھ'' میں مصنف نے ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق اور اور اُس وقت رونماں ہونے والے اہم واقعات کے بنیادی آخذ اور اُس وقت میمن بلٹیس کے اُن شاروں سے حقائق کو جمع کر کے مرتب کیا ہے۔

عمر عبدالرحمن کھانانی۔

جناب عمر عبدالرحمن کھانانی، میمن قوم کی تاریخ کو مرتب کرنے میں ان کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ اور وہ اس سلسلے میں اس شعبے میں لکھنے والوں کی ہر ممکن تعاون اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہیں، اور ان ہی کی بدولت آج یہ ممکن ہوا ہے کہ میں میمن قوم کی ایک مستند تاریخ مرتب کرنے کے سلسلے میں اس تحقیقی مقالہ کی تیاری میں سرگرم عمل ہوں۔ عمر بھائی کی اس سلسلے میں تین (۳) تصانیف ہیں۔ جس میں دو (۲) گجراتی میں، جس کا بعد میں اردو میں ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ جن میں ''میمن شخصیات حصہ اول'' اور ''میمن شخصیات حصہ دوم'' جس میں انہوں نے میمن قوم کی چند اہم ترین شخصیتوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ اور ایک کتاب انگریزی زبان میں " MY DAIRY " کے نام سے شائع کی ہے جس میں قیام پاکستان سے ۲۰۰۲ء تک کی دنیا میں ہونے والے میمن قوم کے تمام بڑے واقعات کو قلمبند کیا ہے جو محققین کے لیئے بنیادی ماخذ کا خزانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ عمر بھائی کی اہم خدمات میں گذشتہ پچاس سالوں سے کراچی سے بین الاقوامی ماہانہ رسالہ ''میمن عالم'' کی اشاعت شامل ہے۔ اس رسالے کو پوری دنیا میں میمن قوم کی ساجی اور برادری سے متعلق ایک مستند ترین معلومات کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور گذشتہ پچاس سالوں سے دنیا کی مختلف اور اہم ترین لائبریریوں میں باقاعدہ اعزازی کاپی وہاں پر ریکارڈ کے لیئے ارسال کی

جاتی ہے۔ان کی میمن قوم میں گراں قدر صحافتی خدمات کے اعتراف کے طور پر ورلڈ میمن آرگنائزیشن اور دیگر اداروں نے ان کو کئی ایوارڈز اور اعزازات سے نوازا ہے۔

یحیٰی ہاشم باوانی۔

یحیٰی ہاشم باوانی کی بھی میمن قوم کی تاریخ اور ثقافت کے شعبے میں گراں قدر قلمی خدمات رہی ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے تین کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں (۱) ''تحریک آزادی اور میمن برادری'' اور (۲) ''پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری'' تصنیف کی جس میں انہوں نے قیام پاکستان اور تعمیر پاکستان میں جن بزرگوں اور اُن کے خاندانوں کی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔اور ہم نے اپنے مقالے کی تیاری میں ان سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کی تیسری تصنیف (۳) " MEMON OF MY JETPUR " جس میں مصنف نے جیت پور میمن برادری کی تاریخ اور اُس برادری میں نمایاں خدمات انجام دینے والے بزرگوں کے بارے میں تفصیل بیان کی ہیں۔

عثمان باٹلی والا۔

عثمان باٹلی والا نے اس سلسلے میں چار (۴) کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں دو (۲) انگریزی زبان میں، ایک (۱) اردو زبان میں اور ایک گجراتی زبان ہے۔(۱) " A SYMBOL OF SYEARGY FOR COMMUNITY DEVELOPMENT " اس کتاب میں مصنف نے پاکستان میں بسنے والی مختلف میمن برادریوں کی مشترکہ پلیٹ فارم آل پاکستان میمن فیڈ ریشن کے قیام اور اُس کے تحت ہونے والے سماجی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ (۲) "GREAT PEOPLE GREAT VENTURES" جس میں مصنف نے پاکستان میں آباد مختلف برادریوں کی شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ مصنف نے میمن قوم کی دو اہم شخصیت جس میں (۳) ایک جناب احمد داود، اور (۴) جناب صدیق پولانی کی سوانح عمری بھی تحریر کی ہے۔

کھتری عصمت علی پٹیل۔

جناب کھتری عصمت علی پٹیل کی بھی میمن قوم کی تاریخ اور اس کے اسلاف کے لیئے قلمی خدمات کا وسیع سلسلہ ہے، آپ نے اس سلسلے میں چھ کتابیں تصنیف کی ہیں (۱) جس میں قائد کاٹھیاوار عثمان عیسٰی بھائی میمن، اور دوسری (۲) قائد اوپلیٹا، حاجی محمد یونس عرفا، یہ دونوں کتابیں ان بزرگوں کی عملی خدمات پر مشتمل ہیں اور خصوصا قائد کاٹھیاوار میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں وہاں پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر میمن قوم کی تحریک آزادی کے سلسلے میں گراں قدر خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ کھتری صاحب نے آٹھ (۸) کتابوں کے گجراتی سے اردو میں تراجم بھی کئے ہیں اور ان کی اس شعبے میں گراں قدر خدمات رہی ہیں۔

عبدالستار پارکھ۔

اس شعبے میں دیگر تصانیف میں جناب عبدالستار پارکھ کی دو تصانیف، "ENTERPRISING PHILANTHROPISTS" جس میں مصنف نے اُن میمن شخصیات کا ذکر کیا ہے جو اپنے شعبوں میں کوئی اہم خدمات انجام دی ہیں اور اُن اداروں کا تعارف پیش کیا ہے۔ (۲) ان کی دوسری تصنیف "GLIMPSES OF LIFE'S JOURNEY" جو ان کی سوانح عمری ہے۔ جس میں انہوں نے کاٹھیاواڑ کی روزمرہ زندگی اور ثقافت کے ساتھ اپنی عملی سیاسی زندگی کے بارے میں بمبئی میں کانگریس لیڈر کے طور پر سرگرم عملی کردار سے متعلق کئی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

عبدالرزاق تھاپلہ والا۔

ان کے علاوہ دیگر مصنفین میں جناب عبدالرزاق تھاپلہ والا نے تین کتابیں جن میں (۱) "THE MEMON COMMUNITY"، جو مختلف مصنفین کے مضامین جو میمن قوم سے متعلق ہیں اُس پر مشتمل ہے۔ اور دوسری کتاب (۲) ''بانٹوا کل اور آج''۔ جس میں جوناگڑھ کے علاقے بانٹوا سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ تیسری کتاب میں تھاپلہ والا صاحب نے میمن زبان اور اس کی ثقافت کے فروغ کے لیئے بھی کئی چھوٹے چھوٹے کتابچے بھی شائع کروائے ہیں۔ اور اس مقالے میں اُن سے بھی معاونت حاصل کی گئی ہے۔

دیگر مصنفین کی تصانیف۔

اس کے علاوہ دیگر مصنفین میں عزیز کایاں، جنہوں نے ''تاریخ بانٹوا''، مہر بوس نے "THE MEMON" ہاشم زکریاں نے ''تذکرہ میمن قوم''، اقبال میمن نے ''میمن ورلڈ''، ڈاکٹر عبدالمجید سندھی میمن نے ''میمن برادری''، منشی دھوراجوی نے ''دھوراجی کے میمن'' تحریر کی ہے۔ ان تمام کتب میں ان تمام مصنفین نے میمن قوم کی تاریخ سے متعلق گراں قدر معلومات فراہم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس کے علاوہ اور دیگر کئی بزرگوں نے بھی اس شعبے میں اپنی خدمات اور مختلف مضامین کے ذریعے تاریخ کے گمشدہ اوراقوں کو رسائل کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہیں۔

میمن قوم کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے والے اہم ترین رسائل (میگزین)۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دہیوں میں میمن قوم میں لکھنے لکھانے کی ابتداء ہوئی، اور یہ سلسلہ مذہبی اور سماجی مسائل سے متعلق ہوا کرتا تھا۔ بعد میں مختلف رسائل کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن ماضی اور موجودہ دور میں اُن تمام رسائل اور میگزین میں سے چار رسائل کو برادری کی معلومات کی فراہمی کے سلسلے میں ان کی اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر قابل اعتبار اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ جس میں تقسیم ہند سے قبل ''میمن میراں'' اور ''میمن بلیٹن'' اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان سے ''میمن عالم'' اور ہندوستان سے ''میمن ویلفیر'' شامل ہیں۔

''میمن متراں'' (تقسیم ہند سے قبل بمبئی انڈیا)۔

میمن قوم میں سب سے پہلے رسالہ ۱۹۱۶ء میں ''میمن میتراں'' جسے عثمان حسن جاپان والا نے بمبئی سے شائع کروایا، جو ۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ یہ رسالہ میمن قوم کے بارے میں اُس دور میں اُٹھنے والی ملی تحریکوں میں جس میں سے تحریک خلافت، اور بمبئی میں دیگر ملی تحریکوں میں میمن قوم کے کردار کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے۔ گو کہ اُن ہی دنوں میں میمن قوم کے پہلے بیرسٹر عبدالستار روفی نے برادری میں تعلیم کے فروغ کے لیئے ایک رسالہ ''میمن سدارک'' کے نام سے جاری کیا تھا، لیکن کچھ عرصے بعد کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر بند کر دیا گیا۔

''مسلم بلیٹن'' (تقسیم ہند سے قبل راجکوٹ انڈیا)۔

برصغیر پاک و ہند میں میمن قوم کو متحرک کرنے میں کلیدی کردار ادا کرنے والا دوسرا رسالہ جو تقسیم ہند سے قبل راجکوٹ (گجرات) سے گجراتی میں شائع ہوتا تھا، جسے ہم بلاشبہ تقسیم ہند کے وقت جوناگڑھ کی پاکستان کے ساتھ الحاق کے فیصلے میں کلیدی کردار ادا کرنے والے عوامل میں سے ایک قرار دیا جا سکتا ہے، ''مسلم بلیٹن'' جو ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۷ء تک جوناگڑھ کے مختلف علاقوں سے شائع ہوتا رہا۔ اس رسالہ کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا اجراء پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس ۱۹۳۱ء کے انعقاد کے بعد راجکوٹ سے جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے ذریعے ہمیں گجرات کے مختلف علاقوں میں اور خصوصا کاٹھیاواڑ اور کچھ میں مسلم لیگ کے بارے میں معلومات اور ۱۹۴۰ء میں پریس فنڈ کے سلسلے میں ان علاقوں میں قائداعظم محمد علی جناح کے دورے سے متعلق معلومات کے علاوہ تقسیم ہند تک ۱۹۴۷ء اور جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں بنیادی ماخذوں کی فراہمی کا اہم ترین ذریعہ قرار دے سکتے ہیں۔

''میمن عالم'' (قیام پاکستان کے بعد کراچی)۔

تقسیم ہند کے بعد، موجودہ دور میں میمن قوم میں لکھنے لکھانے کے شعبے میں بہتری نمودار ہوئی، اور مختلف جماعتوں (برادریوں) اور سماجی اداروں کی طرف سے رسائل کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں میمن سماج، میمن ٹائمز، نیاپو، سماج، پیغام، رابطہ اور دیگر شائع ہونے لگے۔ لیکن ان میں سے دو (۲) رسائل کو مستند ترین تصور کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک پاکستان سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''میمن عالم'' جو تین زبانوں انگریزی، گجراتی، اور اردو میں شائع ہوتا ہے۔ اور گذشتہ پچاس سالوں سے اس کے اعزازی مدیر اعلیٰ جناب عمر عبدالرحمن کھاتانی خدمات دے رہے ہیں جس کا پہلے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ مختصر یہ کہ آج بھی دنیا کے کسی بھی خطے میں میمن قوم کا کوئی بھی اہم اجلاس یا کانفرنس ہوتی ہے، تو اُس پروگرام کی پریس کوریج کے لیئے میمن عالم کے نمائندے کو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا ہے۔ جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''میمن ویلفیر'' (تقسیم ہند کے بعد بمبئی)۔

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں ہندوں نے مسلمانوں کے ساتھ آج تک متصبانہ رویہ رواں رکھا ہوا ہے اور خصوصا وہاں آباد میمن قوم سے وہ سب سے زیادہ بغض رکھتیں تھے۔ کیونکہ وہ جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے فیصلہ کی ذمیداری میمن قوم پر ڈالتے ہیں، اُس کی بڑی وجہ اُن دنوں جوناگڑھ میں آباد مسلمانوں میں میمن قوم کی کثیر تعداد آباد تھی۔ اور تقسیم ہند کے وقت کاٹھیاوار کو مسلم لیگ کا ایک مضبوط گڑھ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ تقسیم کے وقت ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کا اعلان اور جس کے بعد جوناگڑھ کے معاشی طور پر خوشحال ترین علاقے بانٹوا اور کتیانہ میں ہندوں بلوائیوں کی طرف سے لوٹ مار کی وجہ سے میمن قوم کی بڑی تعداد پوربندر، اوکھا اور بمبئی کے راستے کراچی میں ہجرت، اس پس منظر میں تقسیم کے بعد ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو عموما مختلف عتاب کا شکار رہونا پڑتا تھا۔ اور اس صورت حال کی وجہ سے بہت سے میمن خاندان اپنے آبائی علاقوں کو خیر باد کہہ کر بڑے شہروں اور خصوصا بمبئی میں منتقل ہو گئے۔ اس طرح ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک میمن قوم وہاں پر بغیر کسی مرکز کے خاموشی سے اپنے سماجی امور کی انجام دہی میں کوشاں رہی۔

ہندوستان میں آباد میمن قوم میں یہ جمودی کیفیت ۱۹۷۱ء میں آل انڈیا میمن جماعت فیڈ ریشن کے قیام کے بعد ختم ہوئی۔ جس کے بعد ہمیں وہاں پر اس قوم کی سماجی، معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس صورت حال میں ہندوستان میں بسنے والے میمن قوم کی خبر گیری اور اُس کی سرگرمیوں کا دارومدار بمبئی سے ۱۹۵۴ء سے شائع ہونے والے رسالے ''میمن ویلفیر'' پر ہوتا ہے۔ یہ رسالہ بمبئی میں قائم میمن ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر انتظام ہر پندرہ روز میں شائع کیا جاتا ہے، اور اس کی اشاعت میں جناب آدم نور صاحب کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ ان کے علاوہ اس کی اشاعت میں بمبئی کے سابق میر جناب ناز مانگرولی، اور جناب انجان دھوراجوی کی خدمات بھی قابل ذکر رہی ہیں۔ اور تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں بسنے والی میمن قوم کے بارے میں بنیادی معلومات کا اہم ترین ذریعہ میمن ویلفیر کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور جس میں چھپنے والی میمن قوم سے متعلق مختلف مضامین اور سرگرمیوں کی رپورٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جسے اس تحقیقی مقالہ میں بنیادی ماخذ شامل کیا گیا ہے۔

میمن قوم کی مختلف برادریوں (جماعتوں) کی سالانہ رپورٹوں سے معلومات کا حصول۔

تقسیم ہند کے بعد میمن قوم میں اُن کے آبائی علاقوں کی بنیاد پر مختلف برادریوں کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان اور خصوصا پاکستان میں اُن علاقوں کی بنیاد پر جماعتوں کے قیام کو فروغ حاصل ہوا، جس کی وجہ سے آج یہ نظام مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہو کر بہتر انداز میں فلاح انسانی کے کاموں میں مصروف عمل ہیں۔ جس میں ان میمن برادریوں کے زیر انتظام کئی ہسپتال، اسکول، اور دیگر فلاحی ادارے دن رات لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس تحقیقی کام کے سلسلے میں ان (جماعتوں) برادریوں کی مینیجنگ بورڈ، کونسل، اور جنرل باڈی میٹنگز کی کاروائیوں کی رپورٹوں اور اُن کی طرف سے چھپنے والے مختلف مطبوعات، اور اُن کی سالانہ کارکردگی رپورٹوں سے استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر ہمیں اس برادری کی حقیقی صورت حال جاننے میں بنیادی معلومات کا حصول ممکن ہوا۔ اس سلسلے میں ۱۹۹۳ء آل انڈیا کچھی میمن فیڈ ریشن کی طرف سے ورلڈ کچھی میمن کانفرنس کے موقع پر اُن کی طرف سے ایک سوینیر شائع کیا گیا جس میں پوری دنیا میں آباد کچھی میمن برادری کے بارے میں

بیش بہا معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ جسے ہم نے اس مقالے میں بنیادی آخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ آل پاکستان میمن فیڈریشن ، یونائیٹڈ میمن جماعت اور ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی طرف سے خاص سوینیر اور رپوٹوں سے بھی استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔

سوانح عمری، ذاتی ڈائریوں اور سفرناموں سے ماخذوں کا حصول۔

میمن قوم کی اہم شخصیات کی سوانح عمری، (BIOGRAPHIES) جس میں میمن قوم کی عظیم شخصیت سر آدمجی حاجی داود کی سوانح عمری "THE MERCHANT KNIGHT ADAMJEE HAJI DAWOOD" تحریک پاکستان کی اہم شخصیت سر حاجی عبداللہ ہارون "HAJI SIR ABDULLAH HAROON" پاکستان آرمی کے قابل اور نامور شخصیت میجر جنرل ابوبکر مٹھا کی سوانح عمری "UNLIKELY BEGININGS"، جنگ پبلشرز کی طرف سے جناب عبدالستار ایدھی کی سوانح عمری، جناب علی محمد ٹبا کی تصنیف کردہ سوانح عمری "EIGHTY ONE YEARS......STILL A STUDENT."، اور جناب یوسف ابراہیم، (افریقہ) نے اپنی سوانح عمری "BULLOCK CART TO CONCORDE" جناب ابراہیم مول، (افریقہ) نے "END OF THE ROAD"، اور میمن قوم کے دیگر اکابرین کی سوانح عمری سے اُن ادوار اور حالات کے ساتھ ساتھ وہاں کی سماجی و معاشرتی زندگی کے بارے میں بھی ہمیں معلومات کا حصول ممکن ہوا۔

اس کے علاوہ میمن قوم کے ابن بطوطہ حاجی سلیمان شاہ محمد لودھیا جنہوں نے ۸۰ ۔ ۱۸۸۷ء میں اور پھر ۹۳ ۔ ۱۸۹۵ء میں پوری دنیا کا سفر کیا جسے ہم بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کے پہلے سیاح کے طور پر پیش کر سکتے ہیں، جنہوں نے اُس وقت پوری دنیا کا سفر کیا۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنا ایک سفرنامہ بھی مرتب کیا، جسے گذشتہ دنوں کیپ ٹاون ساوتھ افریقہ سے انگریزی میں شائع کیا گیا۔ اس سے پہلے ۱۸۹۵ء میں بمبئی سے ادارہ دفتر الاشاعت پریس سے گجراتی زبان میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ حاجی عبدالستار توکل کے برما اور شام کے سفرنامے سے بھی بھرپور استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔

برادری کی بزرگ شخصیات سے انٹرویوز کے ذریعہ معلومات کا حصول۔

میمن برادریوں کے بزرگوں سے انٹرویوز کے ذریعے معلومات کا حصول۔ جن میں ڈاکٹر ناصر پچلارا صدر آل انڈیا میمن جماعت (بمبئی)، جناب محمد اقبال آفیسر جنرل سیکریٹری ورلڈ میمن آرگنائزیشن، (بمبئی) جناب آدم نور جنرل سیکریٹری آل انڈیا ایجوکیشنل سوسائٹی، (بمبئی) جناب عبدالرشید مامدانی صدر اوکھا منڈل میمن جماعت (دوارکا انڈیا) جناب محمد صدیق پاستا، (اوکھا انڈیا) جناب محمد صدیق پولانی (چیف پیٹرن میمن بک فاونڈیشن) جناب لطیف ابراہیم جمال چیئرمین "H.E.J.INSTITUTE OF CHMISTRY" اور ان کے علاوہ اُن علاقوں میں جہاں میمن قوم آباد ہے، وہاں کی علاقائی تاریخی کتابوں اور رسائل کے ذریعے معلومات کا حصول بھی شامل ہے۔ جس میں افریقہ سے مصنف ''سنتھیا سالوڈوری'' کی کتاب "THROUGH OPEN DOORS" By Cynthia Salvadori, جس میں افریقہ میں آباد مختلف ایشیائی اقوام اور برادریوں کے رہن سہن اور طرز زندگی کا مشاہدہ اور وہاں پر رائج رسم و رواج اور سماجی قانون قاعدوں کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ وہاں پر آباد میمن برادریوں کے بارے میں کئی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ سری لنکا میں آباد میمن قوم

کے بارے میں معلومات کے سلسلے میں وہاں پر قائم میمن ایسوسی ایشن کی طرف سے شائع کردہ ضخیم کتاب " MEMONS OF SRI LANKA" سے بھی وہاں پر آباد میمن قوم کی تاریخ اور اس متعلق معلومات کا حصول ممکن ہوا ہے۔اور ساتھ میں اُن علاقوں میں قائم مختلف لائبریریوں میں مقامی طور پر شائع شدہ رسائل اور کتب سے معلومات کا حصول شامل ہے۔اس سلسلے میں اُن علاقوں میں وہاں کی مقامی زبان یعنی گجراتی اور سندھی زبانوں سے واقفیت رکھنے والے مترجموں کی خدمات حاصل کی گئی،اور اس طرح وہاں سے کئی اہم معلومات حاصل کی گئی ہیں۔

میمن قوم کے بارے میں اعلیٰ ترین شخصیات اور اہل علم کے تاثرات۔

اس تحقیقی مقالہ میں دنیا کے مختلف مما لک کی اعلیٰ ترین سیاسی شخصیات،اور اہل علم کے تاثرات سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی ہے جس سے میمن قوم کے کئی پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ان شخصیات میں بانی پاکستان محترم قائداعظم محمد علی جناح،پرنس کریم آغا خان،فیلڈ مارشل محمد ایوب خان،خواجہ ناظم الدین،جنرل محمد ضیاء الحق،مولانا شبیر احمد عثمانی،شہید حکیم محمد سعید،ڈاکٹر عبدالوہاب،آئی۔آئی چندریگر،اور ان کے علاوہ کئی دیگر شخصیات شامل ہیں۔اس کے علاوہ موہن داس کرم چند گاندھی نے اپنی سوانح عمری میں میمن قوم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی ہیں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے سیاسی زندگی کی ابتداء میں میمن قوم کے اکابرین کا کلیدی کردار رہا۔اس بات کو بھی اجاگر کیا کہ اُن کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں میمن قوم کے تعاون سے عمل میں آئی ہیں۔اپنی سوانح عمری میں مختلف جگہوں پر جن میمن شخصیات کا بار بار ذکر کیا ہے اُس میں دادا عبداللہ جوہری جن کا تعلق افریقہ سے تھا اور جناب عمر سوبانی بھائی، جو بمبئی کے بہت بڑے تاجر تھے۔اور گاندھی جی اُن سے بہت متاثر تھے۔

ایک سوویت اسکالر مسٹر سرجی لیون نے اپنی کتاب ''Souiet Scholars view South Asia'' میں میمن قوم کے بارے میں ایک مفصل تحقیقی جائزہ پیش کیا جس کا موضوع " THE UPPER BOURGEOISIE FROM THE MUSLIM COMMERCIAL COMMUNITY OF MEMONS IN PAKISTAN, 1947 TO 1971. " اس تحقیقی جائزے میں انہوں نے میمن قوم کی تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں کا تاریخی پس منظر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان سے ۱۹۷۱ء تک کے حالات،جس میں انہوں نے اس قوم کی قیام پاکستان سے تعمیر پاکستان تک میں شاندار خدمات کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا ہے۔ [۱۳]

سوویت اسکالرز کے ان تاثرات اور اسی طرح دنیا کے دیگر مما لک میں علم و دانش سے وابستہ علمی شخصیات کا اس قوم کے بارے میں طرزِ عمل اور خصوصاً تجارت اور معیشت کے میدان میں اس قوم کو خاص اہمیت دینا اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ اس شعبے میں اس قوم کو نا صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی کلیدی اہمیت حاصل ہے۔اور اکثر سرکاری اور نیم سرکاری سطح پر جاری ہونے والی معاشی و تجارتی جائزوں اور مختلف سروے رپورٹوں میں بلواسطہ یا بلاواسطہ اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔اور سرکاری سطح پر تجارت اور معیشت میں نمایاں خدمات دینے والے اداروں اور شخصیات کو اعزازات کی فہرست پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ان میں اس قوم کے اداروں اور شخصیات کی تعداد نمایاں نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات

REFERENCES

۱) اردو ڈکشنری بورڈ کی مرتب کردہ اردو لغات

۲) ڈاکٹر ایس معین الحق MUHAMMAD S.A.S Life and Time. ہمدرد فاؤنڈیشن ۔ صفحہ نمبر ۲۱

۳) J. Vasina. " Oral Tradition as History " Madison Wisconsin 1985. P- 199.

۴) گین پرنس، آرٹیکل ''زبانی تاریخ'' جدید تاریخ مرتب ڈاکٹر مبارک علی ۔ صفحہ نمبر ۱۲۲ ، ۲۰۰۱ء فکشن ہاؤس لاہور۔

۵) "Gazetteerof the Bombay Presidency Vol IX Part-II Gujrat Population Musalmans andParisis"

۶) بمطابق قلائد الجواہر ۔ ذکریا ہاشم ''تذکرہ میمن قوم'' صفحہ نمبر ۔۸۷ ۔

۷) سید امیر الدین نزہت، ابرار الحق ۔ صفحہ نمبر ۱۱

۸) "G"AZETTEER OF THE BOMBAY PRESIDENCY VOL IX PART II GUJRAT POPULATION 1899."

۹) "GAZETTEER OF THE BOMBAY PRESIDENCY KATHIYAWAR VOL VIII 1884"

۱۰) "GAZETTEER OF THE BOMBAY CITY AND ISLAND VOL-I,II, III, COMPILED UNDER GOVT 1909"

۱۱) "THE IMPERIAL GAZETTEER OF INDIA 1906"

۱۲) "ANTIQUITIES OF KUCH AND KATHIYAWAR, western India 1874.75. Burg James. Archaeological Survey of

۱۳) Souiet Scholars view South Asia" THE UPPER BOURGEOISIE FROM THE MUSLIM '' COMMERCIAL COMMUNITY OF MEMONS IN PAKISTAN, 1947 TO 1971.

دوسرا باب

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد

ہندوستان میں آزادی

کی تحریکوں میں میمن قوم کا کردار۔

Memon Books

دوسرا باب

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد

ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں میں میمن قوم کا کردار۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا تاریخی پس منظر (War of Independence 1857)۔

تقسیم ہندوستان کا تاریخی جائزہ لینے کے لیئے ہمیں اس کی ابتداء ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کرنا ہوگی۔ ہندوستان کی تجارتی اقوام کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ اگر ہم ہندوستان کی تمام ہندو اور مسلم تجارتی اقوام پر نظر دوڑائیں تو وہ ہمیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دنیا کے مختلف ممالک میں تجارت کے سلسلے میں ہجرت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن میں سے ایک میمن قوم بھی شامل تھی۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب سے پہلے جنگ آزادی کے تاریخی پس منظر پر نظر دوڑائیں۔

انگریز تاجر ۱۶۰۰ء میں تجارت کی غرض سے برصغیر میں آئے، اور ایسٹ اینڈیا کمپنی کے پلیٹ فارم پر مغلیہ حکومت سے بعض سفارتی اور تجارتی مراعات حاصل کرنے کے بعد برصغیر کے بعض علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

جس کے بعد انگریزوں نے مغلیہ حکومت میں انتشار اور بدنظمی کو دیکھتے ہوئے، اور حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برصغیر کے ساحلی علاقوں پر اپنا قبضہ اور تسلط قائم کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں نے اس کی ابتداء ۱۷۵۷ء میں بنگال سے کی اور ۱۸۵۶ء تک تقریباً ایک سو سال میں بتدریج توسیع کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی حکمرانی صرف دہلی کے لال قلعے کی چار دیواری تک محدود کر دی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے برصغیر میں اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتے ہوئے پورے ہندوستان پر قابض ہوگئی۔ یہاں پر ہم اُن عوامل کا جائزہ لیں گے جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب بنے۔ جس میں مذہبی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور فوجی اسباب قابل ذکر ہیں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب۔ (مذہبی اسباب)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرتے ہی وہاں پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیئے پادریوں کی سرکاری سطح پر سرپرستی اور انہیں مالی تعاون فراہم کرنا شروع کر دیا اور یہ سارا کام عیسائی مشنریوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی طرف سے سب سے اہم اقدام لارڈ میکالے (LORD MACAULAY) کا نظام تعلیم جو انہوں نے ۱۸۳۵ء کو رائج کیا تھا۔ جس میں اُس نے سنسکرت، عربی، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں اور علوم کو بیکار قرار دیتے ہوئے انگریزی کو نظام تعلیم کے طور پر شروع کروایا تھا۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے اسلام کے دیوانی و فوجداری قوانین کو ختم کر ڈالا۔ ہندوؤں کی مذہبی رسمیں ستی، اور ہندو بیواؤں کی دوبارہ نکاح کو جائز قرار دے دیا۔ [1]

معاشی اسباب۔

ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کا بنیادی مقصد یہاں پر تجارتی فوائد حاصل کرنا تھا۔ لہذا برصغیر پر اُن کا تسلط قائم ہونے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی تجارت پر جلد ہی اپنی اجارہ داری قائم کرلی۔ جبکہ مغلوں سے ملنے والی مراعات کا پہلے ہی سے غلط استعمال کر کے کمپنی کے تاجر خوشحال بن گئے تھے۔ اور اُن کے مقابلے میں ہندوستان کے مقامی تاجر جو کئی پشتوں سے ہندوستان میں کاروبار اور تجارتی امور سے وابستہ ہونے کے باوجود، اُن کی پوزیشن کمزور سے کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کمپنی کی حکومت نے برصغیر کی دیسی صنعتوں کو جان بوجھ کر تباہ و برباد کرنا شروع کردیا، تا کہ انگلستان سے درآمد شدہ اشیاء یہاں پر مہنگے داموں فروخت کی جا سکے۔ خاص طور پر کپڑے کی مقامی صنعت جو اپنی نفاست کی وجہ سے بہت مشہور تھی اور اُسے مکمل طور پر تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ اور جو صنعت بچ گئی اس پر بھاری ٹیکس عائد کر دیئے گئے تھے، تا کہ وہ انگلستان کی اشیاء کا مقابلہ نہ کرسکے اور خود بخود ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کی بجائے انگریزی زبان کو سرکاری اور دفتری زبان بنایا گیا جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں مسلمان سرکاری ملازمتوں سے فارغ کر دیے گئے۔

جس کی وجہ سے پورے ہندوستان میں عوامی سطح پر انگریزوں کے خلاف ایک نفرت کی لہر دوڑ گئی اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب جنگ آزادی کی تحریک نے بغاوت کی صورت اختیار کی تو ایسے بہت سے لوگ جو تھوڑے سے معاوضہ پر بھی انگریزوں کے خلاف اپنی خدمات دینے کے لیئے تیار ہو گئے۔ [۴]

معاشرتی اسباب۔

معاشرتی اسباب میں بنیادی چیز زبان تھی، کیونکہ انگریزوں کے نزدیک صرف ان کی زبان ثقافت اور مذہب ہی مہذب تھے۔

اور انہوں نے اہل ہند کی زبان، ثقافت اور مذاہب سے ہمیشہ نا پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔اور اس کے ساتھ ہی برصغیر کے پورے معاشرتی، سیاسی اور معاشی ڈھانچے کو بدلنے کی کوشش کر رہے تھے۔جبکہ برصغیر کے عوام اُن کے ان اقدامات کو سخت ناپسند کرتے تھے۔جبکہ انگریز مسلمانوں کے ساتھ خصوصی طور پر عناد اور دشمنی کا مظاہرہ کرتے تھے۔اور ان کی تذلیل کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔اس کی بنیادی وجہ ان کی مسلمانوں سے ہونے والی صلیبی جنگوں میں شکستوں کی وجہ سے نفرت کا اظہار مقصود تھا۔

سیاسی اسباب۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا غالباً ایک ہی مقصد تھا کہ جلد از جلد پورے برصغیر پر قابض ہو جائے۔کمپنی اپنی توسیع پسندی کی ہر ممکن کوشش کو جائز سمجھتی تھی۔جس کی وجہ سے معاہدے توڑے جاتے تھے، دوستوں کو دھوکا دیا جاتا تھا، قتل و غارت گری، سازش غرض ہر ممکن طریقے سے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا شامل تھا۔سرسید احمد خان کے مطابق اس جنگ آزادی کا ایک اہم سبب قانون ساز ادارے میں مقامی نمائندگی کا فقدان بھی تھا۔اس لیئے کمپنی کے عہد میں جتنے بھی قوانین بنائے گئے وہ مقامی لوگوں کی مرضی کے خلاف ہوتے تھے۔اس لیئے عوام کا حکومت کے خلاف ہونا ایک فطری عمل تھا۔

فوجی اسباب۔

فوجی نظم وضبط کے قوانین انگریزوں اور دیسی سپاہیوں کے لیئے مختلف تھے۔کسی جرم میں ایک گورے کو معمولی تنبیہ کافی سمجھی جاتی تھی اور اگر وہ ہی جرم کوئی ایک دیسی سپاہی کر لے تو اُسے کورٹ مارشل کی سزا دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا تھا۔تنخواہوں اور دیگر معاملات میں بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔اسی طرح برطانوی فوجیوں کو ملازمت سے ۷۰ سال کی عمر میں ریٹائر کیا جاتا تھا، جبکہ ہندوستانی فوجیوں کے لئے ریٹائرمنٹ کی عمر ۵۵ سال رکھی گئی تھی۔جس کی وجہ سے فوج میں مقامی سپاہی سخت ناانصافی اور پریشانی کا شکار تھے۔ [۴]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی تجارتی برادریوں کا کردار۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بنیادی اسباب پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ہندوستان میں آباد تمام اقوام کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی معاملات میں زیادتیوں کا ایک وسیع سلسلہ نظر آتا ہے۔جس کی وجہ سے وہاں پر عوام میں مایوسی اور نفرت کے جذبات پیدا ہونا لازمی امر تھا۔اور اسی وجہ سے ہندوستان میں بسنے والی تمام اقوام نے اپنے اختلافات کو بھلا کر انگریزوں کی اجارہ داری والی پالیسیوں کے خلاف متحد ہو گئے۔اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں اُن کے خلاف برسرپیکار قوتوں کا ساتھ دیا۔اور اُن کی مالی اور مادی امداد فراہم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔کیونکہ کمپنی کی اجارہ دارانہ تجارتی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کی تجارتی برادریاں سب سے زیادہ متاثر ہو رہی تھیں۔اور وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستان کی تجارت پر اجارہ داری کا خاتمہ چاہتی تھیں اس سلسلے میں انھوں نے جنگ آزادی کی تحریک کو کامیاب کروانے کے لیئے اپنے تمام وسائل انگریزوں کے خلاف

برسرِ پیکار گروپس کو فراہم کیے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور اس کے دوررس نتائج۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی نے انگریزوں کے حوصلوں کو بہت بلند کر دیا اور وہ ہندوستان میں اس بغاوت میں باغیوں کی مدد کرنے والوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو تو انہوں نے خصوصی طور پر نشانہ بنایا، اور جنگ آزادی کا زیادہ تر الزام مسلمانوں پر ہی ڈالا گیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اس جنگ آزادی میں حصہ لینے والوں کو بڑی تعداد کو خلیج بنگال میں واقع جزائر انڈیمان جیسے عرف عام میں ''کالا پانی جیل'' کہا جاتا تھا وہاں پر سزا کے طور پر اس بغاوت میں حصہ لینے والوں کو قید کر دیا جاتا تھا۔ [۴]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد کی سنگین صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کے بہت سے تاجر انگریزوں کے عتاب سے بچنے کے لیئے وہ اپنے علاقوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے جہاں ان کو کوئی نہ جانتا ہو۔ اسکے علاوہ وہ دیگر ممالک جن میں آفریقہ، ماریشش، مشرق اوسط، سیلون (موجودہ سری لنکا) برما، انڈونیشیا اور جاپان تک تجارت کے بہانے ہجرت کر گئے۔ اور ان میں ہندؤ اور مسلم اقوام کی تمام برادریاں شامل تھیں جس میں میمن بھی شامل تھے۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انگریزوں نے جنگ آزادی کے خاتمہ کے بعد کئی اہم اقدامات کیے، اُن میں سب سے اہم قدم ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ تھا۔ جس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس بغاوت کے پیچھے معاشرتی، مذہبی، سیاسی عوامل کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی اجارہ دارانہ پالیسیوں نے اس جنگ آزادی میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کے مقامی تاجروں نے باغیوں کا ساتھ دیا۔ لہذا جنگ آزادی کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت نے ہندوستان پر اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیئے مقامی تاجروں کی مشاورت سے اپنی نئی تجارتی اور معاشی پالیسیاں تیار کیں۔ جس کے ذریعے مقامی تجارتی برادریوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا خاتمہ کر کے اُن کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ اس سلسلے میں اُن کو کئی مراعات دینے کے علاوہ اُن کو مقامی بلدیاتی نظام کے ذریعے حکومت میں شامل کیا گیا۔ اور ان کی معاشی اور سماجی خدمات کے صلے میں اعزازات دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ جیسے ''خان بہادر'' ''سر'' ''خان صاحب'' اور اسی طرح کے دیگر اعزازت شامل تھے۔

برطانوی حکومت پورے ہندوستان کے معاشرتی نظام کو (GRASS ROOT) زمینی حقائق کو بنیادی سطح پر جاننے کے لیئے، پورے ہندوستان میں علاقائی سطح پر گیزیٹیر مرتب کروائے، تاکہ وہ ہندوستان کے معاشرتی نظام کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی آئندہ کی پالیسیاں ترتیب دے سکیں۔ ان گیزیٹیر کے ذریعے ہندوستان کے بارے میں وہ گراں قدر معلومات حاصل ہوئیں، جو اس سے پہلے دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھیں۔ جس کی مدد سے بعد میں برطانوی حکومت نے اپنے انتظامی نظام میں تبدیلی کرتے ہوئے محدود پیمانے پر مقامی لوگوں کو اُس میں شامل کرنا شروع کیا۔ جس کی مثال آل انڈیا کانگریس کا قیام اور مقامی بلدیاتی (میونسپل سسٹم) کے نظام کا قیام شامل ہیں۔ جس کے ذریعہ مقامی لوگوں کو اور خصوصی طور پر تجارتی برادریوں کے لوگوں کو اُس میں شامل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کے بعد ہمیں ہندوستان کے معاشرتی اور سیاسی میدان میں مقامی نمائندوں کی سرگرمیاں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں، جس میں وقت کے ساتھ نمایاں طور پر اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ہندوستان کے تاجروں کی دنیا کے مختلف ممالک میں ہجرت۔

اگر ہم ہندوستان کی تاجر اقوام کی دنیا کے مختلف ممالک میں ہجرت کا جائزہ لیں تو ہمیں وہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد نظر آتی ہے۔ جس میں برما، افریقہ، سیلون (موجودہ سری لنکا)، ماریشش، مشرق اوسط اور دیگر کئی ممالک میں ان اقوام کے تاجروں نے تجارت کے سلسلے میں نقل مکانی کی۔ جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ انگریزوں کے انتقام سے بچنے کے لیئے ہندوستان کے تاجروں نے تجارت کے بہانے وہاں سے دنیا کے مختلف ممالک میں ہجرت کا سلسلہ شروع کیا۔ جو بعد میں ان کے تجارتی و کاروباری میدان میں انقلابی ترقی و عروج کا باعث بنا۔ ان تاجر اقوام میں میمن قوم کے تاجر بھی نمایاں طور پر شامل تھے۔

تاریخی حقائق کا جائزہ لینے پر ہمیں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ میمن قوم ہمیشہ سے ہی مذہبی اور ملی تحریکوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہی ہے۔ جس کا ثبوت تحریک خلافت، ریشمی رومال تحریک، انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کی تحریک، تحریک پاکستان میں اس قوم کا کردار، کسی سے ڈھکا چھپی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قیام پاکستان کے بعد یہاں پر اُٹھنے والی مذہبی تحریکوں میں بھی ان کی بھرپور شمولیت اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ یہ قوم ہمیشہ سے ہی مذہبی اور ملی تحریکوں میں پیش پیش رہی ہے۔ ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی اس تحریک میں بھی میمن قوم کے بزرگ مذہبی جذبہ سے شامل حال رہیں ہونگے۔ اور اس کی ناکامی کی صورت میں انگریزوں کے عتاب سے بچنے کے لیئے دنیا کے مختلف ممالک میں ہجرت کی اور اپنی تجارتی سمجھ بوجھ کے ذریعے وہاں کے معاشی نظام میں اپنا ایک نمایاں مقام بنالیا۔

میمن قوم کی مختلف ممالک میں ہجرت۔ (مشرق بعید)

میمن قوم کی دنیا کے مختلف ممالک میں تجارتی بنیاد پر نقل مکانی کا سلسلہ تو ۱۸۳۵ء میں زنجبار مشرقی افریقہ سے شروع ہوگیا تھا۔ مگر جنگ آزادی کے بعد دنیا کے مختلف ممالک میں سفر کے سلسلے میں میمن برادری ہندوستان سے باہر دنیا کے مختلف ممالک میں سفر کا آغاز کلکتہ سے شروع کیا۔ جہاں سے اس برادری نے برما، جاوا، (انڈونیشیا)، سیلون، (موجودہ سری لنکا) اور سینگاپور میں اپنے نئے تجارتی مراکز قائم کیے۔ [۵]

اُن دنوں موجودہ دور کی طرح کے جہاز نہیں ہوا کرتے تھے اور جہاز رانی کے شعبے کو انتہائی نازک اور خطرناک شعبہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں اُن دنوں بادبانی کشتیوں اور لانچوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں مسلمان قوم اس شعبے سے زمانہ قدیم سے وابستہ رہی ہے، اور یہ ہی وجہ تھی کہ اس شعبہ میں تجارتی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں میمن قوم کے کئی خاندانوں نے بھی اس شعبے میں نمایاں اور فعال کردار ادا کیا ہے، اور دنیا کے کئی ممالک میں ہندوستان سے تجارتی امور کی انجام دہی میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی۔ کیونکہ ہندو قوم سمندری امور کے شعبے سے وابستگی اور اس کی انجام دہی کو اپنے مذہب کے اصولوں کے منافی تصور کرتی تھی۔ اور اسی وجہ سے ہمیں ہندوؤں اقوام اس شعبہ میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ لہذا ہندوستان میں اس شعبے میں ہمیں زیادہ تر پارسی قوم اور اس کے بعد مسلمان جس میں خاص کر میمن قوم کے بہت سے خاندان کی وابستگی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کلکتہ میں کچھی میمن برادری نے ۱۸۶۰ء میں قدم رکھا، ابتداء میں میمن قوم کو وہاں پر "ناخدا"

کہا جاتا تھا۔آج بھی وہاں پر میمن محلہ کو خدا محلہ کہا جاتا ہے۔ [۶]

میمن قوم کا برما میں۔

برما میں قوی قیاس ہے کہ کچھی میمن برادری کے کئی تاجر اپنے آبائی علاقوں سے ہجرت کر کے ابتداء میں پہنچے ہونگے۔لیکن ستم یہ ہے کہ ہمیں بہت جستجو کے بعد بھی اُن کے بارے میں مستند معلومات حاصل نہ ہو سکی۔اور ہم یہاں پر صرف اُن ہی خاندانوں کا ذکر کر رہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں تحریری مواد کا حصول ممکن ہوا ہے۔

مُلا احمد داود مدنی خاندان۔

برما میں سب سے پہلے پہنچنے والے میمن تاجر جناب مُلا داود مدنی کا نام ملتا ہے۔آپ کو میمن قوم میں سے سب سے پہلے برما میں کاروباری سلسلے میں آباد ہونے والے "پہلے میمن خاندان" کا اعزاز حاصل ہے۔ ۱۸۶۰ء ۔ ۶۱ میں آپ برما کے شہر رنگون میں تجارت کے لئے تشریف لے گئے۔ [۷] مُلا داود مدنی کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹے جناب حاجی احمد مُلا داود مدنی نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے برما میں تجارت کے ساتھ سیاست کے میدان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اور خلافت تحریک میں نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے جنگ بلقان کے وقت ترکوں کے لئے برما سے بہت بڑی رقم فنڈ کے لئے جمع کی۔ ۱۹۱۳ء میں اُس وقت کی ترکی حکومت نے حاجی احمد مُلا داود مدنی کو رنگون میں ترکی کا "کونسل" مقرر کیا، اس طرح آپ نے پوری دنیا میں کسی غیر ترکی کا دوسرے ممالک میں پہلے کونسل مقرر ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ کے وقت برٹش سرکار نے مدنی سیٹھ کو گرفتار کر کے تین سالوں کے لئے جزیرہ "وودوبھا" اور بعد میں "ناون جی" کے

مقام پر قید رکھا۔ مدنی سیٹھ جو اُس وقت آپ کی شناخت تھی، کیونکہ آپ کی پیدائش مدینہ شریف میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو مدنی سیٹھ کے نام سے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے دیگر کاموں میں سے ایک تاریخی کام آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کے برما میں مقبرے کی تعمیر ہے، جس میں آپ نے انگریزوں سے ایک عدالتی جنگ میں ہائی کورٹ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سر ابراہیم ہارون جعفر کے مالی تعاون کے ساتھ اُس مقبرے کی شاندار تعمیر کروائی۔ آپ سیاسی میدان میں رنگون میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نائب صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ مدنی سیٹھ کی دیگر خدمات میں رنگون میں ''ینگ مینز میمن ایسوسی ایشن'' کا قیام، اور جس کے تحت وہاں پر ایک مسافر خانہ کی تعمیر شامل تھی۔ اس کے علاوہ جاپان کے ''شہر کوبے'' (KOBE) میں مسجد تعمیر کروانے میں بھی آپ نے اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۹۱۰ء میں آپ کی ان سماجی خدمات کو دیکھتے ہوئے، رنگون میں حکومت کی طرف سے آپ کو آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا گیا تھا۔ [۸]

برما کا مرچنٹ پرنس اور چاولوں کا بادشاہ سر عبدالکریم حاجی عبدالشکور جمال (سر جمال)

کسی بھی قوم، برادری اور قبیلے کی شناخت اور اس کی اساس اُن مخلص اور بے لوث افراد کی وجہ سے ہوتی ہے، جو اپنی انتھک کوششوں اور کاوشوں سے ان کا وجود عمل میں آتا ہے۔ اور جن کے ذکر کے بغیر وہ اقوام یا برادری کا وجود بے معنی سا لگتا ہے۔ میمن قوم میں سر جمال کا نام ایسے ہی چند اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۹۴ء تک جدید رنگون (برما) کی تاریخ کے مطابق اُس وقت رنگون میں چار مسلمان شخصیت میں شامل تھے جو وہاں کے کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ جن میں سر جمال، مُلا داود مدنی، آغا احمد اصفہانی، اور محمد ابراہیم جی ڈو پلائی تھے۔ جبکہ ان میں سے دو بزرگ تاجروں جن میں سر جمال، اور ملا داود مدنی کا تعلق میمن قوم سے تھا۔ [۹]

سر عبدالکریم جمال ۱۸۶۲ء میں جام نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عبدالشکور اور دادا کا لطیف جمال جو اپنے وقت کے جام نگر میں اہم رہنماؤں میں شمار کیے جاتے تھے۔ حاجی عبدالشکور جمال ۱۸۶۸ء میں رنگون میں اپنا کام کاج شروع کیا۔ سر جمال اُس وقت چھے سال کے تھے۔ انہوں نیابتی تعلیم رنگونسے حاصل کی، ۱۸۸۲ء میں اپنے والد کے کپڑے کے پیس گڈس اور سلک کے کاروبار سے وابستہ ہوگئے۔ دو سال بعد آپ کے والد بزرگوار کاروباری امور سے ریٹائر ہو گئے۔ چنانچہ کاروبار کی تمام تر ذمہ داری سر جمال کے کاندھوں پر آن پڑی۔

آپ کی تجارت و کاروبار میں سمجھ بوجھ اور دلچسپی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم نوازی ہوتی گئی اور اُس میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا، جس کی وجہ سے برما کے ہر شہر میں آپ کے ادارے کی شاخیں قائم ہوئیں۔ میسرز اے، ایس جمال اینڈ کمپنی نامی ادارے کے ذریعہ ان کاروبار کے علاوہ برما کے مختلف علاقوں میں تیل کی تلاش اور ڈرلنگ کے حقوق حاصل کیئے گئے، اور ان میں سے کئی مقامات پر کافی مقدار میں تیل نکل آیا۔ فروری ۱۹۰۹ء میں اس ادارے کے کام کاج کو وسیع بنیادوں پر قائم کرتے ہوئے اس کا نام ''انڈو برما پیٹرولیم کمپنی'' رکھا گیا اور جس نے بے پناہ شہرت حاصل کی۔ اس کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ برما کی صنعتی اور تجارتی ترقی میں سر جمال کا ذکر کئی سرکاری دستاویزات میں بھی اچھے انداز میں کیا گیا ہے۔ [۱۰]

سر جمال کا نام ان کی وسیع تجارت و صنعت سے زیادہ اُن کے عظیم سخاوتی سرگرمیوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ آپ نے لاتعداد خدمت خلق کے ادارے قائم کیئے تھے۔ اُن دنوں میں آپ ہر سال چندہ و عطیہ کی مد میں سات لاکھ روپے سالانہ مختلف اداروں کو دیتے تھے۔ ذیل میں

چند اہم کاموں کا ذکر حسب ذیل ہے۔

- سر جمال نے دہلی کے طبیہ کالج کو پچاس ہزار روپے اور اتنا ہی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو عطیہ دیا۔
- تعلیمی شعبے میں سر جمال ہر سال مختلف وظائف اور تعلیمی اداروں کی امداد پر بڑی رقم صرف کرتے تھے۔ جس میں جمال مدرسہ جام نگر، جمال مدرسہ راجکوٹ، کرنل ہڈ۔ ایم ای اسکول چٹا گانگ، مدرسہ اسلامیہ۔ مائی میو برما، ماؤ گرلز اسکول کلکتہ، جمال اسلامیہ اسکول انسیین برما شامل ہیں۔
- طبی شعبے میں سر جمال نے دو ہسپتال تعمیر کروائے اور اُن کے تمام مالی اخراجات خود ادا کرتے تھے۔ ان اداروں میں جمال ہسپتال جام نگر، اور ڈفرن ہسپتال رنگون (برما) تھے۔

سر جمال کو ان کی عوامی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں سی، آئی، ای (C.I.E) اور ۱۹۲۰ء میں ''سر'' کے خطاب سے نوازہ۔ اس کے علاوہ عوام کی طرف سے آپ کو ''مرچنٹ پرنس آف برما'' کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جب ان کی کار چاول کے بازار سے گزرتی تھی تو بازار میں تیزی آجاتی تھی۔ آپ برما کی مجلس قانون ساز کے ممبر اور رنگون یونیورسٹی کے سینٹ کے رکن بھی رہے تھے۔ [۱۱]

جنوری ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کے اولین قومی جہاز راں ادارے ''سندیا اسٹیم نیوی گیشن کمپنی لمیٹڈ'' کے جہاز پہلی مرتبہ برما آئے اور تین دن میں ان پر (۱۶،۴۰۰) سولہ ہزار چار سو ٹن چاول لادا گیا، جس سے کافی سنسنی پھیل گئی اور برطانوی جہاز داں اداروں نے متوقع خسارے کے پیش نظر سندیا کمپنی اور اس کے جہازوں کے ذریعہ مال بھیجنے والے تاجروں کو بُرے نتائج کی دھمکیاں دینا شروع کردیں جس کی وجہ سے وہاں کے کئی تاجر ڈر گئے۔ لیکن سر جمال نے ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور پورا سال رنگون کی بندرگاہ میں آنے والے سندیا کمپنی کے تمام جہازوں پر چاول لدواتے رہے۔ اُس ایک سال کے دوران انہوں نے ایک لاکھ ٹن سے زائد چاول برآمد کیئے۔ سندیا کمپنی کے اُس وقت کے چیئرمین وال چند میرا چند کے بقول۔

''ہندوستانی کی جہاز رانی کی تاریخ لکھی جائیگی تو سر جمال کا نام سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا''

برما سے اتنے بڑے پیانے پر چاول کی برآمد کی وجہ سے سر جمال کو وہاں پر ''چاول کے بادشاہ'' کا خطاب سے نوازا گیا۔ آپ برما میں چاول اور روئی کے کاروبار کے ساتھ، وہاں پر چینی کے کارخانے، عمارتی لکڑی کی فیکٹریاں، تیل رفائنریاں، ربڑ اور گنے کے باغیچوں کے علاوہ صنعت کان کنی میں بھی آپ کا نمایاں حصہ رہا تھا۔ آپ کے انتقال سے کچھ وقت پہلے آپ نے برما میں ایک کاغذ کا کارخانہ اور کیمیکل فیکٹری بھی قائم کی تھی۔

سر جمال ایک منفرد شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے آپ کو تمام حلقوں میں انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں شرمیلا پن تھا اور آپ انتہائی حلیم وشفیق طبیعت کے مالک ہونے کے ساتھ دوسروں کی عزت کرنے والی شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ بے پناہ دولت کے مالک ہونے کے باوجود بھی آپکی زندگی آلودگی سے پاک صاف تھی۔ آپ خاصے مذہب پرست اور پردے کے

حمایتی تھے۔انہیں صرف ایک عادت سگار پینے کی تھی دن میں کئی سگار پھونک ڈالتے تھے۔آپ عموماً کالی اچکن،سفید لٹھا اور سفید پگڑھی پہنتے تھے شہنشاہ جارج پنجم کے دربار میں بھی یہی پوشاک زیب تن کر کے گئے تھے۔

سرجمال برما میں مسلم برادری کے علاوہ ہندوؤں کے بھی مقبول رہنما تھے جس کی وجہ سے وہاں کے تمام لوگ آپ کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے تحاشہ دولت سے نوازہ تھا،اور رنگون میں آپ کا عالی شان بنگلہ 'جمال ولا' ہروقت دنیا بھر کی ممتاز مہمان شخصیتوں سے بھرا رہتا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں دہلی میں دربار منعقد ہوا تھا۔جس میں شہنشاہ جارج پنجم لندن سے اپنی ایک خاص موٹر کار بھی ساتھ لائے تھے۔ دربار کے اختتام پر سرجمال نے وہ موٹر کار خرید لی۔جس سے ہم اُن کی شان وشوکت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔میمن قوم کی اس عظیم شخصیت کا انتقال ۲، ستمبر ۱۹۲۴ء کو ہوا۔آپ کے انتقال کے بعد آپ کا تجارت وصنعت کا محل زیادہ عرصے سلامت نہ رہ سکا،دوسری عالمی جنگ شروع ہوتے ہی سرجمال کے بیٹے بیٹیاں برما سے نقل مکانی کر کے ہندوستان تشریف لے آئے۔ [۱۲]

میمن قوم ''کولمبو'' (سری لنکا) میں۔

اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کولمبو میں میمن قوم کب اور کیسے پہنچی؟ اس سلسلے میں گزشتہ دنوں (۲۰۰۷ء میں) کولمبو (سری لنکا) میں ورلڈ میمن آرگنائزیشن کی طرف سے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔جس میں سری لنکا میں میمن قوم کی نمائندہ تنظیم ''میمن ایسوسی ایشن آف سری لنکا'' کی جانب سے وہاں پر آباد میمن قوم سے متعلق ایک خوبصورت کتاب شائع کی گئی ہے اور اُس میں سری لنکا میں میمن قوم کی آمد اور وہاں پر آباد میمن قوم کی سرگرمیوں کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اُس کتاب کی معلومات کے مطابق سری لنکا میں سب سے پہلے میمن کی آمد ۱۸۷۰ء میں تجارت کے سلسلے میں جافنا میں جناب عبدالرحمٰن سے ہوئی۔اور وہ کپڑے کی تجارت کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔اور بعد میں مستقل بنیاد پر یہاں پر اپنے کاروبار کو وسعت دی۔آپکی کے کاروبار کی وسعت کی وجہ سے آپ وہاں پر ''ماناسیٹھ'' "MANNA SETH" سے مشہور ہوئے۔ [۱۳]

مانا سیٹھ کے کاروبار کی ترقی کو دیکھتے ہوئے دیگر کئی میمن تاجر جن میں سے اکثریت کتیانہ سے تعلق رکھتی تھی کپڑے کی تجارت کے سلسلے میں سیلون کے مختلف علاقوں میں پہنچی۔ ۱۹۴۲ء میں ایک سروے کے مطابق اُس وقت صرف کولمبو میں (۱۰۰) سو دوکانیں میمن تاجروں کی تھیں۔ اور پورے سیلون (موجودہ سری لنکا) میں اس کی تعداد (۱۵۰) ڈیڑھ سو تک پہونچی ہوئی تھی۔بعد میں دوسری عالمی جنگ کی وجہ سے سری لنکا سے بہت سے میمن خاندان واپس اپنے آبائی علاقوں میں واپس لوٹ آئے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے وقت بہت بڑی تعداد میں میمن خاندانوں نے ہندوستان میں آباد اپنے آبائی علاقوں سے ہجرت کر کے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی اور اُن میں سے کچھ خاندانوں نے کولمبو میں منتقل مکانی کر کے مستقل آباد ہوئے۔جس کے بعد وہاں پر آباد میمن خاندانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا۔اس طرح انہوں نے ۱۹۵۶ء میں کولمبو میں اپنی تجارتی تنظیم ''میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن'' کی بنیاد رکھی۔

۱۹۸۱ء کی سری لنکا کی سرکاری اعداد وشمار کے مطابق (۳۰۰۰) تین ہزار افراد پر مشتمل میمن برادری آباد تھی۔جو اُس وقت سری لنکا میں

آباد مسلم آبادی کا ۰.۲۶ فیصد بنتا تھا۔ اور جن میں سے زیادہ تر کپڑے کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ جبکہ ۲۰۰۶ء میں یہ تعداد بڑھ کر (۷۰۰۰) سات ہزار افراد پر مشتمل ہوگئی ہے۔ جو وہاں پر میمن قوم کی نمائندہ تنظیم ''میمن ایسوسی ایشن آف سری لنکا'' کے پلیٹ فارم پر اپنی تمام سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کو انجام دیتے ہیں۔ [۱۴]

مندرجہ بالا حقائق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سیلون (سری لنکا) میں بھی میمن قوم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پہنچی۔ اور اس کی بنیادی وجہ ہندوستان کی تجارتی برادریوں کی انگریزوں کی انتقامی کاروائیوں سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہوگا۔

میمن قوم افریقہ میں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ سے میمن قوم کے تاجروں کی آفریقہ میں کب اور کیسے آمد ہوئی۔ میمن قوم کے دانشور جناب ابراہیم قاسم مول نے اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں ایک کتاب ''اینڈ آف روڈ'' (END OF THE ROAD) جو انہوں نے پریٹوریا جنوبی آفریقہ سے شائع کروائی ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ ''جنوبی آفریقہ'' میں پہلے میمن تاجر جناب ابوبکر احمد تھے۔ جنہوں نے ڈربن میں اپنا کام کاج شروع کیا۔ ان کے بعد عبداللہ حاجی آدم، یوسف عبدالکریم اور دیگر میمن تاجروں نے یہاں کا رُخ اختیار کیا۔ ۱۸۷۵ء میں سیٹھ عبداللہ حاجی آدم اور سیٹھ یوسف عبدالکریم نے مشترکہ شراکت داری میں ایک کمپنی ''داداعبداللہ اینڈ کمپنی'' ۴۲ ویسٹ اسٹریٹ ڈربن میں قائم کی۔ یہ وہی کمپنی ہے جہاں سے ''گاندھی جی'' نے اپنے سیاسی کیریر کا آغاز کیا تھا۔ [۱۵]

مندرجہ بالا حقائق اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جنوبی آفریقہ میں بھی میمن قوم کی آمد کا سلسلہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا ہے۔ جبکہ مشرقی آفریقہ میں کچھی میمن برادری کی آمد ہمیں ہندو باٹیا برادری کے ساتھ تجارتی امور میں مانڈوی (ریاست کچھ) سے ۱۸۲۵ء کے عشرے میں ان کی آمد کا سلسلہ ملتا ہے جس کا تفصیلی ذکر ''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کی پہلی جلد ''لوہانہ سے میمن قوم کی برادریوں تک'' کے نصر پور یا میمن برادری کے باب میں کیا گیا ہے۔

موہن داس کرم چند گاندھی (گاندھی جی) کے سیاسی زندگی کی ابتداء۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں گاندھی جی کی شخصیت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس اہم شخصیت کے سیاسی لیڈر بنانے میں میمن قوم کے بزرگوں کا کلیدی کردار رہا ہے۔ موہن داس کرم چند گاندھی کاٹھیاواڑ کی ریاست پوربندر میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کا پوربندر میں آباد میمن جوہری خاندان سے قریبی تعلقات قائم تھے۔ جن کا پوربندر کے علاوہ جنوبی آفریقہ میں بھی وسیع کاروبار تھا۔ اُن دنوں وہاں پر آباد ہندوستانیوں میں ''داداعبداللہ اینڈ کمپنی'' کاروباری لحاظ سے سب سے بڑی کمپنی شمار کی جاتی تھی۔ [۱۶]

جس کا ذکر گاندھی جی کی سوانح عمری ''The Story of my experiments'' جس کا اردو ترجمہ ''تلاش حق'' میں

کیا ہے۔اُس میں لکھا ہے کہ دادا عبداللہ حاجی آدم جوہری ۱۸۸۳ء میں افریقہ میں بڑے تاجروں میں شمار کئے جاتے تھے۔اوروہ شپنگ کے کاروبار سے وابستہ تھے۔دادا عبداللہ کا اُن دنوں اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے ساتھ کاروباری تنازعہ چل رہا تھا۔جس میں انہوں نے چالیس ہزار پونڈ کادعویٰ جنوبی آفریقہ کی دیوانی عدالت میں دائر کیا ہوا تھا۔

گاندھی جی اُن دنوں راجکوٹ میں مختلف مسائل اور کام کاج نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے اوراُن کے گھر والوں نے محسوس کیا کہ کسی طرح اُن کو وہاں سے کہیں اور جگہ کام کاج میں مصروف کر دیا جائے۔اس سلسلے میں اُن کے بھائی نے پور بندر میں سیٹھ عبدالکریم جوہری جوآفریقہ میں قائم ''دادا عبداللہ اینڈ کمپنی'' کے پارٹنر بھی تھے۔اُن سے رابطہ کر کے بات کی کہ وہ اُن کوآفریقہ میں کسی کام کاج میں لگا دیں۔اُن دنوں ان کی کمپنی کا وہاں پر ایک اور کاروباری فرم سیٹھ طیب حاجی جان محمد اینڈ کمپنی کے ساتھ دیوانی مقدمہ چل رہا تھا۔جس پر انہوں اور گاندھی جی کو آفریقہ میں وہاں پر قائم مقدمہ میں معاون وکیل کے طور پر سالانہ ایک سو پانچ پاونڈ اور دیگر اخراجات کی ادائیگی پر اپریل ۱۸۹۳ء کو ڈربن جنوبی آفریقہ کے لیئے روانہ کر دیا۔

گاندھی جی کے لیئے وہاں کا ماحول بڑا عجیب تھا۔انہیں ہندوستانیوں سے انگریزوں کا طرزِعمل بہت زیادہ متعصبانہ نظر آیا۔جواُن کو بُری طرح کھلتا تھا۔جب کے وہاں پر آباد ہندوستان سے آئی ہوئی تجارتی برادری جو زیادہ تر میمن، خوجہ، پارسی اور ہندوؤں خاندانوں پر مشتمل تھیں۔ اُن کو وہاں پر انتہائی سادگی سے اپنے تجارتی امور کی انجام دہی میں مصروف عمل پایا، یہاں تک کے اُن کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کو بھی وہ خاموشی سے برداشت کرتے رہتے تھے۔اور یہ تاجر اپنے کام کاج کے بعد دوسرے نمبر پر اپنے مذہبی معاملات میں مصروف عمل رہتے تھے۔خصوصاً ان کی کمپنی کے مالک سیٹھ عبداللہ دادا کے بارے میں گاندھی جی نے اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ

'' سیٹھ عبداللہ دادا تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے لیکن ان کا تجربہ بہت وسیع تھا۔ان کی سوجھ بوجھ غضب کی تھی اور انہیں اس بات کا احساس بھی تھا۔انہوں نے اتنی انگریزی سیکھ لی تھی کہ بات چیت کر سکیں۔مگر وہ اسی سے سارا کاروبار چلاتے تھے۔وہاں پر آباد ہندوستانی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔انہیں اس بات پر فخر تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ اُن کو اسلام کے فلسفے پر تقریر کرنے کا بڑا شوق تھا۔وہ عربی تو نہیں جانتے تھے،مگر قرآن مجید کی تفسیر اور اسلامی امور میں خاصا دخل رکھتے تھے۔مثالیں انہیں بڑی کثرت سے یاد تھیں۔ان کی صحبت میں مجھے اسلام سے اچھی خاصی عملی

واقفیت ہوگئی۔ جب ہم دونوں میں بے تکلفی ہوگئی، تو اکثر ہم آپس میں مذہبی بحث کیا کرتے تھے۔‘‘

گاندھی جی آفریقہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اس کیس کے امور کی انجام دہی، جس کے لیئے اُنہیں ہندوستان سے ملازمت پر رکھا گیا تھا اُس کی نوعیت کو سمجھنے کے بعد انہوں نے کوشش کر کے دونوں فریقوں کے درمیان باہمی رضامندی سے اُن میں تصفیہ کروادیا۔ جسکے تحت سیٹھ طیب حاجی جان محمد (جو اس مقدمہ میں دوسرے فریق تھے) وہ سینتیس (۳۷) ہزار پونڈ سیٹھ عبداللہ دادا کو ایک مقررہ وقت میں قسطوں کی صورت میں ادا کریں گے۔ اور اگر کسی قسم کی پیچیدگی کی صورت میں اس مسئلہ کو ثالثی کے ذریعے حل کیا جائے گا اور قانونی مسائل میں نہیں اُلجھا جائے گا۔ اس مقدمہ کا دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی سے تصفیہ کے بعد گاندھی جی اپنے کام کو پورا کر چکے تھے۔ [۱۷]

آفریقہ میں ناتال "Natal" انڈین کانگریس کا قیام۔

گاندھی جی اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان میں واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جس پر اُن کے اعزاز میں سیٹھ عبداللہ دادا نے ایک الوداعی پارٹی منعقد کی۔ اُس پارٹی کے دوران ہی میں گاندھی جی نے ایک اخبار ’’مرکیوری‘‘ کی ایک خبر پر وہاں پر موجود مندوبین کی توجہ مبذول کروائی، جس کے مطابق ’’ناتال Natal‘‘ کی اسمبلی میں اپنا ممبر منتخب کرنے کا ہندوستانی باشندوں کو جو حق حاصل ہے اُسے واپس لے لیا جائے گا۔ انہوں نے عبداللہ سیٹھ سے اس کے بارے میں جب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہاں پر ہماری کون سنتا ہے۔ آئے دن ان کی طرف سے مختلف قانون کے نفاذ سے ان کو بہت زیادہ نقصانات اُٹھانا پڑتا ہے۔ گاندھی جی نے سیٹھ کی ان باتوں کو سننے کے بعد بتایا کہ اگر یہ قانون پاس ہوگیا تو یہاں پر ہندوستانیوں کی زندگی دشوار ہوجائے گی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اُس پارٹی میں موجود تاجرین اور تاجروں نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ وہ اس وقت واپس ہندوستان نہ جائیں اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ کام کریں۔ گاندھی جی نے پہلے تو منع کرتے رہے۔ لیکن بعد میں سیٹھ عبداللہ اور دیگر رہنماؤں کے اصرار پر اس تحریک میں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ جس پر گاندھی جی نے بھی بغیر معاوضہ کے اس سلسلے میں کام کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح گاندھی جی کی اعزاز میں منعقدہ وہ الوداعی پارٹی افریقہ میں آباد ہندوستانیوں کے مفادات کے لیئے پہلی میٹنگ کی صورت اختیار کرگئی۔

ہندوستانیوں کی مخالفت کے باوجود ''ناتال Natal '' کی پارلیمنٹ نے اُس قرارداد کی منظوری دے دی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ۲۲ مئی ۱۸۹۴ء کو سیٹھ عبداللہ دادا کی رہائش گاہ پر ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں وہاں پر آباد ہندوستانیوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اور وہاں پر ''ناتال انڈین کانگریس'' کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جس کے پہلے صدر سیٹھ عبداللہ حاجی آدم (دادا عبداللہ) بنے اور دیگر عہدیداروں میں سیٹھ حاجی محمد نائب صدر اور موہن داس کرم چند گاندھی اعزازی جنرل سیکریٹری اور دیگر چھے ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس طرح ہندوستان کی تاریخ کی اس اہم شخصیت کے سیاسی کیریر کا آغاز ہوا۔ [۱۸]

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے مخدوش معاشرتی وسیاسی حالات اور سرسید احمد خان کی خدمات۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں مسلمانوں کو قتل اور کئی بے گناہوں کو پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا، اس کے ساتھ ہی ہزاروں لوگوں کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں، اوراُن پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کردیئے گئے جس سے مسلمان سیاسی ومعاشی طور پر تباہ وبرباد ہوکر رہ گئے۔ ان حالات میں سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی سیاسی پستی کو دور کرنے اور اُن کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کروانے کے لئے آگے بڑھے اور انہوں نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا کرنے اور مسلمانوں کی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لیئے ایک جامع پروگرام بنایا۔ ان کی اُن کوششوں کو تحریک پاکستان کی تاریخ میں ''علی گڑھ موومنٹ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سرسید احمد خان نے اس سلسلے میں اُس وقت کے مزاج اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لیئے ایک جامع پروگرام ترتیب دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے ''رسالہ اسباب بغاوت ہند'' اور رسالہ ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' لکھ کر مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوششیں کی۔ آپ کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ برصغیر کے مسلمان اس وقت تک اپنی پسماندگی اور زبوں حالی کو دور نہیں کرسکتے جب تک کہ وہ تعلیمی میدان میں ترقی نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی پر نمایاں توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس سلسلے میں ۱۸۵۹ء میں مرادآباد میں ایک فارسی مدرسہ کی بنیاد رکھی جو سرسید کی تعلیمی جدوجہد کا نقطۂ آغاز تھا۔ جس کے بعد آپ نے ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں جدید طرز کا پہلا مدرسہ وکٹوریہ اسکول قائم کیا۔ جس میں جدید علوم کے علاوہ پانچ زبانوں، انگریزی، اردو، عربی، فارسی اور سنسکرت پڑھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۸۶۳ء میں غازی پور میں ہی سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی گئی۔ جس کا بنیادی مقصد ریاضی، طبعیات، کیمیا، تاریخ، معاشیات اور زراعت کی مستند انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا جاتا تھا۔ بعد میں ۱۸۶۶ء میں یہ سوسائٹی کو علی گڑھ منتقل کردیا گیا۔ [۱۹]

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام اور سرسید کا مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کا مشورہ۔

انگریزوں نے جنگ آزادی کی بنیادی وجوہات کو معلوم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اُس میں ایک وجہ وہاں پر مقامی لوگوں کو ملکی سیاسی

اور انتظامی امور سے دور رکھنے کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف سیاسی میدان میں بغاوت نے جنم لیا۔ اس چیز کے سدباب کے لیئے انہوں نے ۱۸۸۵ء میں ہندوستانی سول سروس کے ایک انگریز رکن ''اے او ہیوم'' کے ہاتھوں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد دسمبر ۱۸۸۵ء میں بمبئی میں رکھی، اور اس کے صدر ''ڈبلیوسی بونر جی'' کو مقرر کیا گیا، اس اجلاس میں کل (۷۲) بہتر نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ جس میں صرف دو مسلم مندوب شامل تھے۔ جبکہ سر سید احمد خان نے مسلمانوں سے کانگریس میں شریک نہ ہونے کا مشورہ دیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ برطانوی طرز کی نمائندہ حکومت مسلمانوں کے مفاد کے منافی ہے کیونکہ اس سے مسلم اقلیت ہمیشہ کے لیئے ہندو اکثریت کی غلام بن جائے گی۔ اور ان کے مشورے پر مسلمانوں نے اس سے دوری اختیار کی۔ اور اسی وجہ سے اس میں مسلمانوں کی شرکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ [۴۰] اگر مسلمان اس وقت کانگریس میں شامل ہو جاتے تو ان کی مثال اس طرح ہی ہوتی جیسے دریا سمندر میں شامل ہو کر اپنی شناخت کھو دیتا ہے اسی طرح مسلمان بھی کانگریس میں شامل ہو کر اپنی مسلم تشخص کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ ان کے اس دور رس فیصلے نے بعد میں دو قومی نظریہ کو بنیاد فراہم کی۔ جسے ہم بلاشبہ پاکستان کے قیام کی پہلی اینٹ قرار دے سکتے ہیں۔

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن کانفرنس کا قیام۔

سر سید احمد خان نے اپنے رفقاء کے تعاون سے ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول (مدرسۃ العلوم) کی بنیاد رکھی۔ اور بعد میں اس اسکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا اور اس سلسلے میں ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ لٹن (Lord Lytton) نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ [۴۱]

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو ختم کرنے کے لیئے ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں آپ اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام عمل لایا۔ اس کانفرنس کے دو مقاصد تھے۔ اول مسلمانوں کو اعلیٰ درجے کی تعلیم دینے کے لیئے تعلیمی ادارے قائم کرنا، اور دوئم ہر سال کسی مناسب جگہ پر کانفرنس کا اجلاس منعقد کر کے تعلیمی مسائل کے ساتھ اس وقت مسلمانوں کے سیاسی مسائل پر غور کرنا۔ اس قسم کی کانفرنسوں کی کوششوں سے ملک کے مختلف شہروں میں اسلامیہ ہائی اسکول کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ڈھاکہ یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) کا قیام ان کانفرنسیس ہی کی کوششوں کا ثمر تھا۔ اس کانفرنس ہی کے پلیٹ فارم کی وجہ سے ۱۹۰۳ء میں دہلی میں انجمن ترقی اردو ایک شعبے کی حیثیت سے قائم ہوئی، ۱۹۱۲ء میں اس نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی قیادت میں ایک مستقل ادارے کی حیثیت اختیار کر لی۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ہی کی بدولت دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں منعقدہ اجلاس میں ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی انتھک کوششوں سے بالآخر ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ [۴۲]

سندھ مدرسۃ الاسلام کا قیام۔

سر سید احمد خان کی اس تعلیمی مشن میں دیگر آقابرین کے ساتھ جسٹس امیر علی بھی اس تحریک میں انتہائی اہم کردار ادا کر رہے تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے کلکتہ میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی ہوئی تھی۔ ۱۸۸۴ء میں جسٹس امیر علی کلکتہ سے ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلے

میں سہون تشریف لائے۔آپ اپنے مقدمہ کے امور سے فارغ ہونے کے بعد سندھ میں مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کو دیکھا تو انہوں سخت صدمہ ہوا۔اُن دنوں جناب حسن علی آفندی سندھ کے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لئے کوشاں تھے۔اور وہ اس سلسلے میں کچھ عملی کام کرنا چاہتے ہیں ۔جب اُن کی ملاقات جسٹس امیر علی سے ہوئی تو انہوں نے ان کو نیشنل محمڈن ایسوی ایشن کی ایک شاخ سندھ میں قائم کرنے کا مشورہ دیا تا کہ سندھ کے مسلمانوں میں جدید تعلیم کو فروغ دے کر ان کی حالت کو بہتر کیا جائے اور اس کے ساتھ ان کے معاشی سماجی اور سیاسی حقوق کی حفاظت بھی کی جا سکے۔اسطرح ان کی کوششوں سے مارچ ۱۸۸۴ء میں نیشنل محمڈن ایسوی ایشن کی کراچی شاخ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حسن علی آفندی اس شاخ کے صدر اور مولوی اللہ بخش اس کے اعزازی معتمد مقرر ہوئے۔ اس سلسلے میں ۱۸۸۵ء میں حسن علی آفندی علیگڑھ جا کر سر سید احمد خان سے ملاقات کی اور اُن کے مشورے پر اُسی سال اس پلیٹ فارم سے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے فروغ کے لیئے ایک مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا،اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس مجوزہ مدرسے کے قیام کے لیئے ایک تنظیمی بورڈ ''سندھ مدرسہ بورڈ" قائم کیا۔ ۳۰ اگست ۱۸۸۵ء کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام کی شاندار افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔اس سلسلے میں بولٹن مارکیٹ کے قریب مدرسے کے لئے ایک مختصر عمارت کرائے پر حاصل کی گئی۔ یہ عمارت کسی طور پر بھی ایک مدرسے کے شایان شان نہ تھی، کیونکہ وہاں پر مارکیٹ میں واقع ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ شور شرابہ رہتا تھا۔مگر اس وقت اس کا انتخاب شہر کے وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے کیا گیا تھا۔کچھ عرصے بعد ایک دن جناب حسن علی آفندی اپنے فرزند ولی محمد کے ہمراہ فریئر روڈ پر واقع قافلہ سرائے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اُن کی نگاہ اُس سرائے پر پڑی (موجودہ قائم عمارت والی جگہ) جسے آپ نے اس کو مدرسے کے لئے پسند فرمایا۔۔ چنانچہ ۴ نومبر ۱۸۸۷ء کو قافلہ سرائے کے پلاٹ پر مدرسے کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ مدرسہ اپنی بہترین کارکردگی، اور یہاں سے فارغ تحصیل ہونے والے ہونہار طالب علموں کی وجہ سے بہت جلد برصغیر کے عوام کی توجہ کا مرکز بن گیا۔[۲۳]

سندھ کے سرسید احمد خان اور میمن قوم کے عظیم فرزند "جناب حسن علی آفندی"۔ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۸۹ء۔

خان بہادر حسن علی آفندی جن کو" سندھ کا سرسید" بھی کہا جاتا ہے۔آپ حیدرآباد کے ایک غریب سندھی میمن گھرانے میں ۱۴، اگست ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام میاں محمد احسان اخوند تھا۔غربت کی وجہ سے آپ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور جھرک کے مقام پر انڈس فلوٹیلا کے جہازوں کے ایندھن کا حساب کتاب رکھنے کے لئے بحیثیت ڈھاک منشی ملازم ہو گئے۔علم کے حصول کے شوق کی وجہ سے آپ انڈس فلوٹیلا کے ایک عیسائی ملازم سے انگریزی سیکھنا شروع کی۔

ایک دن جسٹس مڈلٹن جو کراچی میں صدر کورٹ کے جج تھے، انڈس فلوٹیلا کے جہاز سے سفر کرنے کے لئے یہاں آئے اور ایک رات انہوں نے اسی جہاز پر گزاری۔انہوں نے رات کو دیکھا کہ حسن علی ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی میں انگریزی پڑھ رہے تھے۔جج صاحب کے لئے یہ منظر بہت تعجب خیز تھا، کیونکہ اس دور میں ایک مسلمان کا اس طرح شوق سے انگریزی پڑھنا بہت حیران کن بات تھی۔ انہوں نے حسن علی سے کچھ سوالات کئے اور ان کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے۔انہوں نے اسی وقت ڈسٹرکٹ کورٹ کراچی میں ان کو بحیثیت سرشتدار ساٹھ روپیہ ماہانہ تنخواہ پر ملازم رکھ لیا۔کراچی میں آنا آپ کے لئے مستقبل کے خوابوں کی خوشگوار تعبیر ثابت ہوا۔یہاں پر انہیں وکلاء اور قانون دانوں سے روابط کے مواقع ملے اور ان حضرات سے استفادہ کرکے آپ نے اپنے طور پر اس قدر آگے بڑھ گئے کہ بغیر کسی امتحان کے انہیں حکومت نے وکالت کی سند عطا فرمائی۔اس طرح انہیں سندھ میں پہلے مسلمان وکیل ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔آپ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد اپنے پیشے میں بڑی عزت وشہرت حاصل کرلی۔آپ نے کئی مشہور مقدمات کی پیروی کی جن میں سید حزب اللہ شاہ پیر پگاڑا کا مقدمہ، سیٹھ ہارومل کی جاگیر کا مقدمہ، خان بہادر مراد خان کا حب ندی کا مقدمہ اور ایسے ہی دیگر مقدمات قابل ذکر ہیں۔حکومت برطانیہ نے آپ کو منصفی کا عہدے کی پیش کش کی، مگر آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔

حسن علی آفندی کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سندھ کے مسلمانوں کے لئے "سندھ مدرستہ الاسلام" کا قیام ہے۔اس سلسلے میں آپ کو بے شمار تکالیف اٹھانا پڑیں، کیونکہ جس دور میں آپ نے سندھ مدرسے کا آغاز کیا، اس وقت سندھ میں انگریزی تعلیم کی درسگاہ قائم کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔اس قسم کی تحریک کے سب سے بڑے دشمن خود مسلمان تھے۔کیونکہ وہ انگریزوں کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم سے بھی دلی نفرت کرتے تھے۔اکثر علماء نے انگریزی تعلیم کے خلاف فتوے جاری کرر کھے تھے کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے کافروں کا درجہ رکھتے ہیں۔چنانچہ حسن علی آفندی کو ہر طرح ذلیل کیا گیا۔ان کو انگریزوں کا آلہ کار اور کافر کہا گیا۔

"سندھ مدرستہ الاسلام" کا قیام بلاشبہ سندھ کے عوام پر حسن علی آفندی کا ایک بہت بڑا احسان ہے۔جسے سندھ کے مسلمان کبھی بھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔آپ نے تعلیمی خدمات کے علاوہ سماجی خدمات میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔آپ کراچی میونسپلٹی کے کونسلر، بمبئی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے۔اس کے علاوہ سندھ میں مسلمانوں کے مفادات کے لئے ہمیشہ دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔آپ کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں حکومت نے آپ کو "خان بہادر" کے خطاب سے نوازا۔ترکی اور روس کی جنگ کے دوران آپ نے ترکی کی امداد کے لئے پورے ہندوستان

کا دورہ کر کے چندہ اکٹھا کیا اور اسے ترکی بھیج دیا۔ آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو ترکی کا اعزازی کونسلر مقرر کیا گیا تھا۔ اور " آفندی" کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ ۱۸۸۹ء میں اس مرد مجاہد کا کراچی میں انتقال ہوا۔ گو کہ وہ آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، مگر سندھ مدرسہ ہمیشہ ان کی شخصیت کو زندہ رکھے گا۔ [۴۴]

کاٹھیاواڑ کی مسلم اقوام کے تعلیمی شعبے کا تاریخی پس منظر۔

جس طرح سندھ میں تعلیمی میدان میں حسن علی آفندی کی گراں قدر خدمات رہی ہیں اسی طرح کاٹھیاواڑ میں بھی مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیئے بیگ محمد عبدالغنی (سر آدمجی حاجی داود کے چچا) اور بیرسٹر عبدالستار روبی کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں کاٹھیاواڑ میں آباد مسلم اقوام میں اکثریت میمن قوم کی تھی۔ اور جو کاٹھیاواڑ میں تجارت و کاروبار میں دیگر مسلم اقوام سے خوشحال ترین تصور کی جاتی تھی۔ اس قوم کے کئی تاجروں کے تجارتی مراکز اور دوکانیں کاٹھیاواڑ کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی قائم تھیں۔ جب کے کئی مخیر شخصیات کی طرف سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کئی فلاحی ادارے بھی قائم کیئے ہوئے تھے۔ لیکن تعلیم کے میدان میں میمن قوم اُس وقت تک ہندوستان میں بسنے والی کئی اقوام سے پسماندہ تھی۔ اور اُن کے بزرگوں کی سوچ یہ ہوتی تھی کہ اُن کو اپنے بچوں کو ''مہتاجی'' کلرک نہیں بنانا۔ کیونکہ اُن دنوں کاروباری حضرات کے حساب کتاب وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیئے ہندو ''مہتاجی'' کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ اُن کے خیال میں میمن قوم کو اپنے بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کے ساتھ چار کتابیں گجراتی کی پڑھانے تک محدود رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اُس وقت سمجھا جاتا تھا کہ بچوں کو زیادہ پڑھا کر ان کے آباؤ اجداد کا ورثے میں ملا ہوا تجارتی و کاروباری سمجھ بجھ کی صلاحیتوں کو ختم کرنے کے متعارف ہوگا۔ اور اگر ان بچوں کو زیادہ تعلیم کی طرف راغب کیا گیا تو ان کے بچوں میں ملازمین والی سوچیں پروان چڑھیں گی۔ اور وہ تجارت اور کاروبار سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کے تو سخت مخالف تھے۔ اور اُن کے خیال میں لڑکیوں کو صرف گھر کی چاردیواری میں قرآن شریف پڑھنے اور گھر کی امور خانہ داری کی تربیت تک محدود رکھنا چاہیئے۔ جدید تعلیم کے حصول میں دوسری بڑی رکاوٹ میمن قوم کی مذہبی معاملات سے گہری وابستگی بھی تھی۔ جس کی وجہ سے کاٹھیاواڑ کے اُن حلقوں میں محلوں کی مساجد میں متعین مولانا صاحبان کی طرف سے انگریزی کی تعلیم کو ''کفر'' قرار دینا۔ جس کی وجہ سے وہاں پر مسلمان جدید تعلیم کو حاصل کرنے سے دور رہے تھے۔

کاٹھیاواڑ میں مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لیئے اقدامات۔

ان تمام حالات کے باوجود کاٹھیاواڑ میں آباد صاحب حیثیت آتارین اپنے تجارتی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور دنیا کے کئی ممالک میں تعلیم سے انقلابی تبدیلیوں اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، کاٹھیاواڑ میں بھی مسلمانوں میں جدید تعلیم کو عام کرنے میں کوشاں تھے۔ ۱۹۳۰ء سے قبل انہوں نے اس سلسلے میں مختلف تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کے حصول کے لیئے اسکالرشپ (وظائف) دینے کے ساتھ کاٹھیاواڑ کے کئی علاقوں میں مدرسہ اسکولوں، ہائی اسکول اور بورڈنگ ہاوس قائم کیئے۔

اس سلسلے میں وہاں پر تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں جن شخصیات نے اہم خدمات انجام دیں ہیں اُن میں سر عبدالکریم عبدالشکور رجمال

جن کا تعلق جام نگر سے تھا۔انہوں نے کاٹھیاواڑ میں تعلیم کے فروغ کے لیئے گراں قدر خدمات انجام دی جس کا ذکر پہلے تفصیل سے کیا جاچکا ہے۔ اس کے ساتھ دیگر آ قابرین میں جیت پور کے عبدالغنی بیگ محمد باوانی، کتیانہ کے سر یوسف اسماعیل، واساواڈ کے بیرسٹر عبدالستار ولی، گونڈل کے یوسف عبدالغنی اور دھوراجی کے ولی محمد کونڈھا شامل تھے۔مگران آقابرین کی تعلیمی میدان میں یہ کوششیں انفرادی حیثیت کی حامل تھیں۔جبکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کو ایک مربوط پروگرام کے تحت ہونا چاہئے تھا تا کہ اُس کے بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے۔ [۴۵]

کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشن کانفرنس۔

کاٹھیاواڑ میں مسلمانوں میں تعلیمی اہمیت اور اُس کی پسماندگی کو دور کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلے امریلی کے عبداللہ اسماعیل اور اسماعیل داود نے وہاں سے شائع ہونے والے ''اسلامی خبریں'' نامی رسالے میں اپنے مضامین تحریر کر کے تعلیم کی ضرورت پر توجہ دلائی۔ ان کے علاوہ جیت پور کے عبدالغنی بیگ محمد باوانی اور دھوراجی کے تارمحمد عبدالغنی نوی والا مختلف سماجی پلیٹ فارموں پر تعلیم کے فروغ کے لیئے عملی طور پر کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں ان ہی کی کوششوں سے ۲، اکتوبر ۱۹۱۶ کو جونا گڑھ میں ''کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشن کانفرنس'' کا انعقاد عمل میں آیا۔ (۴۶) اس کانفرنس کی تعلیمی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کی صدارت کے لیئے علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر ضیاءالدین کو مدعو کیا گیا تھا، اور وہ تشریف لائے تھے۔اس کانفرنس کے انعقاد کے بعد کاٹھیاواڑ میں تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں ایک بیداری سی کیفیت پیدا ہوئی۔اور مختلف علاقوں میں تعلیمی ادارے قائم ہونا شروع ہوئے۔ [۴۷]

راجکوٹ میں کاٹھیاواڑ کے تاریخی بورڈنگ ہاوس کا قیام۔

کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے کامیاب انعقاد کے بعد عبدالغنی بیگ محمد باوانی اور اُن کے رفقاء کی کوششوں سے کاٹھیاواڑ میں عملی تعلیمی میدان میں کام کرنے کے سلسلے میں انہوں نے ۱۹۱۹ء میں راجکوٹ میں تاریخی بورڈنگ ہاوس کا قیام عمل میں لایا۔کیونکہ اُن دنوں راجکوٹ کو پورے کاٹھیاواڑ میں برطانوی حکومت کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔لہذا اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے راجکوٹ میں اس ادارے کو قائم کیا تا کہ پورے کاٹھیاواڑ سے مسلم بچے اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔اس بورڈنگ ہاوس کے انتظامی امور کو چلانے کے لیئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔جس کے صدر عبدالغنی بیگ محمد تھے۔اور آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس کی خدمت سے وابستہ رہے۔آپ کے انتقال کے بعد یہ ذمیداری عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ نے سنبھالی۔ [۴۸]

جس کے بعد ۱۹۳۱ء میں عبدالعزیز طیب ڈھیڈی کی کوششوں سے باونگر میں اسی طرح کی ایک اور بورڈنگ ہاوس کا قیام عمل میں لایا گیا۔۱۹۳۵ء میں دوارکا (اوکھامنڈل) میں تیسری بورڈنگ ہاوس کا قیام عمل میں لایا گیا۔اور اس سلسلے میں مالی تعاون میمن ایجوکیشنل سوسائٹی کلکتہ کی طرف سے فراہم کیا گیا تھا۔اور اس کے قیام میں سر آدمجی حاجی داود کی گراں قدر خدمات شامل تھیں۔ [۴۹]

آل انڈیا میمن کانفرنس ۱۹۳۱ء راجکوٹ، میمن قوم کا تاریخی موڑ:۔

۱۰، اکتوبر ۱۹۴۱ء میمن قوم کا یہ تاریخی اجتماع جس کو ہم بلاشبہ میمن قوم کی جدید تاریخ کی ابتداء کہہ سکتے ہیں، جہاں سے ہندوستان کے تمام علاقوں میں بسنے والے میمن خاندانوں میں ایک (جاگورتی) بیداری نے جنم لیا، جس کے بعد میمن قوم جہاں اور جس علاقوں میں آباد تھی، وہاں پر اپنے تشخص اور مسائل کے حل کے لئے مختلف ادارے قائم کئے اور اس طرح میمن قوم میں علاقائی برادریوں کا تصور اُجاگر ہوا، جس کے ذریعے وہ اپنے معاشرتی مسائل کے حل پر زیادہ بہتر اور موثر انداز میں توجہ دینے لگے۔ ان علاقائی برادریوں کو ایک مرکز پر لانے کا تصور آل انڈیا میمن کانفرنس کی صورت میں پیش کیا گیا۔ جیسے ہم بلاشبہ اُس وقت میمن قوم کی ''سپریم باڈی'' کہہ سکتے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل میمن قوم کی تاریخ میں اس طرح کی چار کانفرنس منعقد کی گئیں، ان میں پہلی راجکوٹ میں، دوسری جام نگر میں، تیسری مانا وردر میں، چوتھی پور بندر میں اور پانچویں کانفرنس کا پروگرام دھوراجی میں تھا، مگر دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے اُسے منسوخ کرنا پڑا۔ اُس کے بعد ہندوستان کے نا مساعد سیاسی حالات اور تقسیم ہند کی تحریک کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس:۔

پورے ہندوستان میں تمام میمن برادریوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے اُن کو درپیش مسائل کے حل کے لئے آل انڈیا میمن کانفرنس کے انعقاد کرنے کا تصور سب سے پہلے امریلی کے جناب عبداللہ اسماعیل اور ابراہیم داود لیلا (Lila) نے ۱۹۱۵ء میں پیش کیا تھا۔[۳۰] جس کے بعد سے اس سلسلے میں مختلف بزرگوں نے اس میں نمایاں کام کیا۔ اُن شخصیت میں سر آدمجی حاجی داود، بیرسٹر عبدالستار رولی، جناب عبدالغنی دادابھائی جنانی، جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ، جناب عبدالغنی دادابھائی میگھانی، جناب عبدالرحیم معرفانی، جناب عبدالرحمٰن معرفانی، جناب علی محمد ماسٹر وکیل اور دیگر زعماء اکرام نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ میمن قوم کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس ہونے کی وجہ سے پوری قوم میں اس سلسلے میں کافی جوش وجذبہ پایا جاتا تھا اور اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے مہمانوں کے لئے بمبئی اور گجرات کے مختلف علاقوں سے خصوصی ٹرینیں راجکوٹ کے لئے چلائی گئی تھی۔[۳۱]

راجکوٹ اُن دنوں پورے کاٹھیاواڑ میں برطانوی حکومت کے ہیڈکوارٹر ہونے کی وجہ سے وہاں پر مختلف علاقوں کے راجہ مہاراجوں نے اپنے بنگلے اور کوٹھیاں قائم کی ہوئی تھیں۔ آل انڈیا میمن کانفرنس کے موقع پر مہمانوں کی آمد اور ان کی رہائش کے لئے اُن مہاراجوں نے اپنے بنگلے اور کوٹھیاں راجکوٹ کے میمن رہنماؤں کے حوالے کر دی تھیں کہ وہ وہاں پر اس کانفرنس میں ہندوستان بھر سے آئے ہوئے معززین کے رہنے کا انتظامات کریں۔ راجکوٹ میں قائم اسکولوں اور دوسرے سماجی وفلاحی اداروں کی عمارتوں کو بھی اس کانفرنس کے سلسلے میں آئے ہوئے دیگر مہمانوں کے استعمال کے لیئے دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ راجکوٹ کے راجہ درمیندر سنجی نے اپنی خاص بگھی جو چار گھوڑوں پر مشتمل تھی اور جس کی خوبصورتی پورے کاٹھیاواڑ میں مشہور تھی، اُسے کانفرنس کے صدر کے استعمال کے لیئے تفویض کی۔

پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس کے بارے میں جناب عبدالستار کو پلانی جو اس اہم ترین اجلاس کے انتظامات میں پیش پیش رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب یادوں کی سوغات میں اُس اجلاس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اُس اجلاس میں "صدر جلسہ سر آدمجی حاجی داود کا استقبالی جلوس انتہائی تاریخی اہمیت کا حامل تھا سب سے آگے، دلاور پہلوان جو اُن دنوں راجکوٹ کا مشہور پہلوان تھا گھوڑے پر سوار تھا، اُس کے پیچھے والینٹر کے دستے جو باوردی

ترکی ٹوپی زیب تن کیے ہوئے تھے، اوران کے پیچھے مہمانوں کی گاڑیاں پھر والنٹیر کے دستے جو پرشکوہ نظارہ پیش کرر ہے تھے۔" راجکوٹ میمن بورڈنگ ہاوس کے نزدیک کھلے میدان میں لگائے گئے شامیانوں میں راجکوٹ کے راجہ درمیندر سنجی نے میمنوں کے اس تاریخ ساز کانفرنس کا افتتاح کیا۔ جس کی صدارت سر آدمجی حاجی داود نے کی اور جنرل سیکریٹری کے فرائض جناب عبدالغنی دادا بھائی جتانی نے انجام دیا۔ اس کانفرنس کے استقبالیہ صدر کے طور پر جناب حسین قاسم دادا نے بھر پور مالی تعاون فرمایا تھا۔ اس کانفرنس کی انتظامی امور کی تیاری اور پروگرام کے مکمل انتظامات کو بھرپور انداز میں مرتب کرنے میں دن رات ایک کرنے والی شخصیت، جیسے کانفرنس کے اختتام پر کانفرنس کے شرکاء نے ''ام الکانفرنس'' کا خطاب دیا وہ تھے جناب عبدالغنی دادا بھائی میگھانی جو اس کے بعد کی چار کانفرنسوں تک جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے پر فائز رہے اور میمن قوم کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی۔ اس کے ساتھ ہی جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ کی بصیرت اور اس کانفرنس کی کامیابی میں ان کی دور اندیش اقدامات نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ [۳۴]

منشور میمن:۔

راجکوٹ میں پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس کے پہلے اجلاس سے سر آدمجی حاجی داود نے تاریخی خطاب کیا جس میں انہوں نے میمن قوم کو نہ صرف تجارتی، معاشی و معاشرتی ضابطہ اصول فراہم کیے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تعمیر و ترقی کے لئے دعوت فکر فراہم کی، آپ کا یہ شہرہ آفاق خطبہ میمن قوم کی تاریخ میں ''منشور میمن'' سے مشہور ہوا جس کا مکمل بیان تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے اہم نکات کچھ یوں تھے۔

- ☆ منتظمین کانفرنس اور خصوصاً راجکوٹ ینگ مینس میمن ایسوی ایشن کو اس کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد۔
- ☆ میمن برادری کی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت و اہمیت۔
- ☆ اُس وقت تک میمن حوصلہ مند تاجروں کا ذکر۔
- ☆ کانفرنس سے آنے والے وقتوں میں متوقع فوائد۔
- ☆ برادری میں تعلیم و تربیت کی اہمیت اور اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت۔
- ☆ برادری میں تجارت کی اہمیت۔
- ☆ تجارت میں نظم و ضبط کی ضرورت۔
- ☆ صنعت و حرفت کے لئے تعلیم کا حصول۔
- ☆ کاروباری سلامتی کے لئے مرکزی اداروں کی ضرورت۔
- ☆ مالک اور ملازم کے درمیان کے تعلقات۔
- ☆ لمیٹڈ کمپنیوں کے قیام کی ضرورت۔
- ☆ بیمہ کمپنی کے قیام کی ضرورت۔
- ☆ بینک کے قیام کی ضرورت۔

☆ کاروباری مشاورت کی ضرورت واہمیت۔

☆ برادری سے بے روزگاری کے سدباب کے لیے اقدامات۔

☆ قومی آئین کی ضرورت۔

☆ برادری میں بدرسومات کی دلدل سے نکالنے کی ضرورت۔

☆ ختنہ، شادی اوراموات پر بے جا اخراجات ورسم ورواج کے خاتمے کے اقدامات کی ضرورت۔

☆ دیگر دوسری معاشرتی خرابیوں کے سدباب کے لیئے اقدامات کرنا۔

☆ برادری میں بے جوڑ شادیاں، نکاح ثانی، اندھی عقیدتیں، اور رہن سہن میں بے جا اسراف جیسی بڑائیوں کے نقصانات کو میمن قوم میں اُجاگر کرنا۔

☆ زکواۃ وخیرات کی صحیح مصرف کی ضرورت واہمیت۔

☆ ورثہ کی تقسیم کا طریقہ کار کا تعین کرنا۔

☆ برادری میں نشر واشاعت کو فروغ دینا۔

☆ خواتین کی تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت کو میمن قوم میں اجاگر کرنا۔ [۴۳]

ان مندرجہ بالا نکات کو دیکھتے ہوئے ہمیں اُس وقت ہندوستان میں بسنے والی میمن قوم کی معاشی ومعاشرتی تصویر کی عکاسی نظر آتی ہے اور جس پر اُسوقت کے بزرگوں کی دوراندیشی کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ تاریخی کانفرنس (4) چار روز تک جاری رہی، جس میں میمن قوم کے مختلف برادریوں کے لیڈروں نے خطاب کیا اور بہت سی تجاویز اور مشورے دیئے۔ خصوصاً بیرسٹر عبدالستار رولی کی طرف سے پیش کردہ قرارداد جس میں انھوں نے تمام میمن جماعتوں میں الیکشن کے ذریعے عہدیداران ومینجنگ بورڈ کا انتخاب کروانے کی تجویز پر کافی بحث ومباحثہ ہو۔ جس کے جواب میں کانفرنس کے صدر سر آدمجی حاجی داود نے یہ کہہ کر کہ ''ہماری برادری میں تعلیم کے فروغ کی ضرورت ہے لہذا اس وقت یہ فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہوگا'' جس پر بیرسٹر عبدالستار رولی نے اپنی قرارداد واپس لے لی۔ [۴۴]

میمن بلیٹن کا اجراء:۔

راجکوٹ کانفرنس نے میمن قوم کو ناصرف اجتماعی مرکزیت کے احساس کو اجاگر کیا بلکہ اس میں علاقائی جماعتوں کے قیام کی اہمیت اور ضرورت پر بھی توجہ مرکوز کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ دو اہم ترین کام سرانجام ہوئے۔ ان میں سب سے پہلے میمن بلیٹن ہفتہ روزہ کا اجراء ہوا، جسے بعد میں میمن قوم کے ترجمان کی حیثیت پورے کاٹھیاوار میں اختیار کر گیا۔ جو ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی کے پرجامنڈل تحریک میں مسلم لیگ کے نظریات اور مقاصد کے حصول میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور تقسیم ہند تک کاٹھیاواڑ کے میمنوں کے ہر چھوٹے بڑے پروگراموں تحریکوں کا ترجمان رہا، اور کاٹھیاواڑ کے میمنوں کو مسلم لیگی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ میمن بلیٹن کی ان شاندار کوششوں کے پیچھے ''عثمان طیب شبنم'' اور ''نور محمد جمال نور'' کا بھرپور کردار رہا۔ [۴۵]

میمن ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام :۔

راجکوٹ کانفرنس سے میمن قوم کو جو دوسرا سب سے بڑا فائدہ پہنچا وہ تعلیم کو عام کرنے کے لئے ۱۹۴۳ء میں کلکتہ میں سر آدمجی حاجی داؤد اور اُن کے رفقاء کی کوششوں سے میمن ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ [۴۶] جس سے میمن قوم میں حصول علم اور تعلیمی میدان میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی جس کا تفصیلی ذکر میمن قوم تاریخ کے آئینے میں (جلد پنجم) ''میمن قوم کی سماجی خدمات'' میں کیا گیا ہے۔

سندھ میں ''تحریک آزادی'' کے لیئے اُٹھنے والی تحریکیں۔

سندھ کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ وہ برصغیر میں چلنے والی ہر آزادی کی تحریکوں میں یہاں کے مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک ہو، یا ریشمی رومال تحریک، یا تحریک خلافت اور تحریک پاکستان ہو سندھ کے مسلمانوں نے اُن سب میں اپنا بھر پور کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں سندھ میں آباد میمن قوم کے آباؤ اجداد نے بھی ان تحریکوں میں پیش پیش رہے ہیں۔ گوکہ جنگ آزادی کی ابتداء شمالی ہندوستان کے شہر میرٹھ سے ہوئی تھی، جبکہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی یہ جنگ کی ابتداء ۱۸۵۷ء سے پندرہ سال قبل ۱۸۴۲ء میں نگر ٹھٹھہ کے قریب گجو شہر میں انگریز فوجی کمانڈر چارلیس نیپر کے فوجی دستوں پر میمن اور جوکھیا بلوچوں نے چھاپہ مار کر شروع کی تھی۔ اس طرح سندھ کے مجاہدین آزادی نے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کا آغاز بہت پہلے کر چکے تھے اور یہ واقعہ جو سندھ کے جیالے سپوتوں کی تحریک آزادی ہند کا نکتہ آغاز تھا۔ [۴۷]

ریشمی رومال تحریک میں مدرسہ مظہر العلوم کا کردار۔

برصغیر کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیئے ۱۹۱۱ء میں جمیعت الانصار' نامی ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے ذریعہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ۱۹۱۴ء میں ایک خفیہ تحریک کی ابتداء کی اور تاریخ کے اوراقوں میں اسے تحریک ریشمی رومال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس تحریک کے احکامات زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کئے جاتے تھے جس کا مقصد انگریز سپاہیوں کی نگاہوں سے بچا کر تحریک کا پیغام کارکنوں تک پہنچانا ہوتا تھا، سندھ میں اس تحریک کا مرکز ''مدرسہ مظہر العلوم'' کھڈہ (لیاری) ہوا کرتا تھا۔ جس وقت ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کی رہنمائی میں سندھ اور بلوچستان میں انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی شروع ہوئی تھی تو اُس وقت کراچی اور لسبیلہ کے محاذ پر اس تحریک کی قیادت مولانا محمد صادق کھڈے والا کے پاس تھی۔ جو میمن قوم کے جانباز فرزند تھے، ان کا تعلق سندھی میمن برادری سے تھا، جب کہ اُس وقت بین الاقوامی منظر نامہ پر پہلی جنگ عظیم جاری تھی۔ کراچی سے انگریزوں کی سپلائی لائن توڑنے کے لئے اس مرد مجاہد نے لسبیلہ کے مینگل قبائل کو مسلح جدو جہد کرنے کا مشورہ دیا جس کی وجہ سے انگریزوں کی سپلائی لائن بُری طرح متاثر ہوئی اور عراق میں ترک افواج کے ہاتھوں انگریزوں کو شکست کی دوسری وجوہات کے ساتھ اُس میں ایک وجہ یہ بھی رہی تھی۔ اور انگریز کمانڈر پٹیر تاؤ سینڈ کو ہزاروں فوجیوں

سمیت گرفتار ہوا۔ مولانا محمد صادق کو انگریز حکومت نے ۸، مئی ۱۹۱۶ء کو گرفتار کرلیا اور انہیں اس جرم کی پاداش میں تین سال کی سزا دی گئی اس تحریک میں مولانا محمد صادق کے ساتھ جس دوسری اہم میمن شخصیت نے کلیدی کردار ادا کیا تھا وہ تھے حاجی عبداللہ ہارون جنہوں نے اس تحریک میں بھرپور مالی تعاون فرمایا تھا۔ [۴۸]

سندھ میں اُٹھنے والی آزادی کی تحریکوں میں مولانا محمد صادق کا کردار۔

مولانا محمد صادق سندھ میں اُٹھنے والی تمام آزادی کی تحریکوں میں بھرپور طور پر حصہ لیا، اور اپنی پوری زندگی انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ میں مصروف عمل رہے۔ آپ ۵، مارچ ۱۸۷۴ء کو کراچی کے سندھی میمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبداللہ میمن سے حاصل کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے مشورہ پر آپ کے والد صاحب نے آپ کو ۱۰، مئی ۱۸۹۴ء میں مزید دینی تعلیم کے حصول کے لیئے دیوبند روانہ کیا۔ اور وہاں سے دو سال میں سند حاصل کرنے کے بعد کراچی واپس آکر آپ نے مدرسہ مظہر العلوم میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ کو انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی حکومت اور عظمت کے چھن جانے کا ہمیشہ غم رہتا تھا۔ آپ پورے برصغیر کو انگریزوں کے چنگل سے نجات دلانے کے خواہ تھے۔ آپ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیئے عملی جدجہد کا آغاز اس وقت کیا جب آپ کو اور مولانا عبیداللہ سندھی کو شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن نے کراچی سے دیوبند طلب فرمایا اور برصغیر میں تحریک آزادی کے لیئے کام کرنے کے لیئے اپنا ہم خیال بنایا۔ چنانچہ جمعیت الانصار کے نام سے انگریزوں کے خلاف تحریک شروع کی گئی۔

آپ نے ۱۹۱۴ء لسبیلہ میں مینگل قبائل کو انگریزوں کے خلاف کام کرنے کے لیئے تیار کیا۔ جس کے نتیجے میں انگریزوں کی ۳۰ ہزار فوج کے لیئے بھیجی جانے والی کمک جو کراچی کی بندرگاہ سے عراق کے محاذ پر نہ پہنچ سکی جس کی وجہ سے نہ صرف انگریز فوج کو پسپا ہونا پڑا بلکہ اُن کے تیرہ ہزار فوجی بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس طرح مولانا کی کوششوں کی وجہ سے انگریزوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ بعد میں راز فاش ہو جانے کی وجہ سے آپ کو ۸، مئی ۱۹۱۶ کو گرفتار کر کے تین سال کی سزا کے تحت کار او ژ جیل میں بھیج دیا۔

جمعیت علماء ہند کا قیام ۲۸، دسمبر ۱۹۱۹ء کو عمل میں آیا۔ آپ اس کے مجلس عاملہ کے بانی اراکین میں سے تھے، اور آپ کو سندھ میں جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے اس کی ہر تحریک میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ جس کی مثال آپ کے ریشمی رومال اور خلافت تحریک میں اہم کردار سے لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا محمد صادق کی مذہبی خدمات کی وجہ سے آپ کی شہرت بہت جلد برصغیر سے نکل کر دور دراز ممالک تک پھیل گئی۔ جس بات کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب ابن سعود والئی نجد نے حجاز مقدس پر حملہ کر کے مدینہ منورہ کو محصور کرلیا۔ اُس وقت اہالیان مدینہ کی جانب سے مولانا محمد صادق کو امداد کے لیئے تار موصول ہوا، آپ نے اس سلسلے میں اہالیان مدینہ کو ہر ممکن امداد مہیا فراہم کی۔

سندھ میں ہندؤں کی طرف سے شدھی تحریک کے مقابلے کے لیئے آپ نے " انجمن نومسلمانان سندھ " کی بنیاد ڈالی، اور اس کے تحت ہزاروں ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ گو کہ کئی نو مسلموں کے ہندو سرپرستوں نے آپ پر مقدمات بھی قائم کئے مگر آپ ہر مقدمے سے بری ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء سے قبل سندھ میں لواری (بدین) میں ذکری فرقے کی جانب سے مصنوعی حج منعقد کی جاتی تھی۔ آپ نے

اس سلسلے میں سب سے پہلے اس کے خلاف تحریک شروع کی۔ جس کے بعد پورے سندھ میں اس مصنوعی حج کے خلاف نہ صرف مظاہرے شروع کروائے، بلکہ مصنوعی حج کے موقع پر تمام سندھ سے مسلمانوں کے جتھے اسٹیشن کے لیئے بدین پہنچ گئے۔ انگریز حکومت کی مزاحمت کے باوجود ایسا زبردست ہنگامہ ہوا کہ بالاخر حکومت کو اس جعلی حج پر پابندی عائد کرنا پڑی۔

مولانا محمد صادق کا تعلق دیوبند مکتبہ فکر سے تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں کراچی میں مختلف مکاتیب فکر کے جن (۳۱) اکتیس علماء نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیئے (۲۲) بائیس نکات طے کئے تھے، ان میں مولانا محمد صادق بھی شامل تھے۔ آپ کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ سندھ میں اسلام کی عملی اور حقیقی سرفروشوں میں سندھی میمن برادری کے اس عظیم سپوت کا نام تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ کا انتقال ۱۸، جون ۱۹۵۳ء کراچی میں ہوا۔ [۳۹]

تحریک خلافت کی اہمیت اور اُس کا پس منظر۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں تحریک خلافت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی کتاب "The Struggle for Pakistan" "جدوجہد پاکستان" میں لکھتے ہیں۔ اگر چہ تحریک خلافت نے بظاہر کوئی کامیابی حاصل نہیں کی تاہم یہ تحریک مسلم عوام کے اندر اجتماعی بیداری پیدا کرنے کا ایک گراں قدر ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس نے مسلمانوں کو ایک وسیع الاحساس قیادت مہیا کی اور انہیں عوامی تحریک منظم کرنے کا ڈھنگ سکھایا۔ جو پاکستان کی جدوجہد میں بڑا اثاثہ ثابت ہوئیں۔ [۴۰] ہندوستان میں چلنے والی خلافت تحریک کے ذکر سے پہلے خلافت کا سلسلہ کس طرح ترکان عثمان تک پہنچا اس کی تاریخی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا پس منظر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہمیں خلافت تحریک کی مذہبی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

ظہور اسلام اور حضور پاک ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدہ کے دور کے بعد یہ سلسلہ بنوامیہ کو منتقل ہوا۔ جنہوں نے شام کے شہر دمشق کو اپنا مرکز بنایا۔ بعد میں بنوامیہ کے زوال کے بعد یہ سلسلہ بنوعباس کے یہاں منتقل ہوا، اور انہوں نے بغداد کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے بعد مصر کے مملوک حکمران بابیبرس جس نے معرکہ ''عین جالوت'' میں تاتاریوں کو شکست فاش دے کر مسلمانوں کے اس تاثر کو کہ ''تاتاری ناقابل شکست ہیں'' ختم کیا۔ جس کی وجہ سے اُمت مسلمہ میں اس کی عزت وتار میں اضافہ ہوا۔ بابیبرس نے بغداد کی تباہی کے بعد مصر میں مملوک کی مملکت کو اسلامی دنیا میں ایک اہم مقام دلانے کے لیئے بغداد سے زندہ بچ جانے والے عباسی شہزادوں کو مصر میں لاکر مسند خلافت کے عہدے پر فائز کر دیا تاکہ اُس سے ان کی مملکت کو مسلمانوں میں ایک خاص مقام حاصل ہو سکے۔ جس کے بعد ۱۵۱۷ء میں ترکان عثمان کے حکمران سلیم یلدرم نے معرکہ "محرج دابق" میں مملوک کی افواج کو شکست دیکر مصر کو دولت عثمانیہ میں شامل کرلیا اس طرح خلافت کا منصب جو مملوک مصر کے پاس تھا اُن سے منتقل ہو کر ترکان عثمان کے پاس آگیا۔ اور مسلمانوں کا خلافت کا سلسلہ پہلی جنگ عظیم تک ترکان عثمان کے پاس رہا۔ [۴۱]

برصغیر کے مسلمان کیونکہ خلافت عثمانیہ کو خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ، خلافت بنوعباس اور مملوک مصر کے حکمرانوں کے بعد اسلام کی مرکزی قوت سمجھتے تھے اور کوئی اُس کو نقصان پہنچائے وہ ان کو گوارہ نہ تھا، کیونکہ اس سے اُن کی روحانی وابستگی اور عقیدت تھی۔ اس لئے خلافت کو بچانے کے لئے تحریک خلافت میں مذہبی عقیدت کے جذبے کا عنصر ہمیں نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔

اُس وقت کے بین الاقوامی منظر نامہ پر انگریزوں کے ہندوستان پر قبضے کے بعد اسلامی ممالک پر ان کے تسلط کا راستہ ہی کھل گیا تھا۔اور دنیا میں کئی اسلامی ممالک یکے بعد دیگرے انگریزی طاقتوں کے جال میں پھنستے چلے جا رہے تھے۔اور بالاخر سامراجی قوتوں کی نوآبادیاں بن کر رہ گئے تھے۔اس وقت صرف ترکی ہی واحد اسلامی ملک تھا جو ایک آزاد اور خود مختار حیثیت سے قائم و دائم تھا۔ایسے حالات میں مسلمانان برصغیر کا ترکی کی خلافت عثمانیہ کو اسلامی نشاۃ ثانیہ کی نشانی سمجھانا ایک فطری عمل تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حکومت ترکی نے مسلمانان برصغیر کی بھرپور حمایت کی تھی۔مسلمانان برصغیر حکومت ترکی کے اس احسان پر ہمیشہ اُن کے شکرگزار رہے اور اپنی بساط سے بڑھ کر خلافت ترکی کے دشمنوں سے نبرد آزما رہے۔ ۱۸۷۷ء میں جب روس نے ترکی پر حملے کیا تو برصغیر کے مسلمانوں نے اس جارحیت پر سخت رویہ اختیار کیا اور اپنے رضاکاروں کی ایک جماعت ترکوں کے شانہ بشانہ روسیوں سے لڑنے کے لیئے ترکی بھیجی تھی۔[۴۲]

پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ ۔ ۱۹۱۹ء میں ترکی نے انگریزوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا اور جنگ میں جرمنی کی شکست اور جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے ترکوں کو ایک انتہائی ذلت آمیز معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا،چونکہ ہندوستانی مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ اس معاہدے کا مقصد عالمی بساط سیاست سے مسلمانوں کے اثرات کو ختم کرنا تھا۔اگرچہ دوران جنگ انگریزوں نے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد خلافت ترکی پر دست درازی نہیں کی جائے گی۔لیکن جنگ کے بعد انگریزوں نے ترکوں پر ہر طرح کے مظالم رواں رکھے۔اور اس کے ساتھ خلیفہ کو بھی قید کر لیا اور عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتحادیوں میں تقسیم کر دیئے،حتٰی کہ خاص ترکی کے بہت سے علاقے بھی غیر مسلم ممالک کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ان حالات میں مسلمانان پاک و ہند میں بے چینی کی لہر دوڑنا ایک فطری عمل تھا۔چنانچہ خلافت ترکی کو خطرے میں دیکھ کر پورے برصغیر میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا جو تاریخ میں تحریک خلافت سے موسوم ہے۔ اس تحریک کو شروع کرنے کے بنیادی مقاصد کچھ اس طرح سے تھیں کہ۔

۱۔ خلافت عثمانیہ کو قائم رکھا جائے۔

۲۔ ترکی کی علاقائی سلامتی اور اقتدار اعلیٰ کا تحفظ کیا جائے۔

۳۔ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ترکوں کی حفاظت میں رہیں اور عرب دنیا سے انگریزوں کا تسلط ختم کیا جائے۔ [۴۳]

خلافت کمیٹی کا قیام:

خلافت عثمانیہ کی بقاء کے لیے سب سے پہلے بمبئی کے مسلمانوں نے ۵، جولائی ۱۹۱۹ء کو "بمبئی خلافت کمیٹی" قائم کی اور اس اجلاس میں میاں محمد چھوٹانی (جن کا تعلق بمبئی میں کتیانہ میمن برادری سے تھا) کے قیادت میں چھوٹانی منزل بمبئی میں بلایا گیا۔اس اجلاس میں دیگر رہنماوں کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر بھی شامل تھے۔جس کے کچھ عرصے بعد اس کمیٹی کو وسیع بنیادوں پر ایک ملک گیر تنظیم کی صورت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔۱۸، ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ کو منظم کرنے اور متفقہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے "آل انڈیا تحریک خلافت" کی بنیاد رکھی گئی۔اس وقت علی برادران جیل میں تھے۔چنانچہ سیٹھ جان محمد چھوٹانی کو صدر اور حاجی محمد صدیق کھتری کو سیکریٹری منتخب کیا گیا۔مولانا شوکت علی کی جیل سے رہائی کے بعد سیکریٹری کے عہدے پر فائز کیا گیا۔حاجی میاں محمد چھوٹانی ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۳ء تک خلافت کمیٹی

کے صدر رہے۔ اس دوران آپ نے اپنا زیادہ تر وقت خلافت کے کاموں پر صرف کرتے رہے۔ ہر چند کہ اُس وقت برٹش گورنمنٹ نے آپ کو اس کام سے روکنے کے لیئے کئی رکاوٹیں ڈالیں۔ لیکن آپ اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ [۴۴]

یہاں پر ہم میاں محمد چھوٹانی کی شخصیت کی اہمیت کا اندازہ اس مذکورہ خط سے لگا سکتے ہیں جو اُن کو مصطفیٰ کمال اتاترک نے تحریک خلافت کے دوران لکھا تھا۔ اُس خط کے متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

سینٹرل خلافت کمیٹی آف انڈیا کے معزز صدر اور میرے شفیق دوست،

سیٹھ چھوٹانی صاحب!

آپ نے ترکی کی فتح کی خوشی مناتے ہوئے پچھلے ستمبر میں جو تقریر کی تھی وہ ابھی ابھی میری نظر سے گزری (بروز جمعہ ۷ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ناصر الاسلام میاں محمد چھوٹانی نے بمبئی کی جامعہ مسجد میں جشن سمرنا کی تقریب میں نہایت شاندار تقریر کی تھی اس تقریر کی طرف مصطفیٰ کمال کا اشارہ ہے) ہماری فوج کی یہ فتح یادگار اور باعث فخر ہے کسی بھی جواز اور وجہ کے بغیر یونانی فوجیوں نے ہمارے ملک کے قیمتی حصے پر قبضہ کرلیا تھا، اور اناطولیہ پر حملہ کرکے ہماری آزادی چھین لی تھی۔ ہماری یہ عظیم فتح کے باعث جو عظیم نتائج رونماں ہوں گے ان کے اثرات نہ صرف ترکی پر بلکہ دوسروں پر بھی قائم ہوں گے۔ اور جو جابر دوسروں کی زندگی اور آزادی پر ضرب مارنا چاہتے ہیں، ان کا سامنا کرنے کے لیئے تقویت پہنچائیں گے۔ آزادی اور حقوق کی خاطر جو جنگ لڑی جاتی ہے اس جنگ کو دنیا کی کوئی بھی طاقت ختم نہیں کرسکتی، آپ جیسے اور آپ کے دوستوں جیسے مضبوط دل رکھنے والے اور محنت سے کام کرنے والے لوگوں کی زیر صدارت ہندوستان کی جانب سے، جو پرخلوص تحریک چلائی جارہی ہے اس کو مکمل فتح ضرور ملے گی ہم اس کے لیئے خدا سے دعا گو ہیں۔

ہماری جنگ وجدل میں ہندوستان کا اہم حصہ ہے۔ خاص کر دولت کے بارے میں اور مصیبت رفع کرنے کے لیئے جو عطیات اور جو امداد آپ کی کوششوں کے باعث میسر ہوئی اس نے بھی ہمیں جنگ میں فتح دلائی ہے۔

آپ کے اخلاقی تعاون کا اثر صلح کرانے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا اور یہ تعاون مستقبل میں بھی جاری رکھا جائے گا۔ اس کا ہمیں یقین ہے اور اس کی بدولت ہم اپنے قومی اور ملی نصب العین کو حاصل کرسکیں گے، خاص طور پر یونانیوں کے قبضے میں جو لاکھوں میل کا بہت بڑا حصہ تھا اس پر ہماری بہادر افواج نے دوبارہ فتح حاصل کرلی ہے۔ وہاں کے کروڑوں مسلمان بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کھانے کے لیئے نہ کچھ اناج ہے اور نہ ہی پہننے کے لیئے کپڑے۔ سردی کا سخت موسم آرہا ہے۔ ان کے پاس رہنے کو مکان تک نہیں۔ یونانی افواج کے بھیڑیوں کے مظالم کے باعث مسلمان خستہ حال ہوگئے ہیں۔ جس کا تذکرہ میں کرچکا ہوں، وہ مسلمان اپنے ہندی مسلمان بھائیوں کی جانب سے امداد کے محتاج ہیں اور یہ اُمید رکھتے ہیں کہ ہماری اس نازک تر حالات میں ہندی بھائی ہماری مدد کریں گے۔

مسلمان بھائیوں کو احترامات فائقہ کے ساتھ سلام۔

میں سب ہندی باشندوں کو اپنے اس پرخلوص جذبات کا پیغام پہنچانے کے لیئے آپ سے درخواست کرتا ہوں۔

ہندی بھائی ترک عوام کی بھلائی کے لیئے جن جذبات کا اظہار آج تک کرتے آئے ہیں اور ہماری طرف سے پریم بھرے جذبات کا ثبوت دے چکے ہیں، ان کے ہمارے دلوں پر عمیق ترین اثرات پیدا ہوئے ہیں۔

والسلام

(دستخط) مصطفیٰ کمال

ترکی مجلس عالیہ ملیہ

حاجی میاں محمد چھوٹانی کے نام مصطفیٰ کمال اتاترک کا تاریخی خط کا عکس۔ [۴۵]

تحریک عدم تعاون (تحریک موالات) یا ''کھدر تحریک'' گاندھی جی کی خلافت تحریک میں شمولیت۔

دسمبر ۱۹۲۰ء ناگ پور میں کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں متفقہ طور پر ''تحریک عدم تعاون'' اور ''کھدر تحریک''(Non-Cooperation Movement) کا فیصلہ کیا گیا۔جس کے بعد گاندھی جی بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ [۴۶] جس سے حکومت کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کا متحدہ محاذ قائم ہوا۔جس کی وجہ سے اس تحریک میں ہندوستان کی ہندو اور مسلم دونوں قوموں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اور کھدر کے کپڑے کے حوالے سے اس تحریک میں میمن قوم کا بھرپور کردار رہا۔''کھدر تحریک'' کے سلسلے میں گاندھی جی نے بمبئی میں کپڑے کے بڑے بیوپاری عمر سوبانی بھائی (جن کا تعلق کچھی میمن برادری سے تھا) کی اس تحریک میں بھرپور کردار کا ذکر

اپنی سوانح عمری میں بھی کیا ہے۔

''اگر مجھے ایک سو سوبانی مل جائیں تو فنڈ کے لیئے مجھے بمبئی سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی''

تحریک عدم تعاون کا آغاز برطانیہ سے آنے والی تمام اشیاء کے بائیکاٹ سے کیا گیا۔ اس سلسلے میں بمبئی میں یکم، اگست ۱۹۲۱ء میں بڑے جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں برطانیہ سے درآمد شدہ کپڑے اور دیگر اشیاء کو ایک بڑے میدان میں جلایا گیا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیئے ایک فنڈ قائم کیا گیا تھا، جس کے ذریعے اُن تاجروں سے جو کسی مجبوری کی وجہ سے اپنا سامان جلانے کی پوزیشن نہ تھے اُن سے وہ سامان خرید کر جلادیا جاتا تھا۔ اس فنڈ کے سیکریٹری جناب عمر سوبانی کو مقرر کیا گیا۔ انہوں نے بہت کم وقت میں اس فنڈ کے لیئے ایک کڑور روپے کا چندہ جمع کرلیا، اس میں (۲۷) ستائیس لاکھ روپے تو صرف بمبئی سے جمع کیئے گئے تھے۔ اس فنڈ کے لیئے عمر سوبانی نے اپنی طرف سے گاندھی جی کو ایک کورا چیک اپنے دستخط کے ساتھ پیش کیا کہ گاندھی جی اپنی مرضی سے اُس میں رقم بھر دیں۔ گاندھی جی نے اُس چیک پر ''ایک لاکھ روپے'' کی رقم بھری۔ جس پر آپ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ

''گاندھی جی آپ نے مجھے بہت ہی سستے میں چھوڑ دیا ہے''

جس پر گاندھی جی نے مسکرا کر جواب دیا کہ

''یہ رقم بھی کافی ہے'' [۴۷]

گو کہ تحریک خلافت تحریک عدم تعاون اور کھدر تحریک کا مقصد انگریزوں کے خلاف حتجاج مقصود تھا۔ لہذا اس تحریک میں ہندوستان کی تمام قومیں ملی یکجہتی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اس سلسلے میں خلافت تحریک کی سینٹرل کمیٹی کے صدر جناب میاں محمد چھوٹانی نے ۵۰،۰۰۰ ہزار روپے

عطیہ کے طور پر اس تحریک کے لیئے گاندھی جی کو فراہم کیے۔ جن سے کھدر تیار کیجاتی تھی۔ اس طرح عمر سوبانی بھائی اور میاں محمد چھوٹانی کا اس تحریک میں بھر پور کردار پوری میمن قوم کو اس تحریک میں عملی طور پر شامل کرلیا۔ اور میمن قوم کے افراد اور ان کے ساتھ دیگر مسلم برادریوں نے بھی ولایتی کپڑے کو چھوڑ کر کھدر کو اپنانے لگے۔ اس طرح ''کھدر تحریک'' گجرات اور خاص کر کاٹھیاواڑ کے وسیع حلقوں میں مقبول ہوئی اور وہاں پر ہر گھر میں عورتیں ''چرخے Spining Wheel'' پر کھدر کی تیاری میں مصروف نظر آنے لگی۔ جس کے اثرات بمبئی، کلکتہ، کراچی اور ہندوستان بھر میں نمایاں طور پر نظر آنے لگے۔ سمندر پار میمن برادری کے لوگوں نے بھی اس تحریک میں پر جوش حصہ لینے لگے۔ بمبئی سے شائع ہونے والے رسالے ''میمن میترا'' کے مطابق شادی جیسی تقریبات میں بھی میمن برادری کے لوگوں نے کھدر کے کپڑے پہننے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کے مثال ۲۳، اکتوبر ۱۹۲۱ء کے دن بمبئی میں جناب ابراہیم عبدالغنی میمن کی شادی جو بمبئی کے ناخدا محلہ میں ہوئی وہاں پر شادی میں آنے والے تمام حاضرین کھدر پوش تھے۔

اس سلسلے میں بمبئی ہی میں ایک اور اہم واقعہ دسمبر ۱۹۲۲ء کو جمعہ کے دن کھدر کے پرچار اور ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کرنے کے لیئے ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا تھا۔ اس جلوس نے شہر میں اور خصوصاً میمن آبادی والے علاقوں میں گشت کیا جس میں چونا بھٹی، کولہ محلہ، کچھی محلہ اور بھاونگری محلہ شامل تھے اور وہاں پر لوگوں کو ولایتی سامان کا بائیکاٹ اور کھدر پہننے کی طرف راغب کرنے کے لیئے بھر پور مہم چلائی گئی۔ اسی طرح دھوراجی شہر میں کھدر تحریک اور تحریک خلافت کی حمایت میں متواتر جلسے جلوس کا سلسلہ جاری رہا۔ بمبئی کی طرح وہاں پر بھی شادی بیاہ میں ولایتی کپڑوں کی جگہ پر کھدر کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس کی مثال ۲۱ ستمبر ۱۹۲۲ء کو وہاں پر جناب عبدالستار حاجی نوی والا (قیصر ہند) کی شادی میں دولہا، دولہن اور تمام حاضرین نے اس تقریب میں کھدر کے کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح سر آدمجی حاجی داود کے فرزند ذکریا آدمجی کی شادی میں بھی جو جیت پور میں ہوئی تھی وہاں پر بھی دولہا دلہن سمیت تمام حاضرین نے کھدر کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ غرض پورے کاٹھیاواڑ میں کھدر پہننے کا ایک رجحان سا بن گیا تھا۔ [۴۸]

عمر حاجی یوسف سوبانی کی خدمات۔

بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس سالوں میں میمن قوم نے ہندوستان کی سیاسی اُفق پر کئی بڑے پایہ کے سیاسی رہنما پیدا کیے جن میں سندھ سے سر حاجی عبداللہ ہارون، مدراس سے سیٹھ یعقوب حسن، سیٹھ عبدالستار الحق کاٹھیاواڑ سے عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ، کلکتہ سے احمد ذکریا، بمبئی میں چھوٹانی فیملی اور سوبانی فیملی قابل ذکر ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح عمر سوبانی کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عمر سوبانی قائداعظم کے خاص مداحوں میں سے تھے۔ یہاں تک کہ قائد اپنے نجی معاملات میں ذاتی طور پر ان سے صلاح ومشورہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں مارننگ نیوز کراچی ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں مشہور ریسرچ اسکالر رضوان احمد نے اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں۔

''رتن بائی کے ساتھ جب قائداعظم کا نکاح ہوا، تو قائداعظم کی جانب سے نکاح نامے پر عمر سوبانی نے دستخط کئے تھے۔''

ان کے متعلق اردو زبان کے معروف ادیب ڈاکٹر ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب ''عظمت رفتہ'' میں لکھتے ہیں۔

''۱۹۱۵ء میں بمبئی میں مظہر الحق بی اے کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اسے حکومت کے پٹھوؤں نے ہڑبونگ مچا کرنا کام بنا دیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد نہ پڑنے پائے۔ بعد میں وہ جلسہ بمبئی کی تاج محل ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا، اس نازک موقع پر عمر سوبانی نے محمد علی جناح کو ناقابل فراموش امداد بہم پہنچائی جس کے لیئے مسٹر جناح ہمیشہ ان کے شکر گزار رہے۔'' [۴۹]

۱۹۱۸ء میں محمد علی جناح بمبئی میں ایک کامیاب بیرسٹر اور ایک سچے محب وطن رہنما کے طور پر اپنا تشخص قائم کر چکے تھے۔ اُن دنوں بمبئی کے مسلم تاجر وہاں کے گورنر وائسرائے لارڈ ولنگٹن (Lord Wilington) کو ایک الوداعی استقبالیہ دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ جب یہ بات محمد علی جناح کے علم میں آئی تو آپ نے اس وقت کے سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو مناسب نہ سمجھا۔ اور بمبئی کے مسلم تاجروں کو اس پروگرام کو منسوخ کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اُس وقت ترکوں اور انگریزوں کے درمیان یورپ کے محاذ پر کشیدگی چل رہی تھی۔ دوسرا ہندوستان میں بھی انگریزوں کے خلاف شدید غم غصہ کے جذبات پائے جاتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اُن ہی دِنوں خلافت تحریک اور تحریک عدم تعاون شروع ہوئی۔ ان تمام حالات میں اس قسم کا بمبئی کے گورنر کو استقبالیہ دینا کسی صورت میں مناسب نہیں تھا۔

آپ کے اس فیصلہ کی وجہ سے بمبئی کے تاجروں نے وہ استقبالیہ کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ بمبئی کے تاجروں کو کچھ عرصے میں ہی آپ کے مشورہ کی اہمیت اور آپ کی دوراندیشی کا اندازہ ہو گیا۔ کیونکہ اُن کے اس فیصلہ کا بمبئی کی تاجر برادری پر خوشگوار اثرات رونما ہوئے۔ آپ کی دور اندیشی کی قدر کرنے اور اس سلسلے میں ایک یادگار بنانے کے سلسلے میں بمبئی کے تاجروں نے عمر سوبانی جو اُن دنوں بمبئی کی تاجر برادری کی قیادت کرتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ''ایک روپیہ'' اسکیم کا فنڈ شروع کیا اور اس سے ایک لاکھ روپے جمع کر کے جناح صاحب کی عزت افزائی کے لیئے ایک ہال تعمیر کروایا۔ یہ ہال جس کو ''پیپلز جناح ہال'' کا نام دیا گیا۔ آج بھی کانگریس ہاوس بمبئی کے احاطے میں قائم ہے۔ [۵۰]

عمر سوبانی بھائی کا تحریک آزادی ہند میں کلیدی کردار رہا۔ خاص کر گجرات میں عدم تعاون کی تحریک کو کامیاب کروانے میں آپ کی خدمات نمایاں رہی تھیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۲۰ء میں آپ نے گاندھی جی کو اپنی مل کے تیار کردہ ہزاروں ''چرخے'' فراہم کیے، تاکہ ہندوستان میں ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کر کے گھروں میں تیار کردہ کھدر کے کپڑے کو استعمال کیا جائے۔ اس طرح ''لوکمانیہ تلک سوراج فنڈ'' (آزادی ہند فنڈ) کا آغاز کیا گیا تھا۔ جس میں عمر سوبانی بھائی نے گاندھی جی کو بلینک چیک دیا تھا کہ وہ اس میں رقم بھر لیں۔ جس پر گاندھی جی نے صرف ایک لاکھ روپے کی رقم بھری، جس پر عمر سوبانی بھائی نے گاندھی جی کو کہا کہ انھوں نے اُن کو بہت سستے میں چھوڑ دیا ہے۔ جس کے جواب میں گاندھی جی نے کہا کہ اگر مجھے ایک سو سوبانی مل جائیں تو فنڈ کے لیئے مجھے بمبئی سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جس کا ذکر گاندھی جی نے اپنی سوانح عمری میں بھی کئی جگہوں پر کیا، اور اُن کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ [۵۱]

عمر سوبانی بمبئی کے کاروباری حلقوں میں ''کنگ آف کاٹن مارکیٹ'' کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا کاروبار کروڑوں میں ہوتا تھا۔ آپ کام کاج سے فارغ اوقات میں بمبئی کے ''کولابا'' (COLABA) کے علاقے میں اپنے شاندار محل نما مکان میں شاندار پینٹنگ جمع کرنے کے علاوہ قدیم نایاب نوادرات جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو خوشبو لگانے کا بہت شوق تھا اور ہر وقت آپ کے کپڑوں اور یہاں تک ان کے جیب رکھے ہوئے نوٹوں سے بھی عطر کی خوشبو کی مہک آتی تھی۔ عمر سوبانی بمبئی کے نمایاں صنعتکار اور سماجی شخصیت حاجی یوسف

حاجی اسماعیل کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔آپ کا خاندان بمبئی میں سماجی خدمات میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔اوران کی طرف سے قائم کردہ تعلیمی میدان میں نمایاں خدمات میں انجمن اسلام کے ساتھ قائم ہاسٹل، بھوجانی محلہ میں واقع سوبانی لائبریری آپ کے خاندان کی تعلیمی خدمات کا زندہ ثبوت ہے۔اس کے ساتھ ہی زکریا اسٹریٹ میں واقع سوبانی یتیم خانہ جو آج بھی قائم ہے۔

ہندوستان میں تحریک آزادی میں نمایاں خدمات انجام دینے والی اس اہم شخصیت کو اُس وقت کی انگریز حکومت نے ہمیشہ نقصان پہنچانے کے درپے رہتی تھی ،تاکہ ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں میں اہم کردار ادا کرنے والوں کو نقصان پہنچا کر آزادی کی اُن تحریکوں کو روکا جاسکے۔اس سلسلے میں حکومت نے ان کے لیئے کاروباری امور میں ایسے حالات پیدا کردیئے کہ اُن کو کروڑوں روپوں کا نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔اتنے بڑے نقصان کی وجہ سے انہیں اپنے تمام کاروباری اثاثوں کو فروخت کرنا پڑا۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کی اس عظیم شخصیت کا انتقال ۶، جولائی ۱۹۲۶ء بمبئی میں ہوا۔ جنازے میں ہزاروں سوگواران نے شرکت کی اوراس عظیم انسان کی موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ [۵۲]

''مجاہدہ آزادی'' فاطمہ اسماعیل سوبانی کی خدمات۔

سوبانی فیملی کا ایک اور چشم و چراغ فاطمہ بائی ولد یوسف سوبانی اورعمر سوبانی کی چھوٹی بہن جو شادی کے بعد فاطمہ اسماعیل سوبانی کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔فاطمہ ۲ ،فروری ۱۹۰۳ء میں بمبئی میں پیدا ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک ویآنا میں میڈیسن کا کورس کیا۔ان کے شوہر ہاشم اسماعیل کئی سالوں تک افریقہ میں ٹریڈ کمشنر رہے۔آپ کو اردو اور فارسی کا علمی و ادبی شوق تھا اور وہ اکثر شعر و شاعری کے پروگراموں میں شوق سے شرکت کرتے تھے۔

فاطمہ اسماعیل انگریزی سامان کے بائیکاٹ کی تحریک (سودیشی تحریک) میں، آپ دیسی صنعتوں کے سامان ریل کے ایک خاص ڈبے میں لے کر شہر شہر پھریں اوران کی نمائش و فروخت سے سودیشی کا پیغام عام کیا۔۱۹۳۴ء میں آپ انجمن اصلاح نسواں کی سیکریٹری اور ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا ویمنس کانفرنس کی سیکریٹری مقرر ہوئیں، آپ نے بمبئی کے مسلم محلوں میں تعلیم بالغاں کے لیئے بہت کام کیا۔۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان آپ آل انڈیا ویمنس کانفرنس کی سیکریٹری رہیں۔ ۱۹۴۰ء میں آپ صوبہ بمبئی کی ویمنس کاونسل کی لیبر کمیٹی کی صدر منتخب ہوئیں۔آپ آل انڈیا کانگریس کے ۱۹۳۴ء کے بمبئی کے اجلاس اور ۱۹۴۰ء کے رام گڑھ کے اجلاس میں شریک ہوئیں اور کھدر، سودیشی اور ہندو مسلم اتحاد کے لیئے بمبئی شملہ اور شرقی افریقہ میں مسلسل کام کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ آپ ۱۹۴۰ء میں پلاننگ کمیشن کی ویمنس کمیٹی کی ممبر مقرر ہوئیں۔اس کے ساتھ ''ہندوستان چھوڑو تحریک'' میں نمایاں حصہ لینے کے سبب انڈر گراونڈ رہیں۔

اگست ۱۹۴۴ء میں آپ کی زندگی میں انقلابی تبدیلی اُس وقت رونما ہوئی جب آپ کی آٹھ سالہ بیٹی کو پولیو ہوگیا۔جس کی سبب اس کا پیر مفلوج ہوگیا۔اس کے علاج کے لیئے آپ پورے ہندوستان میں پھریں لیکن علاج نہ ہوسکا۔البتہ اس مرحلے میں اتنا معلوم ہوا کہ اس مرض سے پیدا شدہ خرابی خاص قسم کی ورزش سے بڑی حد تک دور ہوسکتی ہے، چنانچہ انہوں نے ورزش کے وہ طریقے سیکھے اور خود ہی بچی کو ورزش کرانے لگیں۔جب انہیں بچی کے معاملے میں کچھ مہینوں کے بعد کامیابی کے آثار نظر آئے تو انہوں نے اپنے تمام سیاسی اور دوسرے کاموں کو چھوڑ کر بمبئی کے مشہور سرجن ''بالیگا'' کے ساتھ مل کر پولیو زدہ بچوں کے لیئے ایک کلینک کھولا۔ جنگ عظیم دوم کے دنوں میں بمبئی کے جنوبی حصے کے ایک میدان

میں فوجی ضرورتوں کے لیئے شیڈ بنائے گئے تھے۔اس کے ایک حصے میں حکومت نے ان دونوں کو کلینک کے لیئے جگہ فراہم کی جس میں ورزش کے لیئے سامان مہیا کیا گیا۔آپ نے معذور بچوں کو اُن کے گھر سے لانے کے لیئے ایک بس خریدی۔اور اس کے ساتھ ہی آپ اپنا سارا وقت اس مرکز کے لیئے مختص کر دیا۔عطیات، چندے سرکاری و نیم سرکاری امداد غرض ہر طرح سے انہوں نے اس کے اخراجات کے لیئے روپے جمع کیئے۔

۱۹۴۷ء میں فاطمہ نے دوسرے سماجی کارکنوں کے ساتھ مل کر پولیو زدہ بچوں کو علاج کے لیئے ایک سوسائٹی قائم کی۔آپ نہرو خاندان سے بہت قریب تھیں۔ان کی سفارش پر حکومت بمبئی نے حاجی علی کے سامنے ایک قطعہ زمین اس سوسائٹی کو دے دیا۔جس پر عمارت تعمیر کی گئی جس کا افتتاح خود وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے کیا۔یہ مرکز آج بھی پولیو زدہ بچوں کے علاج میں پورے ہندوستان میں بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔

فاطمہ اسماعیل سوبانی نے آزاد ہندوستان کی تعمیر میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔معذور بچوں کی بحالی، خواتین کے حقوق نیز سماج کے بچھڑے ہوئے طبقوں کی فلاح و بہبود کے لیئے ان کی کوششیں ہندوستان میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔انہوں نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔جسمانی طور پر معذور بچوں کی بحالی کی خدمات کے عوض ۱۹۵۸ء میں انہیں "پدم شری" کے اعزاز سے نوازا گیا، اور ۱۹۷۲ء میں "ولت متر" ایوارڈ دیا گیا۔انہیں بیرون ملک بھی کئی اعزازت ملے ہیں۔۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک آپ راجیہ سبھا کی ممبر منتخب ہوئیں۔ہندوستان میں آپ سے متعلق کئی مضامین لکھے گئے ہیں اور بیرں سے آپ کی سوانح عمری شائع ہوئی۔آپ ۱۱، اکتوبر ۱۹۸۷ء میں طویل علالت کے بعد چھیاسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔[ب۔۵۲]

خلافت تحریک کے سلسلے میں خواتین کے اجتماعات (بمبئی میں)۔

۱۴، نومبر ۱۹۲۱ء بمبئی کی چکلہ اسٹریٹ میں "انگورہ فنڈ" کے لیئے کچھی میمن برادری کی جانب سے خواتین کے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔جس میں بیگم عمر سوبانی، شریمتی سروجنی نائیڈو، اُس وقت خلافت تحریک بمبئی کی کارکنان محترمہ مریم بائی، محترمہ رابعہ بائی اور بمبئی کی دیگر کئی خواتین نے شرکت کی۔اس جلسہ میں "انگورہ فنڈ" کے لیئے عطیات جمع کیئے گئے، جس میں کچھی میمن برادری کے علاوہ ہالائی میمن برادری کے بھی کئی خاندانوں کی خواتین نے بھرپور شرکت کی اور اُس میں سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ نقد عطیات بھی جمع کروا یئے۔[۵۳]

تحریک خلافت میں سندھ کا کردار۔

خلافت تحریک برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح سندھ میں بھی اپنے جوش خروش سے جاری تھی۔اس سلسلے میں سر حاجی عبداللہ ہارون نے اپریل ۱۹۲۰ء میں ترکی کے خلیفہ ''وحیدالدین'' کے نام پر کراچی سے ایک اخبار ''الوحید'' جاری کیا۔اس اخبار نے بہت جلد مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرلی،اور خلافت تحریک کے ترجمان کی حیثیت اختیار کرگیا۔اس اخبار کی بدولت سندھ کے مسلمانوں میں خلافت تحریک کو بام عروج پر پہنچادیا۔''الوحیداخبار'' کے بارے میں عوام کا یہ تاثر تھا کہ اس کے علاوہ دوسرے اخباروں میں جو کچھ بھی آتا عوام اسے غیر معیاری اور جھوٹ کا پلندہ سمجھتے تھے۔ [۵۴]

سندھ میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا تاریخی اجلاس ۸، جولائی ۱۹۲۱ء کو عیدگاہ میدان میں (موجودہ جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے)مولانا محمد علی جوہر کی زیر صدارت ہوا،جس میں برصغیر سے سرکردہ خلافت رہنماؤں نے شرکت کی۔اس تاریخی جلسہ میں خطبہ استقبالیہ مولانا محمد صادق کھڈہ والا (جو سندھ میں خلافت تحریک کے حاجی عبداللہ ہارون کے ساتھ روح رواں تھے۔) نے پیش کیا۔اور بعد میں مولانا محمد علی جوہر کا خطاب۔ان دو خطبوں نے اس کانفرنس کو ایک تاریخی کانفرنس میں تبدیل کردیا،اور جس کے بعد انگریزوں نے سیاسی رہنماؤں کو گرفتار اور بغاوت کے مقدمات قائم کرنا شروع کردیئے۔

سندھ میں تحریک خلافت میں اہم کردار ادا کرنے والے رہنماؤں میں حاجی عبداللہ ہارون،مولانا محمد صادق کھڈہ والا،حکیم فتح محمد سہوانی،قاضی عبدالعزیز،حکیم شمس یاسین بلبل،اور علامہ عبدالکریم درس شامل تھے۔خلافت تحریک کے سلسلے میں بغاوت کا تاریخی مقدمہ جو کراچی کے خالق دینا ہال میں چلایا گیا تھا۔جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو دو سال قید کی سزا دی گئی۔جس کے بعد پورے ہندوستان میں ہر بچے اور بڑے کی زبان پر یہ نغمہ گونج رہا تھا کہ

''کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی کہ ہم تو جاتے ہیں دو برس کو'' [۵۵]

خلافت تحریک میں میمن قوم کی خواتین کا کردار۔ (کراچی میں)

اس سلسلے میں ۲، اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ میمن گرلز اسکول گاڑی کھاتہ کے زیر اہتمام ہوا۔ جس میں (۲) دو ہزار سے زائد خواتین نے شرکت کیا، اس جلسہ میں محترمہ حلیمہ بائی اور مریم بائی نے اپنی تقریروں میں تحریک خلافت کی وضاحت کی اور اس تحریک کے سلسلے میں بزرگ رہنماوں کی گرفتاریوں کی مذمت کرتے ہوئے غیر ملکی کپڑے اور دیگر اشیاء کے بائیکاٹ کرنے اور اس کی جگہ کھدر کے کپڑے پہننے اور چرخہ چلانے کی تلقین کی۔ اس جلسہ میں شریمتی ہردیوی اور سرسوتی دیوی نے اپنی تقاریر میں تحریک خلافت کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

ان تقاریر کے بعد اس جلسہ میں علی برادران کی باہمت والدہ ماجدہ "اماں بی" نے اپنے پر جوش خطاب میں اپنے فرزندوں کی گرفتاری کا افسوس نہیں کیا بلکہ خوشی کا اظہار کیا کہ وہ اسلام اور ملک کی خدمت کرتے ہوئے جانیں نچھاور کردیں گے۔ ان کے بعد مولانا محمد علی جوہر کی بیگم نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے شوہر کی گرفتاری میری خوش نصیبی ہے، اور یہ ہمارے خاندان کے لیئے ایک اعلیٰ ترین اعزاز ہے۔ جس کے بعد آپ نے ترکی کے مظلوم مسلمانوں کے لیئے امداد کی اپیل کی۔ اس اپیل کے جواب میں جلسہ گاہ کے کونے کونے سے سونے چاندی کے زیورات اور نقد رقومات کے عطیات بڑی تعداد میں جمع ہوئیں۔ اس جلسہ کا مکمل انتظام "دی میمن خلافت والنٹیر کور" نے انجام دیا تھا۔ [۵۶]

کیرالہ میں تحریک خلافت اور موپلاؤں تحریک۔

تحریک خلافت کا ایک اہم واقعہ عربی النسل کیرالہ (مالابار) کے مسلم کاشت کار موپلاؤں کی بغاوت ہے۔ موپلے بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ انہوں نے بڑے پُر جوش انداز میں تحریک خلافت میں حصہ لیا تھا۔ ہندوستان کی مسلم سیاست میں مدراس پریذیڈنسی میں خلافت تحریک کے دوران ملابار اور اس کے گردونواں کے علاقوں میں جو موپلاؤں کی تحریک کو خاص اہمیت حاصل رہی تھی۔ اور وہاں پر رونماں ہونے والے واقعات کو تحریک خلافت کے اہم واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُس تحریک کی قیادت میں کلیدی کردار ادا کرنے والے مسلم رہنماؤں میں کے سیٹھ یعقوب حسن بھی شامل تھے۔ آپ کو اُن دنوں وہاں پر پرنس آف ویلز کی آمد کی مخالفت میں جلسہ کے انعقاد کرنے پر جیل بھیج دیا گیا، جہاں پر آپ کو دو سال کی سزا سنائی گئی۔ جس کی وجہ سے وہاں پر شدید ہنگامہ آرائی اور خون خرابہ ہوا۔ حکومت نے موپلوں کو اس تحریک سے دور رکھنے اور اُن کو دبانے کے لیئے ۲۶، اگست ۱۹۲۱ء کو کیرالہ میں مارشل لاء لگا دیا۔ مارشل لاء حکام نے انہیں بے رحمانہ سزائیں دیں۔ جس کی وجہ سے وہاں پر بڑی خونریزی ہوئی اور ۲۲۲۶ افراد ہلاک اور ۱۶۱۵ افراد زخمی ہوئے۔ جس کے بعد حکومت نے موپلاؤں کی بغاوت پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکی۔ [۵۷]

کیرالہ میں خلافت تحریک میں سیٹھ یعقوب حسن کا کردار۔

ہندوستان کی مسلم سیاسی تاریخ میں میمن قوم کی ایک اور اہم ترین شخصیت جناب یعقوب حسن سیٹھ جنہوں نے تحریک پاکستان کے ابتداء ہی سے مدراس پریذیڈنسی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر وہاں پر آباد مسلم قوم کے مفادات کے لیئے انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ مسلم لیگ کے قیام کے وقت اُس کے دستور العمل کی تیاری کے سلسلے میں قائم ہونے والی ایک کمیٹی جس میں کلکتہ پریذیڈنسی سے جناب محسن الملک، اور نواب وقار الملک، بمبئی پریذیڈنسی سے سر آغا خان، جناب غلام محمد منشی، (راجکوٹ) اور نوابزادہ نصر اللہ خان، اور مدراس پریذیڈنسی سے جناب یعقوب حسن اور ان کے بھائی جناب عبد الحمید حسن پر مشتمل تھی۔ اس طرح ہم کہے سکتے ہیں کہ میمن قوم کے یہ دو بھائی آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں شامل تھے۔ [۵۸]

اس بات سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کے ہندوستان کی مسلم سیاست میں مدراس پریذیڈنسی میں ان کی شخصیت کو کتنی اہمیت حاصل تھی۔ بعد میں خلافت تحریک کے دوران ملابار اور اس کے گردونواں کے علاقوں میں جو موپلاؤں کی تحریک چلی تھی جس کو تحریک خلافت میں انتہائی

اہم واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُس تحریک کی قیادت میں اہم کردار ادا کرنے والے مسلم رہنماوں میں سے ایک جناب یعقوب حسن سیٹھ کو ایک خاص مقام حاصل رہا تھا۔ آپ کو اس تحریک میں اہم کردار ادا کرنے کی پاداش میں جیل بھیج دیا گیا، جہاں پر آپ کو دو سال کی سزا سنائی دی گئی۔ جس کی وجہ سے وہاں پر شدید ہنگامہ آرائی اور خون خرابہ ہوا۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جناب یعقوب حسن ایک اہم سیاسی رہنماں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اہم مدبر اور عالم بھی تھے۔ آپ اُن دنوں مدراس سے اردو ''رسالہ ہمدرد'' اور انگریزی رسالہ "PETRIOTE" کو شائع کرواتے تھے، اور آپ اُس کے ایڈیٹر بھی تھے۔ آپ دوران قید یعنی جیل میں قرانی آیات سے انسانی زندگی کے مسائل کے حل پر ایک مفصل "کتاب العدہ" تحریر کی۔ آپ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی ٹکٹ پر مدراس سے الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کانگریس کی حکومت میں مسلم لیگ کی طرف سے وزیر تعمیرات کے عہدے پر فائز ہوئے، اس طرح آپ پورے ہندوستان میں میمن قوم کے پہلے فرزند تھے جو وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ [۵۹]

چوراچوری کا واقعہ اور گاندھی جی کا تحریک کے خاتمہ کا اعلان۔

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون پر جوش انداز میں جاری تھی کہ اُن دنوں ایک ایسا واقعہ رونماں ہوا جس کی وجہ سے گاندھی جی جو اُس وقت ان تحریکوں کی قیادت کرر ہے تھے۔ انہوں نے اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ وہ واقعہ کچھ یوں ہوا کہ ۵، فروری ۱۹۲۲ء کو یوپی کے ضلع گورکھ پور کے ایک نواحی قصبے ''چوراچوری'' کے علاقہ میں عوام اور پولیس میں زبردست تصادم ہوا جس میں لوگوں نے وہاں پر قائم تھانے کو آگ لگا دی، جس کے نتیجے میں وہاں پر متعین (۲۲) بائیس پولیس والے جل کر ہلاک ہو گئے۔ گاندھی جی نے ۱۱، فروری کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا اور خلافت کمیٹی یا کسی مسلمان رہنما سے مشورہ کیئے بغیر تحریک عدم تعاون کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ تحریک عدم تعاون اور تحریک خلافت دونوں کی قیادت گاندھی جی کرر ہے تھے۔ لہذا اُن کے اس اعلان سے دونوں تحریکوں کا خاتمہ ہو گیا۔ [۶۰]

اور جواز یہ پیش کیا کہ ''میں اہنسا (عدم تشدد) کا علمبردار ہوں اور تحریک میں تشدد کا عنصر غالب آنے لگا ہے۔ گاندھی جی کے اس اقدام سے مسلمانوں میں اس بات کا احساس اجاگر ہونے لگا کہ اُن کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ اور اس اقدام سے برصغیر میں ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، اور قومی تحریک آزادی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اور جس نے برصغیر میں دو قومی نظریہ کو تقویت پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد چھوٹانی خاندان کے حالات۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اُن لوگوں پر عتاب نازل کرنا شروع کردیا، جنہوں نے اس تحریک میں کلیدی کردار ادا کیا تھا ان میں چھوٹانی سیٹھ جن کا عمارتی لکڑیوں کا وسیع کاروبار تھا، اور سرکاری اداروں میں ان کے یہاں سے لکڑی کی خریداری کی جاتی تھی۔ خلافت تحریک کی ناکامی کے بعد آپ کے تمام سرکاری کنٹریکٹ ختم کردیئے گئے۔ جس سے اُن کو کاروبار میں کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا۔ اور اسی طرح سیٹھ عمر سوبانی بھائی جو روئی کے کاروبار کے علاوہ اُن کی کپڑے کی کئی ملیں تھیں۔ اُن کو بھی مختلف طریقوں سے تجارتی شعبے میں کروڑوں روپیہ کا نقصان پہنچایا گیا، جس کی وجہ سے مجبوراً ہندوستان کے دو اہم مسلم رہنماؤں کو تحریک آزادی کی ان تحریکوں کی پاداش میں اُن کو اپنی تجارتی سلطنتوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ تحریک خلافت میں چھوٹانی خاندان کی شاندار خدمات اور اس کے بدلے میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے اُن کے تمام کاروباری ٹھیکوں کی منسوخی اور اسی طرح کے دوسرے انتقامی کاروائیوں کی وجہ سے چھوٹانی خاندان معاشی طور پر انتہائی تکلیف دہ صورت سے دوچار ہونا پڑا۔ [۲۱]

تحریک خلافت میں میاں محمد چھوٹانی کی خدمات۔

تحریک خلافت میں ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک کافی جوش وخروش رہا تھا۔ اس تحریک کے آغاز ہی سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں جلسے اور اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ جس میں لوگوں کی طرف سے لاکھوں روپیہ کے چندے جمع کئے گئے تھے۔ ۱۹۲۱ء ہندوستان کے مسلمانوں کی جانب سے خلافت کمیٹی نے مولانا محمد علی جوہر کی سربراہی میں ایک وفد لندن روانہ کیا اُس وفد میں آپ شامل تھے۔ اس وفد کا مقصد تحریک خلافت کے نقطۂ نظر سے حکومت برطانیہ کو آگاہ کرنا تھا۔ لیکن اس وفد کو کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت میں ترکوں کی امداد کے لیئے انگورہ فنڈ کے نام سے رقم مرکزی خلافت کمیٹی جمع کر کے ترکی میں بھیجتی تھی۔ حکومت برطانیہ نے سیٹھ چھوٹانی کو اس تحریک سے دور رکھنے کے لیئے مختلف حربے استعمال کئے، لیکن آپ اس تحریک سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ چنانچہ حکومت نے ان کے آل انڈیا ریلوے کے ٹھیکے منسوخ کردئے۔ اس کے علاوہ بمبئی میں ''سیوڑی'' کے مقام پر واقع ان کی خام لکڑی سے تجارتی اور گھر کے سامان تیار کرنے والی "SAW MILL" مل میں آگ لگوادی۔ ۱۹۲۱ء میں جب آپ لندن کانفرنس سے واپس بمبئی آئے تو کاروبار میں نقصان کی وجہ سے سخت پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے لیکن پھر بھی خلافت تحریک میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔

ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے اقتدار سنبھالنے۔ اور ہندوستان میں فروری ۱۹۲۲ء میں چوراچوری کے واقعہ کے بعد ان تحریکوں کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ اس کے ساتھ ہی ۳۰، مارچ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ جس کی وجہ سے تحریک خلافت نے بھی دم توڑ دیا۔ حاجی میاں محمد چھوٹانی آخری دم تک اس تحریک میں ثابت قدم رہے۔ آپ ۱۹۳۲ء میں حج کے ارادے سے بیت اللہ شریف

تشریف لے گئے اور ۳۰، جون ۱۹۳۴ء میں مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ [۶۲]

آل انڈیا خلافت کمیٹی کی اہم میمن شخصیات۔

سیٹھ محمد میاں جان محمد چھوٹانی۔	صدر	۱۹۱۹۔۲۳ء
حاجی عبداللہ ہارون۔	صدر	۱۹۲۷۔۲۸ء
عثمان سوبانی بھائی۔	سیکریٹری	آخر تک۔۱۹۲۰ء
عمر سوبانی بھائی۔	خزانچی	آخر تک۔۱۹۲۰ء [۶۳]

خلافت تحریک کے بعد ہندو مسلم کشیدگی اور ہندو فرقہ پرست تحریکیں۔

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے خاتمے کے ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد ختم ہوگیا اور مسلمانوں کو اس بات کا شدت سے احساس ہوگیا کہ وہ کسی بھی معاملے میں ہندوؤں لیڈروں پر بھروسہ نہیں کرسکتے۔ بلاشبہ وہاں سے مسلمانوں میں دوقومی نظریہ کے تصور کو تقویت ملی۔ گو کہ ۱۸۶۵ء میں بنارس شہر میں بعض ہندو قائدین اور انجمنوں کی طرف سے اس مطالبہ پر کہ سرکاری دفاتر میں اردو زبان کی جگہ ہندی زبان کو نافذ کیا جائے۔ ہندوؤں کی زبان کے سلسلے میں اُٹھنے والی اس تحریک کے بعد سرسید احمد خان نے اپنے دوست مسٹر شیکسپیر جو اُن دنوں بنارس کے کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ اُن سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ،

> ''مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آئندہ دونوں قومیں ہندو اور مسلمان دل سے کسی کام میں شریک نہیں ہوسکیں گی۔ ابھی تو یہ بہت کم ہے آئندہ حالات اور بد سے بدتر ہوجائیں گے۔'' [۶۴]

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوقومی نظریہ کی ابتداء تو وہاں سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ ہندو اور مسلمانوں میں جو تھوڑی بہت باہمی محبت اور آخوت کے رشتے باقی تھے اُن کو ہندو فرقہ پرست تحریکیں جن میں ''شدھی اور سنگھٹن'' جن کا بنیادی مقصد برصغیر میں غیر ہندو باشندوں کو ہندو بنانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس تحریکوں میں ہندوؤں کو فوجی تربیت دینا اور پھر مقابلہ کے لیئے تیار کرنا مقصود تھا۔ ہندوؤں کے اس طرز عمل نے مسلمانوں پر یہ بات واضح کردی کہ اب ان سے اتحاد ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں علیحدگی کے رجحان میں تیزی آگئی، اور بہت سے مسلمانوں نے کانگریس کی رکنیت سے استعفٰی دے دیا۔ [۶۵]

کراچی میں غازی عبدالقیوم کی شہادت کا واقعہ۔

تحریک خلافت کے خاتمے کے بعد ہندو مسلم اختلافات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایسے میں پورے ہندوستان میں کئی انتہا پسند ہندو تنظیمیں سرگرم عمل ہوگئی ان میں سے ایک آریہ سماج بھی شامل تھی۔ یہ ایک پرانی تنظیم تھی اس کا بانی ''منشی رام'' نامی ایک انتہا پسند ہندو تھا۔ جو ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کو فنا کرنے کے لیئے پورے ہندوستان میں کئی شاخیں قائم کی ہوئی تھیں۔ ۱۹۳۳ء میں آریہ سماج حیدرآباد سندھ

کے سیکریٹری نتھو رام نے ایک کتابچہ بعنوان "تاریخ اسلام" شائع کیا، جس میں اُس نے رسول پاک ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔ یہ کتابچہ جیسے ہی بازار میں آیا تو مسلمانوں میں اس کا شدید ردعمل پیدا ہوا، اور وہ اس مزموم حرکت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سلسلے میں عبدالمجید سندھی، حاتم علی علوی اور سندھ کے دوسرے مسلم آتا برین نے نتھو رام کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ عدالت نے اس سلسلے میں نتھو رام کو صرف ایک سال قید بامشقت اور جرمانے کی سزا سنائی، جسے نتھو رام نے کراچی کی جوڈیشل کورٹ میں اپیل دائر کردی تھی۔

غازی عبدالقیوم جن کا تعلق ہزارہ سے تھا، اور روزگار کے سلسلے میں کراچی میں تشریف لائے تھے اور یہاں پر تانگہ چلا کر اپنے گھر کی کفالت کرتے تھے۔ آپ نماز کی پابندی کرتے تھے۔ ایک جمعہ جونا مارکیٹ کی مسجد میں دوگانہ ادا کرنے گئے، وہاں پر پیش امام صاحب خطبہ سے قبل واعظ کے دوران نتھو رام کے کتابچہ کے مندرجات سے نمازیوں کو آگاہ کررہے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے محبت غازی صاحب کی گھٹی میں سما ہی ہوئی تھی۔ وہ پیغمبر اسلام کے خلاف نتھو رام کی اس گستاخی پر اس قدر مشتعل ہوئے کہ اُسے کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم کرلیا۔ دوسرے دن عدالت میں نتھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہوا تھی، غازی عبدالقیوم عدالت میں پہنچ گئے، اور نتھو رام کی شناخت کرنے کے بعد خنجر سے وار کر کے اُسے قتل کردیا۔ عدالت کے کمرے میں بھگدڑ رمچ گئی، اور دونوں انگریز جج پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتے رہے گئے۔

کراچی کے اُس وقت کے مشہور بیرسٹر جو خود بھی آنحضرت ﷺ کے سچے شیدائیوں میں سے تھے، اُس وقت کمرہ عدالت میں موجود تھے، انھوں نے بغیر معاوضہ اس کیس کی پیروی کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیرسٹر محمد اسلم نے اس مقدمے میں قانون سے زیادہ نفسیات انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔ جیوری اور جج کے سامنے جو بحث کی گئی وہ شاید برطانوی عہد میں اپنی نوعیت کی منفرد بحث تھی۔ دوسرے مقدموں کے برعکس اس مقدمہ کا کام بہت مختصر اور سیدھا سادہ تھا، صفائی کا تو کوئی گواہ ہی نہیں تھا، اور سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ لہٰذا انہوں نے غازی عبدالقیوم کو موت کی سزا سنائی۔ [۶۶]

فیصلے کے ٹھیک تین دن بعد غازی عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی۔ ان کی نماز جنازہ جیل میں مولانا غلام رسول قادری نے پڑھائی اور میت کو پولیس کی گاڑی میں رکھ کر میوہ شاہ قبرستان لایا گیا۔ غازی کو پھانسی دینے کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی، اور مسلمانوں کا جم غفیر میوہ شاہ قبرستان میں پہنچ گیا۔ اُس وقت تک میت کو قبر میں اُتار دیا گیا تھا اور اُس پر مٹی ڈالنا باقی تھی، اتنے میں لوگوں کا ہجوم وہاں پر پہنچ گیا اور انہوں نے میت پر مٹی نہیں ڈالنے دی، اُس دوران ایک جوشیلا کارکن قلندر خان قبر میں کود کر میت کو قبر سے نکال لیا۔ چارپائی اور کفن وغیرہ کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا، چنانچہ فوراً میت کو کفنایا گیا، اور ہجوم جنازے کو لے کر شہر کی جانب روانہ ہوا۔ انتظامیہ نے لوگوں کا بڑھتا ہوا ہجوم دیکھ کر دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی۔ اس کے باوجود بھی دس سے بارہ ہزار مسلمان جمع ہوگئے، جب یہ جلوس رجب علی کمپاؤنڈ کے قریب جا تنگیاں ہوٹل چا کیواڑہ پر پہنچا تو انگریزوں کے فوجیوں نے جلوس پر اندھادھند فائرنگ شروع کردی، وہ دن اُس وقت تک کراچی کی تاریخ کا بدترین دن تھا۔ اس واقعہ میں (۱۴۰) ایک سو بیس مسلمان شہید اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوئے تھے۔ کراچی میں انگریزوں کے ظلم و بربیت کے خلاف پورے ہندوستان میں آواز بلند کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی ایوانوں میں بھی اس پر سخت بحث ہوئی اور چرچل تک نے اس موقع پر اظہار تاسف کیا تھا۔ اس واقعہ کی وجہ سے عبدالمجید سندھی اور محمد ہاشم گزدر نے احتجاجاً بمبئی لجسلیٹو اسمبلی سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی ان دونوں نے اسمبلی میں ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ [۶۷] اس واقع میں کراچی میں آبادا وکھائی میمن اور کچھی میمن برادری کے (۱۰) دس افراد شہید اور (۲۵) کے قریب زخمی ہوئے تھے۔

تحریک پاکستان کے دوران قید و بند ہونے والی اہم میمن شخصیات۔

اب ہم یہاں پر اُن میمن رہنماؤں کی فہرست پر نظر دوڑائیں گے، جنہوں نے ہندوستان میں اُٹھنے والی ملی تحریکوں کے دوران مختلف قید و بند کی تکالیف اُٹھائیں۔

نام	سال	مقام	وجہ
احمد ملا داود مدنی۔	۱۹۱۴_۱۸ء	برما	سلطنت برطانیہ میں ایک ترک قونصل ہونے کی وجہ سے۔
مولانا محمد صادق کھڈہ والا۔	۱۹۱۰ء	کراچی	برطانیہ مخالف سرگرمیاں۔
عبدالستار سلیمان نوی والا (قیصر ہند)	۱۹۲۵_۲۷ء	دھوراجی	ریاست گونڈل کے خلاف مہم کے سلسلہ میں۔
ستار عبداللہ نوی والا۔	۱۹۲۵_۲۹ء	دھوراجی	۔ایضا۔
سیٹھ یعقوب حسن۔	۱۹۲۱_۲۳ء	مدراس	خلافت تحریک کے دوران۔
نور محمد احمد۔	۱۹۲۰ء	بمبئی	خلافت تحریک کے دوران۔
نور محمد احمد۔	۱۹۳۰ء	بمبئی	کانگریس کے ستیہ گرہ پر۔
اسماعیل ابراہانی۔	۱۹۴۷_۵۱ء	جوناگڑھ	جوناگڑھ کی پاکستان کے ساتھ الحاق کی جدوجہد میں۔
یوسف مانڈویا۔	۱۹۴۷_۵۱ء	جوناگڑھ	۔ایضا۔ [۶۸]

تقسیم ہند سے قبل میمن قوم کی اعزاز یافتہ شخصیات۔

قیام پاکستان سے قبل انگریز سرکار معاشرہ میں اعلیٰ سماجی اور فلاحی خدمات انجام دینے والی شخصیات کو مختلف اعزازات سے نوازتی تھی۔ حکومت برطانیہ سے اعزازات حاصل کرنے والی میمن شخصیات کی فہرست درج ذیل ہے۔

I۔ ''قیصر ہند'' کا اعلیٰ ترین شہری اعزاز انگریز سرکار نے میمن قوم کے واحد شخصیت ''جناب عبدالستار نوی والا'' کو ۱۹۳۷ء میں دیا۔ انھیں یہ اعزاز مئی، ۱۹۳۵ء میں بہار اور کوئٹہ کے زلزلے میں میمن ریلیف سوسائٹی کے زیر اہتمام متاثرین کی امداد اور فلاح و بہبود کے سلسلے میں دیا گیا تھا۔

II۔ ''کمپین آف انڈین ایمپائر'' (C.I.E.) کا اعزاز حاصل کرنے والی شخصیات۔

۱۔ جناب عبدالکریم عبدالشکور رجمال۔

۲۔ جناب سلیمان قاسم میٹھا۔

III۔ ''آرڈر آف برٹش ایمپائر'' (O.B.E.) کا اعزاز حاصل کرنے والی شخصیت۔

۱۔ جناب سلیمان قاسم مٹھا۔

IV۔ ''سر'' (SIR) کا رتبہ حاصل کرنے والی شخصیت۔

۱۔ سر محمد یوسف اسماعیل۔
۲۔ سر عبدالکریم عبدالشکور رجمال۔
۳۔ سر ابراہیم ہارون جعفر۔
۴۔ سر اسماعیل صالح محمد سیٹھ۔
۵۔ سر سلیمان قاسم مٹھا۔
۶۔ سر عبداللہ ہارون۔
۷۔ سر آدمجی حاجی داود۔
۸۔ سر اے۔ رزاق حاجی محمد (مرکش)
۹۔ سر اقبال ساکرانی۔ (انگلینڈ)

V۔ ''خان صاحب'' کا خطاب حاصل کرنے والی شخصیات۔

۱۔ اے۔ ایس۔ عبدالقادر۔
۲۔ اے۔ ایچ۔ اللہ رکھیا۔
۳۔ محمد عثمان اے۔ ستار۔
۴۔ منشی محمد قاسم علی محمد۔
۵۔ حامد حسن۔
۶۔ حاجی دادا حاجی ولی محمد مودی۔
۷۔ حاجی ولی محمد علی محمد۔
۸۔ احمد قاسم۔
۹۔ آدمجی صالح محمد۔
۱۰۔ اسماعیل عیسیٰ سیٹھ۔

VI۔ ''خان بہادر'' کا خطاب پانے والی شخصیات۔

۱۔ محمد امین ابا میاں۔
۲۔ نجم الدین علی محمد۔
۳۔ ہارون جعفر جوسب۔
۴۔ حسن علی آفندی۔
۵۔ ولی محمد آفندی۔
۶۔ اسماعیل صالح محمد۔
۷۔ ابراہیم ہارون جعفر۔
۸۔ حاجی محمد زکریا۔
۹۔ حاجی اے۔ رحیم سیٹھ۔
۱۰۔ آدم حاجی محمد سیٹھ۔
۱۱۔ محمد حسن مولیدینا۔
۱۲۔ اے۔ رحمان قادوانی۔
۱۳۔ محمد موسیٰ حاجی ابراہیم۔
۱۴۔ حاجی یوسف حاجی یونس۔
۱۵۔ عبدالستار۔
۱۶۔ ایچ۔ ایم۔ رحیم سیٹھ۔
۱۷۔ قاسم آدم۔
۱۸۔ منشی پیر بخش محمد میاں۔
۱۹۔ حاجی احمد قاسم۔
۲۰۔ حاجی عبداللہ قاسم۔
۲۱۔ محمد ہاشم مولیدینا۔
۲۲۔ حاجی عبداللہ ہارون۔

۲۳۔ آدمجی حاجی داود۔ ۲۴۔ حاجی عبداللہ حاجی۔

۲۵۔ ایم۔صدیق میمن۔

VII۔ مختلف ریاستوں اور علاقائی حکومتوں کی طرف سے اعزاز یافتہ میمن شخصیات۔

۱۔	اسماعیل سیٹھ۔	میسور	ملک التجار۔	۱۹۲۳ء
۲۔	یوسف ابراہیم موتی والا۔	بڑودہ	رجیارتنا	۱۹۳۹ء
۳۔	اسماعیل ہاشم سیٹھ۔	کوچین	ریشر ہنگل	۱۹۴۰ء
۴۔	اے۔حبیب حاجی یوسف مارفانی۔	آزاد ہند سرکار	ہند سیوک	۱۹۴۴ء [۶۹]

سوبھاش چندرا بوس کی ''آزاد ہند تحریک'' اور میمن قوم کی اُس میں خدمات۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران برما کے محاذ پر برٹش آرمی کے خلاف جاپان کی فوجی امداد اور وہاں قید میں ہندوستانی فوجیوں کو اپنے ساتھ ملا کر سوبھاش چندرا بوس نے ''آزاد ہند فورس'' (AZAD HIND FORCE) قائم کی تھی۔ جو اس وقت برما کے محاذ پر انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لیئے سرگرم عمل رہے۔ اس تحریک میں بھی میمن قوم کی بڑی خدمات رہی ہیں اس سلسلے میں ۹، جولائی ۱۹۴۴ء رنگون میں ایک جلسہ عام کے دوران جناب عبدالحبیب یوسف معرفانی نے ایک کروڑ تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا جو سونے کے زیورات، پراپرٹی اور نقد رقم کی صورت میں تھے۔ اُن کی اس شاندار مالی تعاون کی وجہ سے نیتا جی سوبھاش چندرا بوس نے جناب عبدالحبیب یوسف معرفانی کو ''سیوک ہند'' (SEVAK-E-HIND) کے اعزاز سے نوازا، اور جو پورے ہندوستان میں یہ اعزاز حاصل کرنے والے ''واحد ہندوستانی'' تھے۔[۷۰]

جناب عبدالحبیب سیٹھ کو سوبھاش چندرا بوس نے اُس اعلیٰ انتظامی کمیٹی کا چیرمین بھی مقرر کیا تھا۔ جو آزاد ہند فورس کو تمام سپلائی فراہم کرنے پر مامور تھی۔ میمن قوم کے دیگر افراد میں جناب عبدالستار عبدالغنی پال والا نیتا جی کے قریبی ساتھیوں میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ جناب ہارون عبداللطیف آدمانی بھی نیتا جی کے قریبی ساتھیوں میں شامل تھے اور نیتا جی نے ان کو برما میں ''سان'' (SAN) زون کے علاقے کا انچارج مقرر کیا تھا۔ اور جو جاپانیوں کی شکست کے بعد انگریزوں کے عتاب کا شکار ہوئے۔ نیتا جی کی ''آزاد ہند فورس'' کی مالی امداد کے لیئے جناب احمد باوانی فیملی کی طرف سے تیس لاکھ روپے اور آدمجی حاجی داود کمپنی کی طرف سے پندرہ لاکھ روپیوں کا عطیہ دیا گیا تھا۔[۷۱]

REFERENCES حوالہ جات

A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.776.777. [۱]

A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.778. [۲]

A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.780 . 781 [۳]

A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.785. [۴]

[۵] عبدالقادر موسیٰ دادانی میگزین آل انڈیا مکھی میمن فیڈریشن ورلڈ کانفرنس ۱۹۹۳ء صفحہ نمبر ۳۳۴۔۳۳۳

"Mihir Boss" The Memon. Page No. 6 8 [۶]

[۷] میمن ویلفیئر انڈیا۔ شمارہ عید ایڈیشن ۲۰۰۹ء۔

[۸] میمن ویلفیر۔ شمارہ عیدایڈیشن ۲۰۰۹ء۔

[۹] "Mihir Boss" The Memon. Page No – 110.

[۱۰] "Mihir Boss" The Memon. Page No. .111-112

[۱۱] میمن عالم۔ شمارہ

[۱۲] میمن ویلفیر عیدایڈیشن ۲۰۰۹ء

[۱۳] Asif Hussein & Hameed Karim Bhoja Memon of Sri Lanka Memon Association of Sri lanka Colombo Page no.16.

[۱۴] Asif Hussein & Hameed Karim Bhoja Memon of Sri Lanka Memon Association of Sri lanka Colombo Page No.17-18

[۱۵] Ebrahim C. Moomal. "END OF THE ROAD" Page No.158-160

[۱۶] یحیٰی ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ ۔۱۹۔۱۸

[۱۷] گاندھی جی نے اپنی سوانح عمری 'The Story of my experiments' اردو ترجمہ 'تلاش حق' صفحہ نمبر۔ ۱۸۹۔۱۸۰

[۱۸] گاندھی جی نے اپنی سوانح عمری 'The Story of my experiments' اردو ترجمہ 'تلاش حق' صفحہ نمبر۔ ۱۹۵۔۱۹۰

[۱۹] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.806.

[۲۰] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.815.816.

[۲۱] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.809.

[۲۲] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.785

[۲۳] محمد عثمان دموعی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں صفحہ نمبر۔۲۳۸۔۲۴۷

[۲۴] دی میمن ااا۔ شمارہ اپریل ۲۰۰۹ء صفحہ نمبر۔ ۳۵۔۳۴۔

[۲۵] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۳۰

[۲۶] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۳۲

[۲۷] یحیٰی ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۱۱

[۲۸] یحیٰی ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۱۲

[۲۹] عبدالعزیز اسماعیل مرکیا۔ تاریخ لوکھائی میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۹۲۔۹۳

[۳۱] عبدالستار کوپلانی۔ یادوں کی سوغات صفحہ نمبر۔۱۵۶۔۱۵۵

[۳۲] عبدالستار کوپلانی۔ یادوں کی سوغات صفحہ نمبر۔۱۶۰۔۱۶۱

[۳۳] کھتری عصمت علی پٹیل۔ گولڈن جوبلی مجلہ آل پاکستان میمن فیڈریشن۔ صفحہ نمبر۔۲۷۹۔۲۶۴

[۳۴] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۱۶۱

[۳۵] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۱۶۵

[۳۶] گولڈن جوبلی مجلّہ آل پاکستان میمن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی۔ صفحہ نمبر۔۱۲

[۳۷] یحیٰ ہاشم باوانی Memoris of Seth Naumal Hothchnad۔ صفحہ نمبر۔۱۶۔

[۳۸] یحیٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۲۶۔۲۷۔

[۳۹] عثمان دموی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۱۳۶۔۱۳۴

[۴۰] اشتیاق حسین قریشی۔ "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔۴۹۔۴۸۔

[۴۱] پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر۔ تاریخ ترکان عثمان صفحہ نمبر۔۱۵۰

[۴۲] پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر۔ تاریخ ترکان عثمان صفحہ نمبر۔۱۵۳

[۴۳] اشتیاق حسین قریشی۔ "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔۵۰

[۴۴] میمن عالم۔ شمارہ۔ مئی ۱۹۷۱ء

[۴۵] یحیٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۳۶۔۳۵۔

[۴۶] اشتیاق حسین قریشی۔ "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔۵۳

[۴۷] ضیاالدین برنی۔ عظمت رفتہ صفحہ نمبر ۳۳۶

[۴۸] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۱۷۰

[۴۹] ضیاالدین برنی۔ عظمت رفتہ صفحہ نمبر ۳۳۸

[۵۰] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۲۰۵

[۵۱] گاندھی جی کی سوانح عمری 'The Story of my experiments' 'اردو ترجمہ' تلاش حق' صفحہ نمبر۔ ۱۵۶۔۱۵۵

[۵۲] Memons International Directory Bombay. صفحہ نمبر۔۷۸۔۷۷

[ب۔۵۲] میمن عالم اگست ۱۹۹۱ء ماخوذ۔ Directory of Indian Women Today India International p. 461.1976, p.383.

[۵۳] میمن میعزا گجراتی بمبئی ۱۹۳۱ء صفحہ نمبر۔۳۰۱۔

[۵۴] عثمان دموی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۳۶۸۔۳۶۷

[۵۵] عثمان دموی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۳۷۰۔۳۶۹

[۵۶] یحیٰ ہاشم باوانی تحریک آزادی اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۵۶۔۵۵

[۵۷] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔۱۳۵

[۵۸] شریف الدین پیرزادہ۔ Foundation of Pakistan.All India Muslim League Documents.1906-1947 صفحہ نمبر۔۳۵۵۔۳۶۶۔

[۵۹] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۲۱۰

[۶۰] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان، صفحہ نمبر۔۱۳۷

[۶۱] میمن عالم۔ شمارہ۔مئی ۱۹۷۱

[۶۲] میمن عالم۔ شمارہ مئی ۱۹۷۱ء

[۶۳] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۴۱۲

[۶۴] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔۹۹

[۶۵] عثمان دموہی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۴۱۵-۴۱۴

[۶۶] روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ فروری ۱۹۸۹ء۔

[۶۷] پیر علی راشدی نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ باتیں ماہنامہ" پیام حق" شمارہ مئی ۱۹۷۱ء میں کہی جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے

[۶۸] حبیب لاکھانی۔ میموریبل میمن۔ صفحہ نمبر۔۳۵

[۶۹] حبیب لاکھانی ,, میموریبل میمن۔ صفحہ نمبر۔۵۶-۵۵

[۷۰] میمن ویلفیر۔ شمارہ۔عید ایڈیشن ۲۰۰۶ء

[۷۱] میمن ویلفیر۔ شمارہ۔عید ایڈیشن ۲۰۰۶ء

تیسرا باب

مسلم لیگ اور قائداعظم کے ساتھ
میمن قوم کی وابستگی۔

تیسرا باب
مسلم لیگ اور قائداعظم کے ساتھ
میمن قوم کی وابستگی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے اور خاص کر کانگریس میں شامل ہونے سے منع کیا تھا۔لیکن اُن کی وفات (مارچ ۱۸۹۸ء) کے بعد تقسیم بنگال ۱۹۰۵ء کے خلاف ہندوؤں کے ایجی ٹیشن اور شملہ وفد کی کامیابی کے بعد مسلمان رہنماوں نے محسوس کیا کہ اب مسلمانوں کو سر سید احمد خان کے سیاست سے دور رہنے والے پالیسی کو ترک کرتے ہوئے منظم طریقے سے سیاست میں حصہ لینا چاہیے۔چنانچہ مسلم رہنماؤں کے باہمی صلاح مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں جب ڈھاکہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہو، تو اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس سیاسی اجتماع میں مسلمانوں کی الگ سیاسی جماعت قائم کی جائے۔

چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ۳۰، دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقار الملک اور مولوی مشتاق حسین کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔نواب وقار الملک کی صدارتی تقریر کے بعد نواب سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش کی۔مولانا ظفر علی خان، حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر نے اس قرارداد کی حمایت کی۔اور اس جماعت کا نام آل انڈیا مسلم لیگ پنجاب کے ممتاز رہنما سر محمد شفیع کی تجویز پر رکھا گیا۔[۱]

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں فعال کردار ادا کرنے والی میمن شخصیات۔ (فاونڈر ممبر)

ہندوستان کی مسلم سیاسی تاریخ میں میمن قوم کی اہم شخصیت جناب یعقوب حسن سیٹھ جنہوں نے تحریک پاکستان کے ابتداء ہی سے مدراس پریذیڈنسی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر وہاں پر آباد مسلمانوں کے مفادات کے لیئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔آپ مسلم لیگ کے قیام کے وقت اُس کے دستورالعمل کی تیاری کے سلسلے میں قائم ہونے والی کمیٹی میں بانی رکن کے شامل تھے۔اس کمیٹی میں کلکتہ پریذیڈنسی سے جناب محسن الملک، اور نواب وقارالملک، بمبئی پریذیڈنسی سے سر آغا خان، جناب غلام محمد منشی، (راجکوٹ) اور نوابزادہ نصر اللہ خان، اور مدراس پریذیڈنسی سے جناب یعقوب حسن اور جناب عبدالحمید حسن پر مشتمل تھی۔اس طرح ہم کہے سکتے ہیں کہ میمن قوم کے یہ دو بھائی آل انڈیا مسلم لیگ کے بانیوں میں شامل تھے۔آپ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی ٹکٹ پر مدراس سے الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کانگریس کی حکومت میں مسلم لیگ کی طرف سے وزیر تعمیرات کے عہدے پر فائز ہوئے،اس طرح آپ پورے ہندوستان میں میمن قوم کے پہلے فرزند تھے

جو وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ [۲]

۳۰، دسمبر ۱۹۱۵ء سے لے کر کیم، جنوری ۱۹۱۶ء تک بمبئی میں مسلم لیگ کا آٹھواں سیشن منعقد ہوا تھا۔ جس میں اصلاحات تیار کرنے کے مقصد سے ایک ریفارمز کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی کو یہ اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ دوسری سیاسی پارٹیوں اور اداروں کے ساتھ اس شرط کے ساتھ مذاکرات کرے کہ مسلمانوں کے حقوق پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے پائے۔ اُس کمیٹی میں (۷۱) کتہ رہنماوں کو شریک کیا گیا تھا جن میں ہر صوبے کی ممتاز شخصیتوں کو شامل کیا گیا تھا، ان میں میمن قوم کے جن افراد کو اس میں شامل کیا گیا تھا اُن میں بمبئی اور سندھ پریذیڈینسی سے میاں محمد حاجی جان محمد چھوٹانی اور عمر سوبانی کے علاوہ دیگر ممبران میں قائداعظم اور سر آغاخان کے نام شامل تھے۔ مدراس سے سیٹھ یعقوب حسن اور برما سے حاجی محمد عبدالشکور جمال اور حاجی احمد مُلا داود (مدنی سیٹھ) شامل تھے۔

شریف الدین پیرزادہ۔ ''فاونڈیشن آف پاکستان''۔ آل انڈیا مسلم لیگ ڈوکومینٹس کے مطابق مسلم لیگ کی ۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۷ء تک کی سیاسی سرگرمیوں میں میمن قوم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ لیگ کی سرگرمیوں میں اپنی بھرپور خدمات دینے والی ممتاز ترین شخصیات میں جناب یعقوب حسن، سر حاجی عبداللہ ہارون، عمر سوبانی بھائی، حاجی ستار سیٹھ (کیرل مسلم لیگ کے صدر) اور یوسف ہارون خاص طور پر قابل ذکر رہے ہیں۔ [۳]

سندھ میں مسلم لیگ کا قیام۔

۱۹۰۶ء ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد اُس کا دوسرا اجلاس ۲۹ اور ۳۰، دسمبر ۱۹۰۷ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ یہ اجلاس غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ جس میں مسلم لیگ کے قواعد وضوابط مرتب کیئے گئے یہ اجلاس نواب سید محمد کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں سر آدم جی پیر بھائی (دھوراجی کی بوہری برادری کے بڑے تاجر تھے) نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیئے پچاس ہزار روپے (۵۰،۰۰۰) کا عطیہ پیش کیا۔ [۴]

مسلم لیگ سندھ شاخ کے قیام سے قبل سندھ میں مسلمانوں کی پہلے سے ایک جماعت سندھ محمڈن ایسوی ایشن کے نام سے قائم تھی۔ جبکہ سندھ میں باضابطہ مسلم لیگ کی شاخ کا قیام کیم، نومبر ۱۹۱۷ء کو کراچی میں عمل میں آیا، اور یہ آل انڈیا مسلم لیگ کی پورے برصغیر میں قائم ہونے والی پہلی شاخ تھی۔ اس کے ابتدائی عہدیداران میں یوسف علی بھائی (صدر) غلام محمد بھرگڑی (نائب صدر) غلام علی چھاگلہ (اعزازی سیکریٹری) حاجی عبداللہ ہارون (جوائنٹ سیکریٹری) کے طور پر منتخب ہوئے۔ [۵]

سندھ مسلم لیگ میں سر حاجی عبداللہ ہارون کی خدمات۔

سندھ مسلم لیگ کے قیام کے بعد وہ کچھ عرصہ فعال رہی، بعد میں اس کی سیاسی سرگرمیوں ماند پڑ گئی تھیں جس کے بعد اکتوبر ۱۹۳۸ء میں تاریخی سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کے بعد اُس میں ایک نئی جان پیدا ہوئی۔ اس کا سہرا اُس وقت کے مسلم لیگ سندھ کے صدر سر حاجی عبداللہ ہارون کے سر جاتا ہے۔ آپ سندھ کی صدارت پر ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۲ء اپنی زندگی کے آخری آیام تک خدمات دیتے رہے۔ اس سلسلے میں

سندھ مسلم کی تحریک پاکستان کے سلسلے میں پیش آنے والے واقعات کو آگے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کا قیام۔

مسلم لیگ کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے سیاسی میدان میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیئے ایک انتہائی اہم پلیٹ فارم فراہم ہوگیا۔ جہاں سے وہ اپنے مسائل کے حل کے لیئے اپنی آواز بلند کر سکتے تھے۔ مسلم لیگ کے اغراض ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے ،کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں نے بھی ۱۹۲۳ء میں ''ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ'' کی بنیاد رکھی۔ دھوراجی سے اُن دنوں شائع ہونے والے ہفت روزہ رسالہ'' دھوراجی سماچار'' کے مطابق'' ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ'' کا پہلا اجلاس ۱۲،نومبر ۱۹۲۳ء میں کاٹھیاواڑ کی ریاست گونڈل کے شہر اوپلیٹا میں منعقد ہوا۔ اُس اجلاس میں'' ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور عبدالغنی بیگ محمد باوانی اُس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ جب کے دیگر عہدیداران میں عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ کو نائب صدر، بیرسٹر ابراہیم بھائی کو آنریری سیکریٹری، عبدالغنی دادا بھائی میگھانی اور عبدالستار حاجی سلیمان نوی والا (قیصر ہند) کو جوائنٹ سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ [٦]

ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے منتخب ہونے والے صدر عبدالغنی بیگ محمد باوانی جو اُن دنوں پورے کاٹھیاواڑ میں اپنی سماجی اور تعلیمی خدمات کی وجہ سے انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ خصوصاً راجکوٹ میں مسلمانوں کے لیئے بورڈنگ ہاوس کے قیام کے بعد تو آپ کی شخصیت کو مرکزی رہنما کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اور اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے بعد میں سر آدمجی حاجی داود نے بھی اپنے چچا کی شخصیت کو اپنے لیئے مشعلِ راہ بنایا اور اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تعلیمی میدان میں انقلابی اقدامات کیئے۔

کاٹھیاواڑ میں سیاسی اور سماجی میدان میں عبدالغنی بیگ محمد باوانی کی خدمات۔

کاٹھیاواڑ میں مسلم لیگ کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کو عوامی سطح پر لانے میں جناب عبدالغنی بیگ محمد باوانی کا نمایاں کردار رہا، اور آپ ہمیشہ سے ہی مسلم تحریکوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے تھے۔

آپ کاٹھیاواڑ کے علاقے جیت پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کو چھوٹی سی عمر سے سماجی خدمات کا شوق رہا تھا، اور اسی شوق میں آپ نے کئی فلاحی ادارے قائم کیئے۔ آپ ''جیتور انجمن اسلام'' اور ''محمڈن لائبریری'' کے بانی تھے۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے آپ کی خدمات کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔ اس سلسلے میں ۲، اکتوبر ۱۹۱۶ء کو کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشن کانفرنس منعقد کروائی جس کی صدارت علی گڑھ یونیورسٹی کے ڈاکٹر ضیاءالدین نے کی تھی۔ راجکوٹ میں قائم میمن بورڈنگ ہاوس کے قیام میں بھی آپ کا کلیدی کردار رہا۔ اس لحاظ سے انہیں کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کا ''بابائے تعلیم'' کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

آپ اُن دنوں میں بھی تعلیم نسواں کے بھرپور حامی تھے۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی کے اوائل میں انجمن اسلام کے تحت تعلیم نسواں کا

انتظام کیا۔ان کے بعد ان کے دو شاگرد ہاشم محمد عزیز باوانی، اور علی محمد کامدار نے ان کے تعلیمی مشن کا جیت پور انجمن اسلام کے تحت جاری رکھا۔ کاٹھیاواڑ میں تعلیمی اور سماجی خدمات کے شعبے میں اہم کردار ادا کرنے والی اس اہم شخصیت کا انتقال ۲۱، اکتوبر ۱۹۳۲ء کو جیت پور میں ہوا۔ بعد میں ان کی طرف سے مسلمانوں میں بیداری اور میمن قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں ان کے بھانجے سر آدمجی حاجی داود نے ان انقلابی اقدامات کیئے۔جس کا ثمر آج ہم پوری دنیا میں آباد میمن قوم کی اجتمائی سرگرمیوں سے لگا سکتے ہیں۔[۷]

خلافت تحریک کے بعد ہندو مسلم کشیدگی، اور دوقومی نظریہ کے تحت سیاسی رہنماوں کی سرگرمیاں۔

تحریک خلافت اپنے مقاصد میں ناکامی کے باوجود برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور و بیداری کا باعث بنی جس کا ذکر تفصیل سے پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔جس کے بعد مسلمانوں میں سیاسی حالات پر گہری نظر رکھنے والی لیڈرشپ اُبھری، جو عوام کے ساتھ قریبی تعلق رکھنے کا سلسلہ قائم کیا۔اس کی بدولت مسلمانوں کو ہندو رہنماوں کی منافقانہ پالیسیوں کا بھی اندازہ ہوگیا۔اس تحریک کے مرکزی لیڈر گاندھی جی کے کردار سے مسلمانوں پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ہندو ''مسلم مفاد'' کے لیئے کبھی بھی مخلص نہیں ہو سکتے۔جس کے بعد مسلمانوں نے اپنی سالمیت اور قومی بقا کے لیئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اپنی جدو جہد کو جاری رکھتے ہوئے دوقومی نظریہ کے تحت اپنے مقاصد کے حصول کے لیئے یکسوئی سے کوشاں ہو گئے۔جس کے ثمرات ہمیں قیام پاکستان کی صورت میں حاصل ہوئے۔

نہرو رپورٹ اور اس کے جواب میں قائداعظم کے چودہ نکات۔

برطانوی حکومت نے ۸، نومبر ۱۹۲۷ء کو سر سائمن کی سربراہی میں سات اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔اس کمیشن میں ایک بھی ہندوستان کے نمائندہ کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔اور یہ ہی وجہ تھی جس کے لیئے ہندووں اور مسلمانوں نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔اس پر وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے کہا (Lord Birken Head) ''ہندوستان کے سیاست دان برطانیہ کے نافذ کردہ اصلاحات پر ہمیشہ منفی انداز میں نکتہ چینی کرتے ہیں۔انہیں چاہیے کہ وہ خود کوئی دستور بنا کر پیش کریں۔''[۸]

ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور ۱۱، فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس میں پنڈت موتی لعل نہرو کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی گئی، اس کمیٹی میں اکثریت ہندووں کی تھی لہذا یہ رپورٹ روایتی تنگ نظری کا مظہر تھی۔اگست ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی۔جس میں اکثر و بیشتر سفارشات سیکولر نوعیت کی تھیں۔اس میں میثاق لکھنو اور دہلی تجاویز کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا، گو کہ اس رپورٹ میں ہندوؤں نے اس بات کو تسلیم کرلیا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے۔اور مسلم لیگ ان کی نمائندہ جماعت ہے۔غرض نہرو رپورٹ کے منظر عام پر آتے ہی مسلمانوں میں سخت مایوسی پھیل گئی۔

نہرو رپورٹ کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ ۱۹۲۹ء میں چودہ نکات پیش کیے۔جنہیں بعد میں مسلمانوں کے قومی مطالبات کے طور پر پیش کیا جاتا رہا۔ان نکات کے بنیادی شقوں میں، وفاقی نظام، جداگانہ انتخاب، مسلم نمائندگی کی خصوصی گنجائش، مسلمانوں کی تعلیم، زبان، مذہب اور اوقاف کی ترقی و تحفظ کا مطالبہ شامل تھا۔قائداعظم کے چودہ نکات ان کے تدبر اور سیاسی بصیرت کی بہترین مثال تھی،

اوران ہی کو برصغیر کے مسلمانوں کے قومی مطالبات سمجھا جاتا رہا۔

قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت سیاسی لیڈر اور میمن قوم سے ان کی وابستگی۔

قائداعظم محمد علی جناح بیسویں صدی کے اوائل میں میدان سیاست میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ مدراس کے رسالہ ''انڈین ریویو'' میں مسلم کانگریسی کی حیثیت سے ان کا تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت مشہور کانگریسی رہنما دادا بھائی نوروجی نے کی۔ بیرسٹر محمد علی جناح کا کسی سیاسی اجلاس میں شریک ہونے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اپریل ۱۹۱۳ء میں محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی رکنیت بمبئی کے میمن آبادی والے علاقے وارڈ ''سی۔ ۱۰'' سے اختیار کی اس وارڈ کی صدارت پر تقسیم ہند تک چار صدور جن میں سے تین صدور کا تعلق میمن قوم سے تھا۔ جن میں اسحاق احمد چھاپرا، حاجی سلیمان آدمجی، اور قاسم عثمان کانڈا والا شامل تھے۔ [۹]

محمد علی جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں نئی راہیں استوار ہوئیں۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہونے والے لکھنؤ پیکٹ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ جس میں کانگریس نے پہلی بار مسلمانوں کے جداگانہ ملی تشخص اور جداگانہ طریقہ انتخاب کو تسلیم کیا۔ اس پیکٹ کی توثیق کے بعد سروجنی نائیڈو نے محمد علی جناح کو ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کے خطاب سے نوازا۔ [۱۰]

جناح ہال بمبئی کی تعمیر۔

۱۹۱۸ء میں محمد علی جناح بمبئی میں ایک کامیاب بیرسٹر اور ایک سچے محب وطن رہنما کے طور پر اپنا تشخص قائم کر چکے تھے۔ اُن دنوں بمبئی کے مسلم تاجروں نے گورنر وائسرائے لارڈ ولنگٹن (Lord Wilington) کو ایک الوداعی استقبالیہ دینے کا پروگرام بنانے بنایا تھا۔ جب یہ بات محمد علی جناح کے علم میں آئی تو آپ نے اس وقت کے سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو مناسب نہ سمجھا۔ اور بمبئی کے مسلم تاجروں کو اُس پروگرام کو منسوخ کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اُس وقت ترکوں اور انگریزوں کے درمیان یورپ کے محاذ پر کشیدگی چل رہی تھی، دوسرا ہندوستان میں بھی انگریزوں کے خلاف شدید غم غصہ کے جذبات پائے جاتے تھے، جس کے نتیجے میں اُن ہی دنوں خلافت تحریک اور تحریک عدم تعاون شروع ہوئی تھی۔ ان تمام حالات میں اس قسم کا بمبئی کے گورنر کو استقبالیہ دینا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں تھا۔

آپ کے اس فیصلہ کی وجہ سے بمبئی کے تاجروں کو کچھ عرصے میں ہی آپ کے مشورہ کی اہمیت اور آپ کی دوراندیشی کا اندازہ ہوگیا۔ کیونکہ اُن کے اس فیصلہ کا بمبئی کی تاجر برادری پر خوشگوار اثرات رونما ہوئے۔ آپ کی دوراندیشی کی قدر کرنے اور اس سلسلے میں ایک یادگار بنانے کے سلسلے میں عمر سوبانی جواُن دنوں بمبئی کی تاجر برادری کی قیادت کررہے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ''ایک روپیہ'' اسکیم کا فنڈ شروع کیا اور اس سے ایک لاکھ روپے جمع کر کے جناح صاحب کی عزت افزائی کے لیئے ایک ہال تعمیر کروایا۔ یہ ہال جس کو ''پیپلز جناح ہال'' کا نام دیا گیا۔ جو آج بھی کانگریس ہاوس بمبئی کے احاطے میں قائم ہے۔ [۱۱]

قائداعظم محمد علی جناح کی میمن قوم سے وابستگی۔

قائداعظم محمد علی جناح کی میمن قوم سے وابستگی تو ان کے آباواجداد کے زمانے سے ہی تھی کیونکہ اُن کا تعلق کاٹھیاواڑ کی ریاست گونڈل کے پانیلی کے علاقہ سے تھا، اور ریاست گونڈل میں بڑی تعداد میں میمن خاندان آباد تھے۔ اور ریاست گونڈل کا سب سے بڑا تجارتی مرکز ''دھوراجی'' جسے اُن دنوں پورے کاٹھیاواڑ میں ہالائی میمن برادری کے مرکز کے حیثیت حاصل تھی۔ جبکہ قائد کی فیملی کا تعلق اسماعیلی خوجہ برادری سے تھا۔ اور اُن دنوں کاٹھیاواڑ میں مسلم تجارتی برادریوں میں خوجہ، بوہرہ اور میمن آپس میں انتہائی قریبی تعلق رکھتے تھے کیونکہ ان تجارتی برادریوں کا مقابلہ ہندو تجارتی برادریوں سے رہتا تھا اور اس صورت حال کی وجہ ان میں برادرانہ اور اچھے تعلقات قائم تھے، جو ہمیں آج بھی ان برادریوں میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا خاندان جب ریاست گونڈل سے ہجرت کرکے کراچی میں کھارادر کے علاقہ میں آکر آباد ہوا۔ جہاں پر میمن قوم کی ایک بڑی تعداد پہلے سے رہائش پذیر تھی۔ ۱۸۹۵ء میں کراچی میں وبائی بیماری کی وجہ سے آپ کی والدہ ''میٹھی بائی'' کا انتقال ہوا۔ ان حالات میں آپ کے والد صاحب اپنے بچوں کے ہمراہ کراچی سے بمبئی منتقل ہو گئے۔ اور وہاں پر بھی آپ کا خاندان میمن آبادی والے علاقے میں رہائش پذیر رہا۔ جس کی وجہ سے بعد میں جب قائداعظم نے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کی رکنیت بمبئی کے میمن آبادی والے علاقے ''سی۔۱۰'' سے اختیار کی تھی۔ [۱۴]

قائداعظم اور قائد میمن سر آدمجی حاجی داود کی پہلی ملاقات۔

۱۹۲۸ء میں برطانوی حکومت نے ہندوستان کے بجٹ میں وقف املاک پر حکومتی ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا۔ جس سے مسلمانوں کو کروڑوں روپے کے نقصان کا اندیشہ تھا۔ اور اس ٹیکس کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اور کئی تاجر اس سلسلے میں آدمجی حاجی داود کے پاس پہنچے جنہیں اُن دنوں تجارتی حلقوں میں انتہائی عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ نے ایک وفد کے ساتھ اس سلسلے میں بیرسٹر محمد علی جناح (جو اُس وقت ایک کامیاب بیرسٹر کے طور پر مشہور تھے) سے دہلی میں ملاقات کی۔

یہ ان دو قائدین کے درمیان پہلی ملاقات تھی۔ (جس کے بعد ان دو عظیم ہستیوں نے قیام پاکستان میں ناقابل فراموش کردار ادا کیے) اس معاملہ کو بیرسٹر محمد علی جناح نے اپنی فہم وفراست کے ساتھ اس معاملے میں مکمل دلچسپی لیتے ہوئے، اس مسئلے کو قانونی طریقے سے حل کروایا، اور جب آدمجی حاجی داود نے اُن کو اس کیس کے حل کروانے کی فیس کے طور پر ایک خطیر رقم دینے کی کوشش کی تو آپ نے اُسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ۔

> ''اس نیک کام کے لیئے حقدار تو آپ تاجر ہیں کہ آپ لوگوں نے خدا کو خوش
> کرنے کے اس کام میں مجھے شریک کیا۔ البتہ میں اپنی فیس کے بدلے میں یہ
> چاہتا ہوں کہ مسلمان ہر میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔'' [۱۳]

اس پہلی ملاقات میں ہی قائداعظم اور آدمجی حاجی داود نے ایک دوسرے کے جذبوں کو بہت بہتر انداز میں سمجھ لیا تھا۔ اور آدمجی کے ساتھ آئے ہوئے تمام مسلمان تاجر قائد کے اس جذبے سے بہت متاثر ہوئے اور بعد میں ان کے ہر فرمان کو اپنے لیئے مشعل راہ بنا لیا۔

جو تحریک پاکستان میں مسلم تجارتی برادریوں کی بھرپور دلچسپی کا نقطہ آغاز کہی جا سکتی ہے۔

گاندھی جی اور آدمجی حاجی داؤد کا پہلا رابطہ۔

۱۹۲۸ء میں ہی گجرات اور کاٹھیاواڑ میں مسلسل موسلادھار بارشوں کی وجہ سے سیلاب کی سی صورت حال پیدا ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہاں پر کافی تباہی و بربادی ہوئی۔ اور اس ناگہانی آفت سے متاثرین کی امداد کے لیئے ایک ریلیف کمیٹی "گجرات کاٹھیاواڑ سیلاب کمیٹی" کے نام سے قائم کی گئی۔ جس کے سربراہ کے انتخاب کے لیئے لوگ گاندھی جی سے مشورہ لیا جس پر انہوں نے میمن قوم کے اُس وقت کے قائد آدمجی حاجی داؤد کا نام تجویز کیا۔

گاندھی جی کے مشورہ پر ایک ممتاز تاجر شری بوون ہر چند کی سربراہی میں ایک وفد کلکتہ میں آدمجی حاجی داؤد کو گاندھی جی کا یہ پیغام پہنچایا اور "گجرات کاٹھیاواڑ سیلاب کمیٹی" کے چیرمین بننے کی گزارش کی۔ آپ اُن دنوں اپنے کاروباری سلسلے میں برما جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن کام کی نوعیت اور گاندھی جی کی طرف سے اُن کو اس کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے نامزدگی کو وہ منع نہ کر سکے۔ لہذا آپ نے اُس پیشکش کو قبول کر لیا۔ اور مصیبت زدگان متاثرین کی اتنے شاندار اور منظم انداز میں خدمات انجام دی کہ گاندھی جی اور تمام سرکردہ رہنماؤں نے بعد میں اُن کی خدمات کو بہت سراہا۔ اور اس طرح گاندھی جی اور آدمجی حاجی داؤد کا یہ پہلا رابطہ تھا۔ [۱۴]

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد اور خودمختار مسلم مملکت کا تصور پیش کیا۔

اسی دوران ہندوستان کے سیاسی منظر نامہ پر ہندو مسلم اختلافات کی خلیج دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور مسلمانوں میں تحریک خلافت میں گاندھی جی کی بے وفائی اور بعد میں نہرو رپورٹ نے ان پر سے اعتماد کو ختم کر دیا۔ اور اسی چیز کو دیکھتے ہوئے، شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے ۲۹، دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسلم لیگ کے ۲۱ ویں سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں ایک صدارتی خطبہ "مسلم ہند" کا تصور پیش کیا جسے تحریک پاکستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس خطبے میں علامہ اقبال نے واضح کیا کہ مسلمانوں کا بہتر مستقبل معاشرتی، سیاسی اور معاشی حقوق کے تحفظ میں نہیں ہے، بلکہ ایک خودمختار مسلم مملکت سے وابستہ ہے۔ [۱۵]

گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء۔ ۳۲

برصغیر کے سیاسی ماحول میں نہرو رپورٹ مسلم لیگ کے لیئے اور قائداعظم کے چودہ نکات کانگریس کے لیئے ناقابل قبول تھے۔ لہذا دونوں جماعتوں میں اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ ۲۹، جون ۱۹۲۹ء کو قائداعظم نے برطانوی وزیراعظم ریمز میکڈانلڈ (Ramsay Mac Donald) کو ایک خط تحریر کیا جس میں انہوں نے برطانوی وزیراعظم کو تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے سیاسی تصفیہ کے لیئے ایک گول میز کانفرنس بلائی جانے چاہیئے۔ اسی دوران مئی ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن رپورٹ شائع ہوئی۔ جس کی سفارشات کو ہندوؤں اور مسلمانوں نے قبول

کرنے سے انکار کردیا۔ اس صورت حال میں برطانوی وزیراعظم نے تمام آئینی معاملات پر از سرِنو غور کرنے کے لیئے لندن میں گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا اور تمام متعلقہ جماعتوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ ان کانفرنس میں ہندوستان کے تمام اہم رہنماوں نے شرکت کی تھی اور اُن میں سے میمن قوم کی بھی اہم سیاسی شخصیت سر حاجی عبداللہ ہارون بھی ان کانفرنس میں شامل تھی۔ جو سندھ میں مسلم لیگ کے اہم ترین رہنما کے طور پر تحریک پاکستان کی جہدوجد میں شامل رہے تھے۔

گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۲، نومبر ۱۹۳۰ء میں، دوسرا اجلاس ۷، ستمبر ۱۹۳۱ء میں اور تیسرا اجلاس ۱۷، نومبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں منعقد ہوا۔ لیکن گول میز کانفرنس کے تینوں اجلاس میں ہندوستان کے لیئے کوئی قابل قبول اور قابل عمل فارمولا تیار کرنے میں ناکام رہے۔ اس صورت حال میں برطانوی حکومت نے ان اجلاسوں کی تجاویز اور سفارشات کی روشنی میں ایک قرطاس ابیض (White-Paper) ۱۷، مارچ ۱۹۳۳ء کو شائع کیا۔ اور بعد میں جس کی روشنی میں برطانوی حکومت نے ایک نیا آئینی بل مرتب کیا جو جولائی ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ سے پاس ہو کر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نام سے مشہور ہے۔ اور آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے آئین میں اُس کی بہت سی شقیں ہمیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ [۱۶]

"Now or Never" 'اب یا کبھی نہیں' کی اشاعت۔

لندن میں منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس (۱۹۳۰ء-۳۲) کے دوران وہاں پر برصغیر کے چند طالب علم چوہدری رحمت علی کی قیادت میں ہندوستان کے مسلمان زعماء سے ملاقات کر کے انہیں ہندوستان کے وفاق کے بجائے "علیحدہ مسلم وفاق" کے قیام پر زور دینے اور اس بات کو تقویت پہنچانے کے لیئے وہاں پر "پاکستان نیشنل موومنٹ" (PNM) کی داغ بیل ڈالی، جس کے بعد اُس پلیٹ فارم پر ۲۸، جنوری ۱۹۳۳ء کو چوہدری رحمت علی اور ان کے تین ساتھیوں نے ایک مراسلہ بعنوان 'اب یا کبھی نہیں' "Now or Never" شائع کیا۔ اس تاریخی مراسلہ میں پہلی بار پاکستان کے نام سے پانچ صوبوں پر مشتمل مسلم مملکت کے قیام کا واضح تصور پیش کیا گیا۔ [۱۷]

سندھ کی بمبئی پریذیڈنسی سے علیحدگی۔

سندھ پر انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں قبضہ کیا اور سر چارلس نیپر (Sir Charles Napier) کو اس کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ سر نیپئر نے سندھ کا دارالحکومت حیدرآباد سے کراچی منتقل کیا اور سندھ کو تین اضلاع کراچی، حیدرآباد اور شکارپور میں تقسیم کیا۔ ۱۸۴۷ء میں سر نیپئر کے مستعفی ہو جانے کے بعد سندھ کی صوبائی حیثیت ختم کر کے اسے بمبئی کا حصہ بنا دیا گیا۔ جس کے بعد سے سندھ کے انتظامی امور کی انجام دہی کے لیئے بمبئی کے گورنر کی طرف سے کمشنر مقرر ہونے لگے، اور رابرٹ پرنگل (Robert Pringle) کو سندھ کا پہلا کمشنر مقرر کیا گیا تھا۔

سندھ میں مسلمانوں کی آبادی (۷۰) ستر فیصد سے زیادہ تھی، اور سندھ تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی حیثیت سے بھی بمبئی سے بالکل مختلف تھا۔ جغرافیائی طور پر بمبئی سے ۸۰۰ میل دور تھا۔ جبکہ دونوں کی آب و ہوا مختلف، سماجی رشتے، رنگ، زبان، رہن سہن، پوشاک اور رسم و رواج سبھی مختلف تھے۔ انگریز حکمرانوں نے بھی شروع ہی سے اس الحاق کو درست نہیں پایا تھا۔ اسی وجہ سے سندھ ایکٹ ۱۸۶۸ء کے ذریعے بمبئی کے

گورنر کے بہت سارے اختیارات سندھ کے کمشنر کے حوالے کر دیے گئے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر مسلمانوں نے سندھ کو بمبئی سے الگ کرانے کے لیئے تحریک شروع کی، اور اس تحریک میں پورے ہندوستان کے مسلمان سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ برصغیر کی آزادی سے قبل سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک چلی۔ یہ تحریک ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۶ء تک جاری رہی، اور بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اس کامیابی کے پس منظر میں غازی عبدالقیوم والے واقعہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ (جس کا ذکر پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔) جس کے بعد ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ منظوری کے بعد یکم، اپریل ۱۹۳۶ء سے سندھ کو ایک علیحدہ صوبے کی حیثیت دے دی۔ [۱۸]

صوبائی انتخابات ۱۹۳۷ء۔

آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ اس طرح ہندوستانیوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ایکٹ مکمل طور پر ہندوستان میں نافذ نہیں ہو سکا۔ البتہ اس کا صوبائی حصہ یکم، اپریل ۱۹۳۷ء کو صوبائی انتخابات کے بعد عملاً نافذ کر دیا گیا۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے لیئے کانگریس اور مسلم لیگ نے جو انتخابی منشور تیار کیے ان میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی تھی۔ صرف دو باتوں پر اختلاف تھا۔

اول۔ کانگریس مخلوط انتخاب اور مسلم لیگ جداگانہ انتخاب کی حامی تھی۔

دوم۔ مسلم لیگ اردو اور کانگریس ہندی زبان (دیوناگری رسم الخط) کے حق میں تھی۔

انتخابات کے نتائج سے کانگریس کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ وہ ہندوستان کے تمام لوگوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اور مسلم لیگ بھی اپنے آپ کو مسلم اکثریت کی نمائندہ جماعت ثابت نہ کر سکی۔ کانگریس نے (۱۱) گیارہ میں سے (۷) سات صوبوں میں وزارتیں قائم کیں۔ جبکہ کہ باقی (۴) چار صوبوں میں مخلوط حکومتیں قائم ہوئیں۔

کانگریسی وزارتوں کا رویہ ۱۹۳۷ء-۳۹ء اور اُس میں مسلمانوں سے ہونے والی زیادتیاں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو کانگریسی وزارتوں کی تشکیل سے قبل کہہ چکے تھے کہ

''ہندوستان میں دو ہی فریق ہیں ایک برطانوی سامراج اور
دوسرا کانگریس۔ باقی لوگوں کو ہمارے پیچھے آنا چاہیۓ۔''

قائداعظم نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ،

''میں کانگریس کے شانہ بشانہ کھڑا ہونے سے انکار کرتا ہوں۔
اس ملک میں ایک تیسرا فریق بھی ہے اور وہ مسلم ہند ہے۔'' [۱۹]

انتخابات کے بعد کانگریس کا ایک ساتھ مل کر صوبوں میں وزارتیں تشکیل دینے سے انکار گویا نہرو کے مذکورہ بالا قول کا عملی شکل میں اعادہ تھا۔ تاہم انتخابات کے نتائج نے واضح کر دیا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ کانگریس نے اپنے ڈھائی سالہ دور اقتدار (۱۹۳۷ء۔۳۹) میں مسلم دشمنی پر مبنی کئی اقدامات کیئے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ کانگریس نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سرکاری انتظامیہ کو ہدایت کی کہ وہ تمام انتظامی امور کانگریس کے عہدیداروں اور کارکنوں کے مشورے سے انجام دیں۔ کانگریس کی اس پالیسی سے نظم ونسق تباہ ہو گیا۔

۲۔ کانگریس کی حکومت قائم ہوتے ہی ہندوؤں نے فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی، اور ہندوؤں کی ان خفیہ تنظیموں کی سرپرستی کی گئی جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف فسادات کرنا اور مسلمانوں کو جانی، مالی اور سماجی نقصان پہنچانا تھا۔

۳۔ کانگریس کے دور اقتدار میں ''بندے ماترم'' کو قومی ترانہ قرار دیا گیا۔ مسلمان طلبہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ روزانہ اسکولوں میں صبح کے وقت بندے ماترم پڑھیں۔ قائد اعظم نے بندے ماترم کو مسلمانوں کے مخالف نعرہ جنگ قرار دیتے ہوئے فرمایا،

''اس سے شرک کی بو آتی ہے۔''

۴۔ کانگریس کے دور میں مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔ کانگریسی وزارتوں نے تمام محکمے ہندوؤں کو بھرتی کیا گیا۔ جب کوئی مسلمان ملازمت کے لیئے انٹرویو دینے جاتا تو اس کے ساتھ ناگوار سلوک کیا جاتا تھا۔

۵۔ کانگریس کے راج میں نصاب تعلیم از سر نو مرتب کیا گیا ہندو ماہرین تعلیم نے ہندوؤں کے دیومالائی قصے کتابوں میں بھر دیے۔ ان نصابی کتابوں میں کسی مسلمان بزرگ کا نام تک موجود نہ تھا۔ خدا کے لیئے ایشور اور بھگوان جیسے نام استعمال کیئے گئے، اور یہ کوشش کی گئی کہ کتاب میں کہیں بھی لفظ اللہ کا ذکر نہ آئے۔

۶۔ کانگریس کے راج میں ہندو اکثریتی صوبوں میں ذبیحہ پر پابندی عائد کر دی گئی۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی گئی۔ اگر کوئی مسلمان گائے ذبح کرتا تو ہندو اسے مع اہل وعیال قتل کر کے اس کے گھر کو آگ لگا دیتے۔ متعدد مقامات پر گائے ذبح کرنے کا بہانہ بنا کر ہندوؤں نے فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی۔ جس میں کاٹھیاواڑ میں ہالائی میمن برادری کے مرکزی شہر دھوراجی اس سلسلے میں کافی پریشانی کا شکار رہتا تھا۔ اور وہاں پر آئے دن ہند مسلم اختلافات اور مار کٹائی کے واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔

۷۔ کانگریس کے دور میں ہندی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تعلیمی اداروں میں گاندھی جی کی مورتی کو ''پرنام'' کرنے یعنی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوں۔ مورتی پوجا صریحاً شرک ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں تہواروں کی حکومتی سطح پر سرپرستی، اور مسلمانوں کے تہواروں کو کوئی اہمیت نہ دینا۔

کانگریسی حکومت کے مسلمانوں کے ساتھ زیادتیوں کے بارے میں برطانوی دانشور لارڈ لوتھن (Lord Lothian) لکھتے ہیں کہ،

''کانگریس کے برسر اقتدار آنے سے مسلمانوں کو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ اقلیت میں رہنے کے کیا معنی ہیں۔ اس طرح مطالبہ پاکستان کا حقیقی سبب

کانگریس کا مسلم کش رویہ ہی تھا۔" [۲۰]

مسلم لیگ کی تنظیم نو ۳۹ ۔ ۱۹۳۷ء۔

دسمبر ۱۹۳۳ء میں قائداعظم انگلستان سے ہندوستان واپس تشریف لائے۔ ان کی واپسی کے بعد اُس وقت کے سیاسی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم لیگ کی تنظیم نو اور اسے مضبوط بنانے کا عمل شروع کیا گیا۔ اسی دوران کانگریس کی حکومت کے دوران اُن کی وزارتوں کے متصبانہ رویے سے مسلم لیگ کی تنظیم نو کی اہمیت وضرورت بڑھ گئی تھی۔ اور ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی آواز گاؤں اور دیہاتوں تک پہنچ چکی تھی اور وہاں کے مسلمان اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ لیکن تنظیمی اعتبار سے ابھی تک یہ عوامی جماعت نہ بن پائی تھی۔

اکتوبر، ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا ۲۵، واں سالانہ اجلاس لکھنو میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات خان، بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق اور آسام کے وزیر اعلیٰ سر محمد سعد اللہ نے بھی شرکت کی۔ اُس اجلاس میں تینوں وزرائے اعلیٰ نے اپنی پارٹیوں کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلے میں ایک معاہدہ کیا گیا۔ جس کو تاریخ میں سکندر جناح معاہدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان تین صوبوں کے وزیر اعلیٰ کی حمایت اور سکندر جناح معاہدے نے مسلم لیگ کے وقار میں نمایاں اضافہ کیا اور اس کی نمائندہ حیثیت اور بھی مضبوط ہو گئی۔ [۲۱]

مسلم لیگ کی تنظیم نو کی اس مہم میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں آباد میمن قوم کے تاجروں اور سیاسی رہنماوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں کئی تاریخ ساز جلسوں کا اہتمام کیا، اور اُس میں اپنے تمام وسائل جس میں مالی تعاون بھی شامل تھا، مسلم لیگ کو فراہم کیئے۔ جاں بھرپور تعاون اور حمایت نے ہندوستان کے سیاسی منظر نامہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اور پورے ہندوستان میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو پڑوان چڑھانے میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ ہم یہاں پر ان عوامی اجلاسوں اور میٹنگوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے، تاکہ قیام پاکستان میں میمن قوم کے کردار اور اُس وقت رونماں ہونے والے "تاریخ کے ان گمشدہ اوراقوں" کو تحریک پاکستان کی تاریخ کا حصہ بنایا جا سکے۔ جنہوں نے قیام پاکستان میں کلیدی کردار ادا کیا۔

قائداعظم کے اعزاز میں میمن قوم کی طرف سے دیا جانے والا پہلا استقبالیہ۔ (کلکتہ میں)

جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے وقف املاک پر ٹیکس کے نفاذ کے سلسلے میں میمن تاجروں کا ایک وفد قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی تھی اور اُن کی قانونی کوششوں سے حکومت برطانیہ کو اُس ٹیکس کو واپس لینا پڑا تھا۔ جبکہ کہ اُس وفد کی قیادت آدمجی حاجی داود کر رہے تھے۔ اور اس طرح قائد سے اُن کی پہلی ملاقات ہوئی۔ جس کے بعد ان دونوں قائدین کے درمیان باہمی رابطہ کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر ۳۱، دسمبر ۱۹۳۷ء میں کلکتہ میں آباد میمن قوم کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک تقریب "البرٹ ہال" کلکتہ میں سر آدمجی حاجی داود کی صدارت میں منعقد کی گئی۔ اس تقریب کی مکمل تفصیل ۱۰، جنوری ۱۹۳۸ء کو ہفت روزہ "انقلاب" میں شائع کی گئی تھی جو یہاں پر ہم پیش کر رہے ہیں۔

کلکتہ میں قائد کے اعزاز میں منعقدہ اس استقبالیہ میں میمن، خوجہ، بوہری قوم کے علاوہ مسلمانوں کی دیگر برادریوں کی بھی بڑی تعداد شریک تھیں ۔ بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق اور کچھ وزرا بھی اس میں شریک تھے ۔ جلسے کا آغاز شام چار بجے تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا ۔ بعد میں ایک بوائز اسکاوٹس نے علامہ اقبال کا ملی ترانہ گایا ۔ جس کے بعد مسٹر جناح کی خدمت میں وہ تاریخی سپاسنامہ پیش کیا گیا جس نے ہندوستان کی تمام مسلم تجارتی اقوام کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کر دیا اور جس نے بعد میں قیام پاکستان کے ہراول دستہ کا کردار ادا کیا ۔

سپاسنامہ

جناب محمد علی جناح صاحب صدر آل انڈیا مسلم لیگ ،

محترم! آپ کا یہاں استقبال کرنے سے ہمیں بے حد مسرت ہو رہی ہے ۔ ہم سب انتہائی مسرت کے ساتھ ہندوستان کے ایک سعادت مند فرزند کو دیکھنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں ۔ جس نے دوسروں کی نظر میں ہند کو باعزت بنانے کے لیئے کوششیں کی ہیں ۔ ’’ بمبئی ہائیکورٹ ‘‘ کے ایک ایڈوکیٹ کی حیثیت سے وفاقی اسمبلی میں ایک بااثر طاقت رکھنے والے شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے مسلمانوں کے لیڈر کی حیثیت سے اسلام اور ہند کے لیئے آپ نے بے حد خدمات انجام دی ہیں ۔ آپ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی یہ سب خصوصیات ملک کے لیئے بہترین سرمایہ ہیں ۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ہند کے مسلمانوں کو ایک اچھی رہنمائی حاصل ہوئی ہے ۔ آپ نے ہند کی اقلیتوں کے اہم مسائل کے حل کے لیئے راہ تلاش کی ، ان مسائل کے پر اعتماد حل کے بغیر ہند کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہیں ۔

اس موقعہ پر ہم عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک وملت کے لیئے سودمند کوششوں میں ہماری خدمات آپ کے ساتھ ہیں ہم سب پورے خلوص کے ساتھ آپ کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہیں ۔

اپنے مذہب اور ملک کے لیئے ہم سے جو کچھ ہوسکا کیا ہے ، اور جو ہم سے ہوسکے گا وہ کرنے کے لیئے ہم اب بھی کوشاں ہیں اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جس مقصد کو آپ نے اپنا اصول بنایا ہے اس کے لیئے ہم سے جو ہوسکے گا وہ کرتے رہیں گے ۔

ہم آج آپ کے سامنے فخر محسوس کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو دلی اور دماغی طاقت اور جسمانی تندرستی بخشے ، (آمین)

ہم سب آپ کے مخلص اور خیر خواہ

آدمجی حاجی داود

کلکتہ میمن برادری کی جانب سے

صدر استقبالیہ کمیٹی

قائداعظم محمد علی جناح کا جوابی خطاب۔

سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے مسٹر محمد علی جناح نے کہا کہ آپ لوگوں نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ اس سپاسنامہ میں میرے لیئے جو الفاظ استعمال کیئے ہیں اور اس شاندار جلسے میں مجھے شرکت کا اعزاز بخشا ہے اس کے لیئے میں تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میمن برادری جیسی صف اول کی تاجر برادری بیدار ہو کر سیاست میں دلچسپی لینے لگی ہے یہ ایک خوش آئند بات ہے اور یہ ہی دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کی راہ ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔

مسلم لیگ مسلمانوں کی بہتری اور بہبود کے لیئے تحریک چلا رہی ہے۔ اس نے مسلم اتحاد کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ اس پرچم تلے مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق ہو جائے یہی اس کی کامیابی ہے۔ اقلیتوں کے مسائل حل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، جب تک اقلیت کے مسائل حل نہیں ہوتے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا یقین نہیں دلایا جاتا اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے۔

مسلم لیگ نے جو پروگرام بنایا ہے اس کا مقصد مسلمانوں کے حقوق کی مکمل حفاظت کرنا ہے۔ جب تک ان مسائل کا باعزت فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک اپنے وجود کو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا خودکشی کے مترادف ہے۔ مسلم لیگ کا جھنڈا اس وقت اس لیئے لہرایا گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اس پرچم تلے جمع ہو جائیں اور اجتماعی طاقت سے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیئے کوشش کریں۔

صرف بنگال کی مسلم آبادی ایک تہائی ہے، اگر آپ حضرات ایک ہو کر لیگ کے پرچم تلے آجائیں تو میں اپنی کوششوں پر فخر کر سکوں گا اور اگر آپ میرے پروگرام کو صحیح مانتے ہیں تو میں یہ سمجھ سکوں گا کہ خلوص سے بھرا ہوا یہ سپاسنامہ آپ نے دلی محبت سے پیش کیا ہے۔ لیکن محض جذبات اور خلوص کا اظہار کرنے کے بعد میرے پروگرام پر آپ حضرات عمل نہ کریں تو سمجھ لینا کہ یہ پرجوش سپاسنامہ خوشنما پھولوں کے ہار اور یہ خوشنما گلدستہ سب ہی بیکار ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات میری خدمات سے فائدہ اٹھائیں اور ہار میں پروئے ہوئے خوبصورت پھولوں کی طرح ایک ہی دھاگے میں جڑ جائیں، پھر دیکھ لیجئے گا کہ ہر قوم آپ کو سینے سے لگانے کے لیئے تیار ہوگی۔

ہندوستان کے مسلمانو! ایک ہو جاؤ، ایک ہی پلیٹ فارم پر آجاؤ اور بکھرے ہوئے بٹے ہوئے مسلمانوں کی طاقتوں کو ایک ہی پرچم تلے مرکوز کر دو، یہ میری کوشش اور خواہش ہے۔ اگر میری حقیر خدمات قبول کرتے ہو تو میں آپ کو بار بار کہتا ہوں ایک ہو جاؤ، اگر آپ متحد ہو جائیں گے تو برٹش حکومت یا کسی اور کی مجال نہیں کہ وہ آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے۔ جس نے اتفاق سے کام لیا ہو۔ اپنی آج کی ناکامی اور پسماندگی کا یہی سبب ہے کہ ہم میں اتحاد نہیں ہے۔ ہماری طاقتیں مختلف سمتوں میں بکھری پڑی ہیں۔

آخر میں آدمجی سیٹھ کا اظہار تشکر۔

مسٹر جناح کی تقریر ختم ہونے کے بعد سیٹھ آدمجی حاجی داود نے مسٹر جناح کو یقین دہانی کرائی کہ میمن قوم مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور بنگال کے مسلمانوں کا بھی زیادہ تر حصہ مسلم لیگ کے پرچم تلے آگیا ہے۔ عیسوی سن ۱۹۳۸ء کے آخر تک انشاء اللہ آپ دیکھ سکیں گے کہ ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جو مسلم لیگ کے ساتھ نہ ہو۔

سیٹھ آدمجی کے ان اختتامی کلمات کے ساتھ ہی جلسہ اختتام کو پہنچا۔ [۲۲]

بمبئی میں قائد کا میمن تاجروں کی طرف سے استقبالیہ۔

میمن قوم کی طرف سے کلکتہ میں قائد کے اعزاز میں کامیاب جلسہ کے بعد قائد سے میمن قوم کی عقیدت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ گو کہ بمبئی میں تو قائد کا اپنا حلقہ موجود تھا اور اُن کے دوستوں میں بہت سے میمن بھی شامل تھے خصوصاً عمر سوبانی بھائی تو قائد کے اتنے قریبی ساتھیوں میں سے تھے کہ وہ بہت سی اپنی ذاتی نوعیت کے معاملات میں بھی ان سے صلاح مشورہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء کے مارننگ نیوز کراچی۔ کے شمارے میں ریسرچ اسکالر جناب رضوان احمد نے اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں۔

''رتن بائی کے ساتھ جب قائداعظم کا نکاح ہوا، تو نکاح نامہ پر اُس
وقت قائداعظم کی جانب سے گواہ عمر سوبانی نے دستخط کیے تھے۔''

کلکتہ کے تاجروں کی طرف سے قائد کے اعزاز کے بعد بمبئی کا تاجر کسی صورت میں پیچھے رہنے والے نہیں تھے۔ لہذا انہوں نے ۵، جون ۱۹۳۸ء کو بمبئی کے مشہور ''قیصر باغ'' میں میمن قوم کی جانب سے ایک شاندار استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ اس استقبالیہ کا اہتمام ''میمن چیمبر آف کامرس'' اور ''میمن مرچنٹ ایسوی ایشن'' نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔ اس اجتماع میں تمام میمن برادریوں کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا کہ وہ ''حامیان پاکستان ہیں''۔ اس تقریب کا مکمل احوال ''۱۰، جون ۱۹۳۸ء میں میمن بلیٹن'' کے شمارے میں شائع ہوا جو حسب ذیل ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس بمبئی میں ۵، جون ۱۹۳۸ء شام پانچ بجے منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت میمن مرچنٹ ایسوی ایشن کے صدر عبدالکریم جان محمد نے کی۔ اس اجلاس میں آل انڈیا میمن کانفرنس کی نمائندگی کرنے کے لیئے، ایک وفد حاجی عمر ماچس والا کی قیادت میں خصوصی طور پر کاٹھیاواڑ سے شریک ہوا تھا۔ اس اجلاس میں میمن برادری کے علاوہ دیگر رہنماؤں میں پنجاب کے وزیراعلی سر سکندر حیات، بنگال کے وزیراعلی فضل الحق اور نواب احمد یار خان، بنگال کے وزیر داخلہ عبدالمتین چوہدری، آسام کے وزیر زراعت اورنگ زیب خان، سندھ کے مسلم لیگ کے رہنما حاجی عبداللہ ہارون، سرحد لیگ کے سید عبدالرؤف شاہ اور ملک برکت علی، سیٹھ عبدالمجید، بمبئی کے میئر سلطان چنوئی، معروف سیاسی رہنما مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان، میمن برادری کے رہنماوں میں حاجی عمر ماچس والا، عبدالغنی میگھانی، عبدالرحیم معرفانی، عمر حاجی ولی محمد دادا، اور دیگر شامل تھے۔ اس تقریب میں عراق کے قونصلیٹ نے بھی شرکت کی۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ جس کے بعد میمن چیمبر آف کامرس اور میمن مرچنٹ ایسوی ایشن کی جانب سے مشترکہ سپاسنامہ الحاج ابراہیم موتی والا نے پڑھ کر سنایا۔ جس کا متن حسب ذیل ہے۔

سپاسنامہ

ملک اور قوم کے قابل فخر سپوت!

آپ کو ملت کا علمبر دار اور ہند کے اقلیتی قوموں کا محافظ کہا جائے تو یہ یقیناً حقیقت کا اعتراف ہوگا۔آپ کی سیاسی زندگی کے کارناموں سے کون ناواقف نہیں، ملک کا بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیئے آپ نے ابتداء سے جو پالیسی اختیار کی ہے اس پر آپ کے ہی زیر قیادت ہند کے نو کروڑ مسلمان چلنے کے لیئے دل وجان سے تیار ہیں۔

آپ نے سیاسی زندگی کا بیش تر حصہ کانگریس میں گزارا ہے۔لیکن آپ نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہی مسلمان بھائیوں کے حقوق کی حق تلفی کی جاتی رہی ہے۔اس لیئے آپ کانگریس سے دست بردار ہو گئے اور اپنی قوم کی تنظیم کا قصد کیا۔ملک اس وقت نازک مرحلوں سے گزر رہا ہے۔مسلمان خواب غفلت میں پڑے تھے۔آپ نے ان کو جگانے کے لیئے ایک مسیحا کی حیثیت سے کام کیا اور مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونکی۔ہم آپ کے ان اصولوں کے ساتھ متفق ہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد ختم کرنے سے پہلے مسلمانوں کو متحد ہو جانے کی سخت ضرورت ہے۔

بمبئی کے رہنے والے میمن، تجارتی برادری سے تعلق رکھتے ہیں سیاست سے ہم ہمیشہ دور رہتے ہیں، لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ کی کوشش میں آپکا ساتھ دیں گے، اور آپ کے حکم کی تعمیل میں اگر جان دینی پڑے تو اس قربانی سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ملک کے کونے کونے میں مسلمانوں نے آپ کو اپنے ایک واحد قائد کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔صرف بمبئی کے مسلمان نہیں ہندبھر کے مسلمانوں کا آپ پر اعتماد ہے،اس لیئے ہم آپ کو کامیابی پر مبارک باد دیتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں اس بات کے لیئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کے ہاتھوں سے ہندوستان آزاد ہو،اور آپ ہند کے تمام مسلمانوں کو اپنے آنکھوں سے آزاد دیکھیں۔

ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ہم نے آپ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔اور آپ کی خدمت میں یہ سپاسنامہ پیش کرتے ہیں۔

آپ کے معتقدین،

حاجی عبداللہ حاجی عبدالغفور،

صدر میمن چیمبر آف کامرس بمبئی۔

اس کے بعد کاٹھیاواڑ کے میمن رہنما حاجی عمر ماچس والا نے قائداعظم کو سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک کاسکیٹ اور روپوں کا پرس پیش کیا۔اس موقع پر میمن کانفرنس کے صدر اور کاٹھیاواڑ کے میمنوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے سیٹھ عمر ماچس والا نے اپنے خطاب میں کہا،

''امیر ملت! میں نہایت ہی خوشی کے ساتھ یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی طرح میمن برادری بھی جان ومال، روپیہ پیسہ، اور ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیتی رہے گی، اور دین اسلام کی خدمت کرتی رہے گی۔ آپ کے کاموں سے میمن برادری بہت خوش ہے اور اس موقعہ پر میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ میمن برادری آپ کے ساتھ ہے۔

قائداعظم نے اس سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا۔

قائداعظم کا جوابی خطاب۔

آج مجھے خوشی ہورہی ہے کہ میمن برادری جیسی تاجر قوم بھی سیاست میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ان کا یہ اقدام اس بات کو ثابت کرتا ہے

کہ مسلم لیگ جو کچھ بھی کر رہی ہے وہ مناسب ہے آج مسلمانوں کا ہر گروپ لیگ کی حمایت میں مستحکم کھڑا ہے۔آج تک ایسے عظیم الشان جلسے، اس طرح سپاسنامہ اور پرس پیش نہیں کیا۔ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں مسلمانوں کے حق کے لیئے کرتا ہوں، آج کا یہ جلسہ دیکھتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو لیگ کی پالیسی منظور ہے۔(یہاں پر لوگوں نے نعرے لگائے منظور ہے! منظور ہے!)

مسلمان لیگ کی پالیسی کا صرف ساتھ ہی نہیں دے رہے بلکہ اپنی جان و مال کے ساتھ مدد کرنے کو تیار ہیں، ہمیں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ ہم جس راہ پر کام کر رہے ہیں وہ راہ بڑی صاف اور صحیح ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔آخر میں جناح صاحب نے میمن برادری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پرزور اپیل کی کہ، سب مسلمان مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیئے پوری کوشش کریں۔

جلسہ سے دیگر مقررین کا خطاب۔

قائد کے بعد پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات نے اپنے خطاب میں کہا کہ میمن قوم جیسی تاجر قوم نے پیش قدمی کی ہے اور مسٹر جناح کو سپاسنامہ اور پرس دے رہی ہے۔اس بات پر میں میمن قوم کو مبارکباد دیتا ہوں، قومی کاموں میں رہنماؤں کی دانش، عالموں کا علم، سپاہیوں کی شجاعت اور تاجروں کی دولت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔مسلمانوں میں سپاہیوں کی کمی نہیں، آج یہ دیکھ کر خوشی محسوس ہو رہی ہے، کہ میمن قوم جیسی تاجر قوم بھی میدان عمل میں شامل ہو گئی ہے۔

ان کے بعد بنگال کے وزیر اعلیٰ فضل الحق نے اپنے مختصر سے خطاب میں میمن برادری کی تجارتی سرگرمیوں کو بیان کرنے کے بعد اس بات کی خوشی کا اظہار کیا کہ اس برادری نے ہندوستان میں مسلم لیگ کی سیاسی پالیسیوں کے ساتھ شامل حال ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ مسلمانوں کو اپنے خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔

ان کے بعد آل انڈیا میمن کانفرنس کے سابق صدر اور سندھ کے اہم سیاسی رہنما سر حاجی عبداللہ ہارون نے خطاب کیا۔آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج کا دن میرے لیئے یادگار دن ہے کہ میری قوم تجارت سے وابستہ قوم ہے، اور یہ سیاست میں حصہ نہیں لیتی، لیکن جب پورے ہندوستان بھر کے حقوق کی حفاظت کا سوال آیا ہے تو اس میں پیش پیش اور دلچسپی لیتے ہوئے دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے۔اس نے امیر الملت کو سپاسنامہ ہی نہیں دولت کا پرس بھی پیش کیا ہے۔ مجھے کہنے دو اور آج میں فخر کے ساتھ کہوں گا کہ اس بارے میں بمبئی کے اندر اس باب کا آغاز کرنے والی میری ہی قوم ہے۔

دوسری مسلم قومیں بھی اسی طرح ان کے نقش قدم پر چلیں گی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں میری قوم کا یہ شاندار افتتاح سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔اس جلسے میں شریک ہو کر جو پیش قدمی کی ہے مجھے اس پر فخر ہے میں خداوند تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں مسلمانوں کو اپنے جائز حقوق حاصل کرنے اور ان کا تحفظ کرنے کی طاقت عطا کرے۔(آمین)

پروگرام کے آخر میں مولانا ظفر علی نے میمن قوم کی شاندار کارکردگی کو سراہتے ہوئے ان کو شایان شان منظوم خراج تحسین پیش کیا۔جس کے بعد جلسہ کا اختتام ہوا۔ [۲۳]

قائداعظم کو سندھ مسلم لیگ کا استقبالیہ۔

مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلے میں میمن قوم کی طرف سے کلکتہ اور اس کے بعد بمبئی کے تاجروں کی طرف سے شاندار استقبالیہ کے بعد کراچی میں آباد میمن قوم کے تاجر اور سیاسی رہنماوں نے ۸، اکتوبر تا ۱۲، اکتوبر ۱۹۳۸ء تک کراچی میں سندھ مسلم لیگ کانفرنس کا انعقاد کیا۔ کراچی میں منعقدہ ہونے والے اس اجلاس کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی کے مطالبہ کی قرارداد پیش کی گئی اور جو بعد میں ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کی صورت میں عملی طور پر سامنے آئی۔ ۸، اکتوبر کے اجلاس میں سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس میں سر حاجی عبداللہ ہارون نے اپنے خطاب کے بعد قرارداد پیش کی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کسی جلسے میں پاکستان کے مطالبے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔اس کانفرنس نے اپنی قرارداد میں کانگریس کو اس کی اس حکمت عملی پر کہ وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان پر حکومت کرنے کی پالیسی اور ہندو صوبوں میں مسلمانوں کو شریک اقتدار کرنے سے انکار پر اظہار افسوس کیا کہ ہندوراج مسلمانوں پر مظالم کا باعث ہے،اور کانگریسی جماعت کو آمرانہ اور فاشی قرار دیا۔اس کے بعد اس نے کانگریس کی ایسی بدعمالیوں کو شمار کرایا، جیسے ودیا مندر منصوبے کا اجراء، بندے ماترم کو مسلمانوں کے سر تھوپنے کا عمل، دیوناگری رسم الخط کے ساتھ ہندی کو ہندوستان کی بین الاقوامی زبان بنانے کی کوشش، لوکل باڈیز میں مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کا نفاذ، اردو کی حوصلہ شکنی اور مسلمانوں کے بنیادی حقوق سے انکار، اس قرارداد میں مزید کہا گیا تھا کہ ان حالات کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ

> ''دوقوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے حق خوداختیاری'' کا یقین حاصل کرنے کے لیئے اس پورے سوال پر کہ ہندوستان کا ایسا موزوں دستور کیا ہونا چاہیئے کہ اس سے انہیں وہ باعزت اور جائز حیثیت حاصل ہوجائے جس کے وہ مستحق ہیں۔اس کے ساتھ یہ سفارش کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو ایک ایسا دستور وضع کرنا چاہیئے،''جس کے تحت مسلمان مکمل آزادی حاصل کرسکیں۔''

مسلم لیگ کی صوبائی شاخ نے پہلی مرتبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیئے جداگانہ ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا۔مسلمانوں نے پہلی مرتبہ حق خوداختیاری کا تذکرہ شروع کیا۔اور پہلی مرتبہ انہوں نے ایک ایسے دستور کے لیئے اپنے مطالبے کا اظہار کیا،جس کے تحت وہ مکمل آزادی حاصل کرسکیں۔ [۴۴]

کانفرنس کے اختتام کے بعد سر آغاخان کے نام اپنے ایک خط میں حاجی عبداللہ ہارون نے اس امر کی جانب اشارہ کیا کہ مسلم لیگی حلقے بڑی سنجیدگی کے ساتھ مسلم ریاستوں اور صوبوں کے ایک علیحدہ وفاق کے حصول کے امکانات پر غور کررہے ہیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ہندوؤں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرلیں۔سندھ میں مسلم لیگ کی اس تاریخی کانفرنس نے وہاں کے سیاسی ماحول میں ایک نئی روح پھونک دی، اور وہ دن کراچی میں عید کے دن سے کم نہ تھا۔اور یہ اجلاس موجودہ مسلم جیم خانہ کی جگہ پر منعقد کیا گیا تھا۔کراچی میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں برصغیر میں پہلی مرتبہ مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک وفاق بنانے کے لیئے قرارداد کے ذریعہ تجویز پیش کی گئی تھی۔ جو بعد میں بلاشبہ قرارداد

پاکستان کی بنیاد بنی۔

ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کی تنظیم نو، اور پرجامنڈل تحریک۔

راجکوٹ کو کاٹھیاوار اور ریاست کچھ میں مسلم لیگ کے ایک اہم گڑھ کی حیثیت حاصل تھی۔ مسلم لیگ کاٹھیاوار میں ۱۹۲۳ء میں عبدالغنی بیگ محمد باوانی کی قیادت میں قائم کی گئی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اور ہندوستان کے سیاسی منظر نامہ پر مختلف اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے اُس کی کارکردگی اتنی فعال نہیں رہی تھی۔ اور ویسے بھی اُن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے بہت سے امور میں اکثریت کے سامنے موقع محل کی مناسبت سے چلنا پڑتا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کی صورت میں ۱۹۳۸ء میں جناب لطیف ابراہیم باوانی کی سربراہی میں مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لیے راجکوٹ میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ جس میں جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈووکیٹ کو صدر منتخب ہونے کے بعد کاٹھیاواڑ میں مسلم لیگ کی کارکردگی میں نمایاں اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر راجکوٹ کے محاذ پر تاریخی سیاسی فتح حاصل کی گئی، جس کی وجہ سے گاندھی جی جیسے لیڈر وہاں پر چلنے والی ''پرجامنڈل تحریک'' میں ناکام لوٹے۔ [۴۵]

پرجامنڈل تحریک اور وہاں پر گاندھی جی کی سیاسی ناکامی:۔

اب ہمیں پرجامنڈل تحریک کا جائزہ لینا ہوگا جس کی ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے گاندھی جی راجکوٹ سے خالی ہاتھ لوٹ گئے اس تحریک کا اصل محرک راجکوٹ کا راجہ دھرمیندر سینا کی عیاشیانہ طرز زندگی تھی جس کے لیے وہ دولت کے بے دریغ استعمال کرتا اور اُس کے حصول کے لیے غلط قسم کے ہتھکنڈوں سے عوام پر بیجا محصولات کا بوجھ ڈالنا، جس کی وجہ سے وہاں پر عوام میں بے چینی جو اس تحریک کا محرک بنی۔

اس وقت تک برٹش انڈیا کے اکثر صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں بن چکی تھیں اور اچھے خاصے اختیارات کانگریس کو حاصل ہو چکے تھے اور اُس کا ایک ہی مقصد تھا کہ انڈین فیڈریشن میں سے مستقبل میں جو بھی نمائندے آئے ان میں زیادہ تعداد کانگریس کے اپنے لوگوں کی ہو، اس طرح ان کو پورے ہندوستان میں سیاسی اکثریت حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ پورے ہندوستان میں کاٹھیاواڑ کو معاشی طور پر مستحکم ہونے کی وجہ سے اُسے ایک خاص اہمیت حاصل تھی، اور راجکوٹ اُس کے صدر مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہ ہی وجہ تھی کہ کانگریس کی اس سلسلے میں پوری کوشش تھی کہ وہاں پر اپنی بالادستی قائم کرلے ایسی صورت میں اُسے ہندوستان کے اُس وقت کے سیاسی منظر نامہ پر بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ اور اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے گاندھی جی کی پوری کوشش تھی کہ وہ اس معرکہ میں کامیابی حاصل کرلیں۔

لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ دیسی رجواڑوں کو اختیارات سے محروم کر کے سارے اختیارات عوام کو منتقل کیے جائیں جس کے لیے ایک عوامی تحریک کا چلنا ضروری تھا۔ مندرجہ بالا مقاصد کے تحت کانگریسی لیڈروں نے راجکوٹ میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جبکہ کانگریس اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہاں پر پوری طرح سے سرگرم عمل تھی۔ لہذا اُس وقت کے سیاسی منظرنامہ پر راجکوٹ کی سیاسی اہمیت میں بے پنہاں اضافہ ہوگیا تھا۔ اوراسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے گاندھی جی نے راجکوٹ کے اس محاذ کو جیتنے کے لیئے خود وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔
جس کے پیچھے پیچھے کانگریسیوں کی ایک فوج وہاں پر آ کر جمع ہوگئی۔ گاندھی جی کی راجکوٹ کی اس تحریک میں شمولیت کی وجہ سے اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی، اوراس تحریک کے بارے میں خبریں ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی سرخیوں میں چھپنے لگیں۔ [۲۶] گاندھی جی نے اپنے سیاسی تجربہ کو استعمال کرتے ہوئے وہاں کے مسلم لیگ کے رہنماؤں کو کانگریس کی حمایت کرنے پر اُن کے تمام مطالبات کی منظوری تک کی شرط رکھی۔ مگر راجکوٹ کے مسلم رہنما اُن کی اس سیاسی حکمت عملی کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے، اگر اُس وقت یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو کاٹھیاواڑ اور ریاست کچھ سے مسلم لیگ کے وجود کے خاتمہ ہو جاتا۔ جو کانگریس کی بہت بڑی فتح ہوتی۔ لیکن اُس وقت راجکوٹ میں مسلم لیگ کے رہنما جن میں عثمان عیسیٰ بھائی وکیل نے اپنے رفقاء عبدالغنی جتانی، عبدالرحیم میگانی، عبدالرحمٰن معرفانی، سیٹھ دادا مودی، کے ساتھ مل کر اور ٹیلیفون پر قائداعظم محمد علی جناح سے مشاورت کرتے ہوئے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا، اور گاندھی جی یہ کہتے ہوئے راجکوٹ سے خالی ہاتھ رخصت ہوئے کہ

''یہاں کے مسلمان مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں'' [۲۷]

راجکوٹ کے مقامی رہنما:۔

یہاں پر ہم راجکوٹ میں نمایاں طور پر اپنی خدمات دینے والے رہنماؤں کا تعارف نہ کریں تو اُن بزرگوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی کیونکہ اُن کی محنتوں اور کاوشوں سے راجکوٹ کو تحریک پاکستان میں ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ جہاں سے کاٹھیاواڑ میں آباد مسلمانوں میں جدوجہد پاکستان کی تحریک کو ایک نیا موڑ دیا جس کا ثبوت جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کا اعلان تھا۔

جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈووکیٹ:۔

عثمان عیسیٰ بھائی ایڈووکیٹ کا شمار جدوجہد آزادی کے صف اول کے قائدین میں ہوتا ہے۔ عثمان بھائی نے تحریک پاکستان کے انتہائی نازک دور میں انتہائی گراں قدر خدمات انجام دیں جس کا اعتراف خود قائداعظم محمد علی جناح نے کئی مواقعوں پر کیا۔ قائد کا یہ اعتراف تاریخ میں ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔
عثمان عیسیٰ بھائی ۷، فروری ۱۹۰۰ء کو جام نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے جام نگر میں سر عبدالکریم جمال کا سکول سے حاصل کی بعد میں جام نگر اسٹیٹ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ آپ کے والد عیسیٰ بھائی جب اپنے والد سے الگ ہوئے تو اُس وقت ان کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اور ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا تعلیم حاصل کرے۔ کہتے ہیں نہ نیت صاف تو منزل آسان اُن دنوں اُن کی تعلیم کے لیے اسکالرشپ کا

انتظام ہوگیا اور آپ ۱۹۲۴ء میں بہاوالدین کالج جونا گڑھ سے بی اے (آنرز) (فارسی) کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۶ء میں بمبئی یونیورسٹی سے ایل ایل بی امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ جس کے بعد آپ ۱۹۲۶ء میں راجکوٹ بورڈنگ ہاؤس میں سپریٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اُن دنوں یہ بورڈنگ ہاؤس کاٹھیاوار ایجوکیشن بورڈ کے زیر انتظام چل رہا تھا۔

راجکوٹ بورڈنگ ہاؤس کی میمن قوم کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل رہی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے وہاں پر سپرٹینڈنٹ کا عہدہ چھوڑا تو بورڈنگ ہاؤس کی مینجنگ کمیٹی نے آپ کی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے وہاں پر اعزازی جنرل سیکریٹری کے عہدے پر فائض کیا۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو بورڈنگ ہاؤس کے صدر کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

عثمان عیسٰی بھائی راجکوٹ میں ''دی ینگ مینس میمن ایسوی ایشن'' کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کیا اور آپ اس کے صدر منتخب ہوئے اس کے علاوہ سول اسٹیشن میمن جماعت راجکوٹ کے نائب صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، آپ کاٹھیاواڑ کی بہت سی سیاسی، سماجی اور فلاحی تنظیموں کی سرپرستی کرتے رہے۔ کاٹھیاواڑ میں جن سماجی اور فلاحی تحریکوں نے جنم لیا اُن میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کو وہاں پر جناب عبداللطیف ابراہیم باوانی (کاکا باوانی) کے تعاون سے تنظیم نو کا سلسلہ شروع کیا، اور قیام پاکستان تک اُس کو کاٹھیاواڑ میں انتہائی فعال انداز میں رواں دواں رکھا۔

۱۹۳۸ء میں گاندھی جی نے کاٹھیاواڑ کی دیسی ریاستوں میں عوامی حکومت کے قیام کیلئے تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنا بھرپور زور لگادیا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس کے پیچھے گاندھی جی کے دو مقاصد کارفرما تھے۔ دراصل کاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اگر عوامی حکومت بنتی تو ہندو اکثریت کی بنیاد ان کی بنتی دوسرا مقصد یہ تھا کہ ۱۹۳۵ء کے قانون کی رو سے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی قائم ہوتو اس میں بھی کاٹھیاواڑ کی ریاستوں سے بھاری تعداد میں ہندو نمائندے منتخب ہوں۔ عثمان بھائی نے گاندھی جی کا یہ منصوبہ بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ قائداعظم سے مشاورت سے گاندھی جی سے طویل مذکرات کیئے۔ اس طرح عثمان بھائی نے قائداعظم کی قیادت میں اپنے اعلیٰ فہم وفراست سے گاندھی جی کی اس تحریک کو ناکامی سے دوچار کیا اور گاندھی جی کو اعلانیہ طور پر یہ اقرار کرنا پڑا کہ راجکوٹ کے مسلمانوں کی سمجھ بوجھ مجھ سے کہیں زیادہ ہے جب اس کامیابی کا علم قائداعظم کو ہوا تو انہوں نے کہا۔

''یہ گاندھی جی کی پہلی سیاسی شکست ہے، ایسی چند شکستوں کے بعد پاکستان ضرور بن جائے گا'' [۲۸]

کاٹھیاواڑ کی ریاستوں میں جب بھی فساد ہوتے تو ہندو اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹے مقدمے درج کروادیتے تھے۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۷ء تک جتنے بھی جھوٹے مقدمے مسلمانوں کے خلاف درج ہوئے ان تمام میں عثمان بھائی نے ہمیشہ بحیثیت وکیل صفائی مسلمانوں کی خدمات انجام دیں۔ آپ کو ۱۹۴۴ء میں حکومت برطانیہ نے ''خان بہادر'' کا خطاب دینے کی پیش کش کی۔ لیکن آپ نے خطاب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

عثمان بھائی کی صدارت میں راجکوٹ میں ینگ مینس میمن ایسوی ایشن کی کوششوں سے ۱۹۳۱ء میں راجکوٹ میں پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس بلائی گئی جس کی صدارت سرآدمجی حاجی دادو اور استقبالیہ صدر کے طور پر حسین قاسم دادا تھے اسی طرح دوسری میمن کانفرنس ۱۹۳۳ء جام نگر میں تیسری میمن کانفرنس ۱۹۳۴ء میں ماناودر اور چوتھی میمن کانفرنس ۱۹۳۵ء میں پوربندر میں منعقد ہوئی اور ان چاروں میمن کانفرنسوں میں عثمان عیسٰی بھائی نے انتہائی اہم اور کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

جناب حاجی داداولی محمد سیٹھ :۔

جناب حاجی داداولی محمد جنہیں عرف عام میں "دادا سیٹھ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔آپ راجکوٹ اسٹیٹ مسلم کونسل کے صدر کے عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے،آپ کا شمار راجکوٹ کے اہم ترین لیڈروں میں ہوتا تھا۔دادا سیٹھ چمڑے کے کاروبار سے وابستہ ہونے کے ساتھ وہاں پر سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی بھر پور حصہ لیتے تھےاس کے علاوہ آپکو راجکوٹ کی تمام مسلم تحریکوں کی سربراہی کا شرف حاصل تھا۔اس کے ساتھ ساتھ آپ مسلم یتیم خانہ راجکوٹ کے منتظم بھی رہے۔دادا سیٹھ کو راجکوٹ دربار اور انگریز ایجنسی دونوں جگہ میں بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور انگریز سرکار نے آپ کو "خان صاحب" کے خطاب سے نوازا تھا۔جس کو آپ نے مسلم لیگ کی کال پر واپس کردیا تھا۔ راجکوٹ میں آپ کا شمار اُن دنوں انتہائی مخیّر لوگوں میں ہوتا تھا۔جس وقت عثمان عیسیٰ بھائی اپنی ذاتی مصروفیات کی بنا پر راجکوٹ سے جوناگڑھ میں شفٹ ہوئے جس کے بعد ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کی صدارت کے عہدے پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ [۲۹]

جناب عبدالرحیم معرفانی :۔

راجکوٹ میں تیسری بڑی شخصیت جناب عبدالرحیم معرفانی جو وہاں کی سماجی اور سیاسی حلقوں میں مسلمانوں کے سرگرم رہنما کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔آپ پروقار چہرہ،میٹھی زبان اور بات کرنے کی مخصوص ادا کی وجہ سے عوامی حلقوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔آپ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری کے عہدے پر آٹھ سال تک کام کرتے رہے۔راجکوٹ میں آپ کی ایک بیکری اور ایک ریستوران تھا،جن کا انتظام انھوں نے اپنے بیٹوں کے سپرد کر رکھا تھا اور خود عوامی کاموں میں سرگرم عمل رہتے تھے۔آپ مذہبی علوم میں اور خاص کر سیرت پاک پر وسیع معلومات رکھتے تھےاور اسی وجہ سے پورے راجکوٹ میں مذہبی پروگراموں اور خصوصاً ربیع الاول کے دنوں میں آپ کو دور دراز سے خطاب کرنے کے لیے مدعو کیا جاتا تھا اور اُس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے.جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت کا کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں میں ایک خاص اثر ورسوخ قائم تھا۔[۳۰]

جناب عبدالغنی دادا بھائی جتانی :۔

موربی ٹنکارہ کی سرزمین نہایت مردم خیز رہی ہے اور وہاں کے لوگ اپنی انا اور رعب داو کے لیئے شہرت رکھتے تھے لگن کے پکے اور بات کے دھنی جس کی ایک مثال جناب عبدالغنی دادا بھائی جتانی تھے۔آپ ۱۸۹۵ء میں ٹنکارا میں پیدا ہوئے والد صاحب دادا بھائی وہاں پر واقع جُتانی ٹیکسٹائل مل، میں اسٹور میں کام کرتے تھےآپ کو شروع ہی سے خدمت خلق اور عوامی سرگرمیوں کا شوق تھا۔ ۱۹۱۷ء میں بائیس سال کی عمر میں آپ نے ہوم رول لیگ کی تحریک میں حصہ لیا اور ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت سے وابستہ ہوئے.موربی میں ماڑیا مسجد کے تنازعہ کو سلجھانے میں آپ

نے انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔

جناب جُتانی میمن قوم کے سماجی مسائل کے حل کے لیئے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے تھے۔آپ ''راجکوٹ میمن ایسوسی ایشن" کے امور میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں راجکوٹ میں گجرات کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں اور اس کے بعد ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا میمن کانفرنس میں پیش پیش رہا اس کانفرنس کی صدارت سر آدمجی داود نے کی اور اس میں جنرل سیکریٹری کے عہدے پر آپ فائز ہوئے۔اس کے علاوہ آپ میمن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کے بانی ارکان میں شامل تھے۔

۳۸۔۱۹۳۷ء میں راجکوٹ میں ''پرجا منڈل'' کی تحریک میں گاندھی جی کے مقابلے میں تاریخی کردار ادا کیا۔آپ قائداعظم سے مشاورت اور ساتھیوں کی معاملہ فہمی کی وجہ سے گاندھی اور ولبھ بھائی پٹیل جیسے لوگوں کو اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

جناب جُتانی، نے تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا اور بمبئی میں فسادات کے وقت بنائی جانے والی ''مسلم ریلیف کمیٹی'' کے ایک رکن کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں پر بھرپور سماجی خدمات سے وابستہ ہوگئے ۱۹۵۸ء میں ''میمن میڈیکل سوسائٹی'' قائم کی اور اس کے زیر اہتمام ''میمن اسپتال'' برنس روڈ کراچی میں قیام عمل میں آیا اور جس کے آپ فاونڈر صدر منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے اپنی پوری زندگی میمن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ [۳۱]

جناب عبدالغنی دادا بھائی میگھانی:۔

جناب عبدالغنی دادا بھائی میگھانی کاٹھیاواڑ کی مسلم سیاست اور میمن قوم کی سماجی خدمات میں گراں قدر خدمات انجام دینے والی اہم شخصیتوں میں سے ایک شخصیت تھیں۔ آپ نے اپنی سماجی خدمات کا آغاز ۱۹۲۳ء میں انجمن حمایت اسلام اور سیوا سماج سے کیا۔ ۱۹۲۴ء میں راجکوٹ ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' کے قیام کے فاونڈر ممبروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، اور قیام پاکستان تک آپ (۲۳) تئیس سال تک اُس کے سیکریٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔آپ ۱۹۳۱ء میں راجکوٹ میں منعقدہ پہلی آل انڈیا میمن کانفرنس کے انتظامات میں اس قدر دلچسپی لی کہ لوگوں نے آپ کو ''اُم الکانفرنس'' (کانفرنس کی ماں)'' کے خطاب سے نوازا۔ آپ نے چاروں آل انڈیا میمن کانفرنس میں جوائنٹ سیکریٹری کی حیثیت سے انتہائی اہم خدمات انجام دیں۔آپ تعلیمی اعتبار سے بہت زیادہ پڑھے لکھے تو نہ تھے لیکن خدا نے حافظہ بہت اچھا عطا کیا تھا۔راجکوٹ میں ''پرجا منڈل'' تحریک کے معرکہ کے دوران گاندھی جی کو مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کی روداد جس ترتیب سے بیان کی کہ گاندھی جی بھی آپ کے حافظے کے قائل ہوگئے، جناب عبدالغنی دادا بھائی میگھانی کا کام کاج راجکوٹ میں دیسی دوائیوں کا تھا، اور وہاں پر میگھانی فارمیسی کے نام سے ادویات کی کمپنی قائم کی ہوئی تھی آپ کے خاندان کو اس کام میں وسیع تجربہ حاصل رہا ہے۔ [۳۲]

جناب حکیم عبدالرحمٰن معرفانی:۔

جناب حکیم عبدالرحمٰن معرفانی بھی راجکوٹ کے اُن مسلم رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے راجکوٹ کی تحریک کو تاریخ میں ایک اہم

مقام دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔آپ ۱۹۰۲ء میں راجکوٹ میں پیدا ہوئے آپ کے والد صاحب حکمت کے پیشے سے وابستہ تھے لہذا بعد میں آپ بھی اس شعبے سے وابستہ ہوئے،آپ کی تیار کردہ دوائیاں جو معرفانی دوائیاں کے نام سے پورے کاٹھیاواڑ میں مشہور تھی،اور قیام پاکستان کے بعد کراچی میں آج بھی بہت سے بزرگ مانک واڑہ کراچی میں قائم ان کے دواخانے سے استعفادہ حاصل کرر ہے ہیں۔آپ حکمت کے ساتھ ساتھ قوم کے لئے درد بھی رکھتے تھے۔آپ ہمیشہ راجکوٹ میں مسلمانوں کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔آپ کی شخصیت انتہائی ٹھنڈے دماغ اور سمجھ بوجھ کے حامل تھی۔ [۳۳]

ہندوستان میں مسلمانوں کی آواز کو رائے عامہ تک پہنچانے کے لیئے قومی اخبار کی ضرورت واہمیت۔

تحریک پاکستان کی جدو جہد کے اُن دنوں پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی میدان میں پسماندگی کی وجہ سے وہ پریس اینڈ پبلیکیشن (اخبار اور رسل ورسائل) کے شعبے میں ہندوؤں کے مقابلے میں پسماندہ تھے۔جس کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی آواز اور اُن کے پروگرام عوام تک نہیں پہنچ پار ہے تھے۔جب کے اس کے برعکس ہندووں اپنے رہنماؤں کی خبریں نمایاں طور پر اپنے اخبارات اور رسائل کے ذریعے ہندوستان کی رائے عامہ پر اپنے اثرات مرتب کرر ہے تھے۔قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر مسلم رہنماوں نے اس بات کا شدت سے احساس کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے مسائل کی ہندوستان میں رائے عامہ کی صحیح عکاسی کرنے کے لیئے ایک ایسا اخبار کا اجراء کیا جائے جو پورے ہندوستان کی رائے عامہ میں مسلمانوں کی آواز پہنچا سکے۔اس سلسلے میں ضرورت اس بات کی تھی کہ اس اخبار کے اجراء کے لیئے پریس کی مشینری خریدنے کے لیئے ایک بڑی رقم کی ضرورت درکار تھی،اس سلسلے میں قائداعظم نے ایک ''لیگ پریس فنڈ'' کے قیام کا فیصلہ کیا۔اور اس فنڈ کے لیئے عطیات جمع کرنے کے لیئے جنوری ۱۹۴۰ء میں کاٹھیاواڑ اور گجرات کا دورہ کیا۔

اس دورے کی مستند رپورٹ ''ہفت روزہ مسلم بلیٹن'' ۱۹۴۰ء راجکوٹ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔جس سے ہم استفادہ کرتے ہوئے یہاں پر شامل کرر ہے ہیں۔اُس وقت اس شمارے کے مدیر جناب نورمحمد جمال نور تھے جو قیام پاکستان کے بعد بھی کراچی کے مختلف گجراتی روزناموں جس میں وطن اور ماہنامہ میمن عالم سے بھی منسلک رہے۔

قائداعظم کا دورہ کاٹھیاواڑ ابتداء راجکوٹ سے:۔

جنوری ۱۹۴۰ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے''لیگ پریس فنڈ'' اکٹھا کرنے کی غرض سے کاٹھیاواڑ کا دورہ کیا پروگرام کے مطابق آپ کو پہلے دھوراجی میں جانا تھا لیکن انہوں نے اُس میں تبدیلی کرتے ہوئے سب سے پہلے راجکوٹ میں آنے کا فیصلہ کیا کہ وہ وہاں کے مسلمانوں اور خصوصاً اُن رہنماؤں کو مبارکباد دینا چاہتے تھے جنہوں نے گاندھی جیسے بڑے سیاست دان کو راجکوٹ سے خالی ہاتھ لوٹ جانے پر مجبور کردیا تھا۔

۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء کو راجکوٹ کی تاریخ کا یادگار دن،اُس دن راجکوٹ کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور مختلف راستوں پر ۲۳ رہنماؤں کے ناموں کی بڑی بڑی مہرابیں بنائی گئی تھیں۔جن میں چند ان ناموں پر مشتمل تھیں جس میں باب اسلام،باب مسلم لیگ،باب جناح،

باب مسلم کونسل، باب مولانا محمد علی، باب فضل الحق، باب سکندر، باب کھتری اسماعیل چندریگر، باب عبدالغنی بیگ محمد باوانی، باب سر عبدالکریم بھائی، باب سیٹھ ابوبکر میمن وغیرہ بنائی گئی تھی۔

ٹھیک تین بجے دن قائداعظم کی ٹرین راجکوٹ پہنچی تو لوگوں نے فلک شگاف نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اسٹیشن پر کاٹھیاواڑ مسلم لیگ اور راجکوٹ اسٹیٹ کونسل کی جانب سے پھولوں سے گل پاشی کی گئی۔ قائداعظم کو چار گھوڑوں کی بگھی میں بیٹھا کر ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں الفرڈ ہائی اسکول کے میدان میں اجلاس کی جگہ پر لے جایا گیا۔ اس اجلاس میں جناب حاجی دادا ولی محمد سیٹھ اور دیگر تمام راجکوٹ کے اہم مسلم قائدین نمایاں طور پر شریک تھے۔ شام کو راجکوٹ کے پارسی بیرسٹر انکل سیریا نے قائداعظم کے اعزاز میں ٹی پارٹی کا اہتمام کیا ہوا تھا۔

رات کو راجکوٹ کی مسلم عوام کی جانب سے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں ایک انتہائی اہم واقعہ پیش آیا جس سے راجکوٹ کے عوام کا قائداعظم سے والہانہ لگاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس جلسہ میں قائداعظم نے اپنے کاٹھیاواڑ کے دورے کا مقصد اور لیگ پریس فنڈ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس جلسہ میں مقررین کے خطاب کے بعد عوام میں پریس فنڈ کے لیئے چندہ جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اس مہم میں ایک نوجوان جو اپنی پورے دن کی مزدوری کی رقم ایک روپیہ کما کر لایا تھا وہ اس نے پریس فنڈ میں دے دیا جب قائد کے علم میں یہ بات آئی تو انھوں نے اُسے اپنے پاس بلا کر گلے لگایا، اور جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"اگر ایسا ہی جذبہ رہا تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو بننے سے نہیں روک سکتی"

بعد میں اُس ایک روپیہ کی عام نیلامی کی گئی اور اُسے دو سو روپے میں عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ نے خرید لیا۔

قائداعظم گونڈل میں۔

راجکوٹ کے بعد قائداعظم اس سے اگلے دن گونڈل پہنچے تو ہزاروں لوگوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ ریاست کے سرکاری بینڈ نے آپ کو سلامی دی۔ اُس دن پورے گونڈل شہر میں تمام کاروباری مراکز کو بند رکھا گیا تھا۔ اور لوگوں میں بڑا جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ قائد کے گونڈل پہنچتے ہی اُن کو جلوس کی صورت میں جلسہ گاہ تک لایا گیا۔ جس کے بعد سیٹھ نور محمد میمن کی صدارت میں اس جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ جس کے بعد سیٹھ نور محمد نے قائد کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا، اپنے خطاب کے ساتھ ہی آپ نے "لیگ پریس فنڈ" میں خطیر رقم کی عطیہ کی تھیلی پیش کی۔ قائد نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا۔

"آپ لوگوں نے مجھے جو اعزاز بخشا ہے اس کا شکر گزار ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گونڈل ریاست کے لیئے میرے دل میں بڑی عزت ہے۔ مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میرے آباؤ اجداد کی پیدائش کا گاؤں "پانیلی" اسی ریاست میں واقع ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کی ریاست کے حکمراں منصف ہیں، یہاں کے مسلمانوں کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے پاس سیٹھ نور محمد میمن جیسا سراپا مخلص، نیک اور

فراخدل رہنما موجود ہے۔" جلسے کے اختتام پر گونڈل کے مہاراجہ نے قائداعظم کو ٹی پارٹی پر مدعو کیا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ وہاں کی سرکاری ملکیتوں کو اپنے ذاتی نام پر منتقل کروالیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو دیس آزاد ہوتے ہی کاٹھیاواڑ کی تمام ریاستیں ختم ہو جائیں گی، اور اس طرح آپ کی ریاست بھی ہاتھ سے نکل جائے گی، جس کے بعد تمام سرکاری ملکیتوں سے آپ کا حق ختم ہو جائے گا۔ قائد کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے، مہاراجہ نے ریلوے کے ساتھ تمام ملکیتوں کو اپنے ذاتی نام پر منتقل کروالیا تھا۔

قائداعظم دھوراجی میں۔

گونڈل شہر کے بعد قائداعظم ریاست گونڈل کی تجارتی شہر دھوراجی تشریف لے گئے۔ جہاں پر حاجی عمر ماچس والا کی قیادت میں آپ کو شاندار جلوس میں شہر کا گشت کرانے کے بعد عمر ماچس والا کی رہائش گاہ پر دھوراجی کے معززین کی بڑی تعداد پر جمع تھی۔ جہاں پر یہ جلوس رات کو آٹھ بجے پہنچا، اور وہاں پر آئے ہوئے معززین، اور تاجروں نے بڑی تعداد میں لیگ پریس فنڈ کے لیئے عطیات جمع کروائے۔ اُس کے اگلے دن قائداعظم کو دھوراجی میں قائم مسلم ہائی اسکول اور فاروقی مسجد کو دیکھنے لے جایا گیا۔ جس کے بعد آپ وہاں سے جوناگڑھ کے لیئے روانہ ہو گئے۔

جوناگڑھ میں قائداعظم کا استقبال۔

کاٹھیاواڑ میں جوناگڑھ کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے اور وہاں پر صدیوں سے مسلم حکمران ہونے کی وجہ سے اس کا اپنا ایک خاص تشخص قائم تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا قافلہ جب جوناگڑھ میں پہنچا تو وہاں پر سورٹھ جمیعت المسلمین کی جانب سے ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جوناگڑھ کے عوام اپنے رہبر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیئے ہزاروں کی تعداد میں اُمنڈ آئے۔ اور قائد کو پھولوں کے اتنے ہار پہنائے گئے کہ وہ اُس میں پوری طرح ڈھک گئے۔ قائد کے اعزاز میں خطبہ استقبالیہ اُس وقت کے کاٹھیاواڑ کے اردو زبان کے نامور مصنف قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے پیش کیا۔ قائداعظم نے اس موقع پر اپنے خطاب میں کہا کہ،

"پچھلے ڈھائی سال سے مسلم لیگ نے مسلمانوں کو کافی حد تک جگایا ہے۔ اب کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو بھی متحد ہو جانا چاہئے۔"

آپ نے اپنے خطاب کے دوران جوناگڑھ کی چند پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"۔۔۔۔۔میں جب دس سال کا تھا تو اُس وقت جوناگڑھ آیا تھا۔ اُس وقت میری والدہ نے میرے لیئے منت مانی تھی۔ اب ایک عرصہ دراز کے بعد جوناگڑھ میں آکر مجھے واقعی بے انتہا مسرت ہوئی ہے۔"

آپ نے جوناگڑھ کے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ

"۔۔۔۔۔اس بات کو آپ خوب یاد رکھ لیں کہ جوناگڑھ کے مسلمانوں کی پشت پناہی میں ہند کے نو کروڑ مسلمان ہیں۔"

قائد کے خطاب کے بعد جوناگڑھ کے علاوہ ویراول، ونتھلی اور دیگر علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں نے لیگ پریس فنڈ کے لیئے بڑی تعداد میں عطیات جمع کروائے۔

قائداعظم کا مانگرول میں شاندار استقبال۔

دوسرے دن ۲۴، جنوری ۱۹۴۰ء کی صبح قائداعظم مانگرول تشریف لائے۔ وہاں کے نواب شیخ صاحب نے جناح صاحب کو اپنے محل میں دعوت پر مدعو کیا۔ وہاں سے آپ کو شہر میں چاندی کی بگھی میں ریاست کی ملٹری کی حفاظت میں جلوس کی صورت میں شہر میں لایا گیا۔ مانگرول کے لوگوں نے پھولوں کے ہاروں سے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ شہر کے ہندو اور مسلمان اسکولوں کے بچوں نے استقبالیہ گیت گا کر خوشی کا اظہار کیا۔ آخر میں مانگرول کے مسلم عوام کی جانب سے لیگ پریس فنڈ میں عطیات جمع کروائے۔

قائداعظم ماناودر میں۔

قائداعظم مانگرول سے جب بانٹوا جانے کے لیئے روانہ ہوئے، تو راستے میں ماناودر کے مسلمانوں نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ یہاں پر ''امیر منزل'' میں قائداعظم کو ٹی پارٹی دی گئی اور ماناودر کے لوگوں کی جانب سے پریس فنڈ میں عطیات جمع کروائے گئے۔

بانٹوا میں قائداعظم کا شاندار استقبال۔

جونا گڑھ میں آباد شہروں میں اُن دنوں "بانٹوا" کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور کاٹھیاواڑ کے مسلم تجارتی حلقوں میں یہاں کے تاجروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قائد کا قافلہ ماناوور سے ہوتا ہوا، بانٹوا پہنچا۔ قائد کے استقبال کے لیئے وہاں پر (۳۵) پینتیس گیٹ اور کمانیں بنائیں گئی تھیں۔ اور شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ قائد کے قافلہ کی بانٹوا شہر میں آمد کے ساتھ ہی اُن کو اکیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ اور یہاں پر قائد کا انتہائی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ یتیم خانہ گراونڈ میں قائد کے ہاتھوں پر چم کشائی کی رسم ادا کی گئی۔ وہاں سے ماناوور اسٹیٹ کی چار گھوڑوں والی بگھی میں قائد کو جلوس کی صورت میں پورے شہر کا چکر لگایا گیا۔ میمن برادری کے رہنما علی بھائی جویری، حسین قاسم دادا، آدم حاجی پیر محمد ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کو مدرسہ اسلامیہ کے وسیع میدان میں قائداعظم کو سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اُس جلسے کی صدارت حسین قاسم دادا نے کی، اور انہوں نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ۔

> "ہم آپ کی لیڈر شپ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور آپ کے اشارے پر
> اپنی جان و مال قربان کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ اور ہم اس بات کا آپ کے
> سامنے عہد کرتے ہیں۔"

سپاسنامہ کے جوابی خطاب میں قائداعظم نے فرمایا۔

> "آپ لوگوں نے جس جوش اور اُمنگ سے خلوص و محبت کا اظہار کیا ہے اس کے لیئے میں
> شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرے اشارے پر آپ اپنی جان و مال قربان کرنے کے لیئے تیار ہیں،
> یہ جان کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔ اگر ایسا موقع آئے گا تو میں یہ بھی مانگوں گا، مگر فی الحال

جو سیاسی جنگ چل رہی ہے۔اس کے طور طریقے دوسرے ہیں ۔اس کے ہتھیار بھی مختلف ہیں ۔
آج ان ہتھیاروں کے لیئے میں آپ کے پاس مالی مدد لینے کے لیئے آیا ہوں ۔کانگریس ہائی کمانڈ
کے ساتھ آج ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں کیا اس کا آپ کو اندازہ ہے ؟
کانگریس کے پاس پلیٹ فارم اور اخبارات دونوں ہیں ۔یہ ایک بڑی طاقت ہیں ۔
صوبے صوبے میں کانگریس کے اخبارات شائع ہوتے ہیں ۔مسلم لیگ کے پاس ہند بھر میں ایک
بھی اخبار نہیں ۔کانگریس کے خلاف سیاسی جنگ لڑنے کے لیئے آپ نے مجھے آگے بڑھایا ہے۔
میں یونیفارم پہن کر سپاہی بنا ہوں ۔لیکن میرے پاس بندوق نہیں اور یہ بندوق حاصل کرنے کے
لیئے میں آپ کے پاس آیا ہوں ۔میں آپ کے پاس پریس فنڈ کے لیئے آیا ہوں، وہ میں غریبوں
سے نہیں لینا چاہتا کیونکہ غریبوں کی مدد کرنا لیگ کا نصب العین ہے۔شہر بانٹوا میں بہت سے
کروڑ پتی ہیں ۔مجھے اُمید ہے کہ وہ اس کام میں دل کھول کر مالی تعاون کریں گے ۔''

قائد اعظم کے خطاب کے بعد بانٹوا کے میمن تاجروں نے گراں قدر عطیات قائد کو پیش کیے ۔جو پورے کاٹھیاواڑ میں جمع ہونے والے فنڈ میں دوسرے نمبر پر تھے۔

کتیانہ میں قائد کا استقبال۔

قائد کا قافلہ اگلے دن ۲۵ جنوری کو جوناگڑھ کے دوسرے تجارتی اہمیت کے حامل شہر کتیانہ پہنچا ۔یہاں کے مسلمان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر تحریک پاکستان کی عملی تحریک میں کاٹھیاواڑ کے ہراول دستے کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ لیگ پریس فنڈ کی اس مہم میں کاٹھیاوڑ میں قائد اعظم کے شاندار استقبال کی کاروائیاں کتیانہ کے عوام تک پہنچ رہی تھی ،اور وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔لہذا یہاں کی عوام نے بھی قائد کا شایانہ شان استقبال کیا ۔آپ کو جلوس کی صورت میں کتیانہ میں قائم مدرسہ اسلامیہ اسکول کے گراونڈ تک لایا گیا اور وہاں پر ایک شاندار جلسہ کا اہتمام کیا گیا ۔اس جلسہ کی صدارت کتیانہ شہر کی معزز شخصیت عبدالکریم ڈھیڈی نے کی اور انہوں نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔جس کے جواب میں قائد نے اپنے خطاب میں کتیانہ کے عوام کا شکریہ ادا کیا اور پریس لیگ فنڈ کے سلسلے میں اپنے کاٹھیاواڑ کے دورے کے مقاصد بیان کیے ۔

جلسہ کے اختتام پر قائد اعظم کے اعزاز میں جناب عبدالکریم ڈھیڈی کی رہائش گاہ پر ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا ۔جہاں پر اہلیان کتیانہ نے قائد اعظم کی خدمت میں پریس فنڈ کے لیئے بڑی تعداد میں عطیات جمع کروائے ۔

قائد اعظم راناواو میں۔

کتیانہ کے بعد قائد کا قافلہ جلوس کی صورت میں راناواو میں تشریف لے گیا ۔ جہاں پر ان کے اعزاز میں میمن جماعت ہال میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا ۔وہاں پر قائد نے اپنے خطاب میں تمام مسلمانوں کو متحد ہو کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی تلقین کی ۔جس کے

بعد وہاں پر آئے ہوئے معززین نے اپنی طرف سے عطیات جمع کروائے۔

قائد اعظم کا پور بندر میں شاندار استقبال۔

راناواو کے بعد قائد کا قافلہ ریاست پور بندر کے شہر پور بندر میں پہنچا۔ قائد کی آمد کے ساتھ ہی وہاں پر آپ کے جلوس کو ۲۱، توپوں کی سلامی دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ آپ کے قافلے کو پورے شہر کا گشت کرایا گیا۔ رات کو وہاں پر ابوبکر حاجی اسماعیل جوہری کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں قائد اعظم کے علاوہ اسماعیل ابراہیم چندریگر، کھنڈوانی اور مسلم لیگ کے حامی مگن لال تنا نے تقاریر کیں اور لیگ پریس فنڈ کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔ جلسہ کے اختتام پر پور بندر بتر سائی محال اور اس کے اردگرد سے آئے ہوئے مسلمانوں نے بڑی تعداد میں پریس فنڈ کے لیئے عطیات پیش کیئے۔

قائد اوپلیٹا میں۔

اگلے دن ۲۶، جنوری بروز جمعہ قائد اعظم کا قافلہ اوپلیٹا پہنچا، جہاں پر آپ نے لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی۔ بعد میں ان کے اعزاز میں دیئے جانے والے استقبالیہ میں تشریف لے گئے۔ یہاں پر میمن جماعت کی جانب سے ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اور جس کے بعد وہاں پر آئے ہوئے معززین شہر نے پریس فنڈ میں اپنی جانب سے عطیات جمع کروائے۔

قائد اعظم کا اپنے آبائی علاقے پانیلی میں استقبال۔

قائد اعظم اوپلیٹا کے بعد اپنے آباواجداد کے گاؤں ''پانیلی'' میں تشریف لے گئے۔ اپنے آبائی گاؤں کو پچاس سال کے بعد دیکھ کر بے

حد خوش ہوئے۔ یہاں ہندو اور مسلمان کسانوں نے انکا پرتپاک استقبال کیا۔ دو ضعیف العمر بزرگ جن میں سے ایک ہندو تھا، دونوں قائداعظم سے ملے اور بچپن کی باتیں اور یادیں تازہ کیں۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ جب قائداعظم کی عمر دس سال کی تھی تو اُن کی والدہ نے ''حضرت جمیل شاہ داتار'' کے مزار پر انہیں منت اتارنے کی غرض سے جوا گڑھ لے گئیں تھیں، جس کے بعد آپ اپنی والدہ کے ساتھ واپس پانیلی میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ مزید باتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب قائداعظم کی پہلی شادی ہوئی تھی تو انہوں نے بھی شرکت کی تھی۔ (یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قائداعظم کی پہلی شادی ۱۶ سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء میں کاٹھیاواڑ کے ہڑیانہ گاؤں کے باشندے گوکل خیم جی کی صاحبزادی ''امرت بائی'' کے ساتھ ہوئی تھی) قائداعظم ان دونوں کی باتیں پرخلوص انداز میں سن کر بے انتہا خوش ہوئے۔ انہوں نے وہاں کے دیہاتی مکتب (اسکول) کو دیکھا اور بچوں کو تعلیم سے متعلق کچھ نصیحتیں کیں۔ جس کے بعد آپ اپنے آباؤ اجداد کی رہائش گاہ اور پھر قبرستان میں فاتحہ خوانی کے لیئے گئے۔

قائد کے استقبال کے لیئے پورے علاقے میں ایک خوشی کی کیفیت طاری تھی، اور وہاں کے لوگ پر جوش انداز میں گل پاشی کررہے تھے۔ اور اُس کے ساتھ فخر بھی محسوس کر رہے تھے، کہ اتنے بڑی شخصیت کا تعلق ان کے گاؤں سے ہے۔ اس موقع پر گاؤں کی پرانی رسم کے تحت ''راس گربہ'' (خوشی کے گیت) گائے گئے۔ اور پھر گاؤں کی جانب سے ناریل، سپاری (چھالیہ) پھل اور پھول پیش کیے گئے۔ جس کے بعد پانیلی میں محمد بھائی مون ویل والا کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں قائداعظم نے اپنے خطاب میں دل کی گہرائیوں سے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین اور مادر وطن میں آنے کا ایک عرصہ دراز کا دیرینہ ارمان آج پورا ہونے پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا۔

جیت پور میں قائداعظم کا شاندار استقبال۔

پانیلی سے شام گئے قائد کا قافلہ جیت پور پہنچا۔ آپ کے آنے سے قبل شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ پورے شہر کو روشنیوں اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ جگہ جگہ گیٹ اور محرابیں جن میں باب جناح، باب سکندر حیات، باب فضل الحق، باب سر عبداللہ ہارون، باب سر آدمجی، باب حاجی عبدالغنی بیگ محمد، باب سر آغاخان، اور اسی طرح دیگر رہنماؤں کے نام سے محرابیں بنائی گئی تھیں۔

جیت پور میں قائد کے جلوس کو تحصیل کورٹ کے میدان میں منعقدہ جلسہ میں لایا گیا۔ جہاں پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ ''میمن یوتھ لیگ''، ''میمن جماعت'' اور ''انجمن اسلام'' کی جانب سے قائداعظم کو سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جلسے کی صدارت ایوب عبدالکریم منیا نے کی۔ اور زکریا عبدالعزیز کامدار (سابق وفاقی وزیر حج و اوقاف) نے نوجوانوں کی طرف سے تقریر کی، جس میں انہوں نے قائد کو کاٹھیاواڑ کے نوجوانوں کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ قائد نے اپنے جوابی خطاب میں کہا کہ،

> ''۔۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ آپ مجھ سے خوش ہیں، میں اس بات سے بھی انکار نہیں کرتا کہ مجھ سے جو ہوسکا ہے وہ میں نے قوم کی خدمت کے طور پر کیا ہے، لیکن خدمتوں کی صرف تعریف کرنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ جن اصولوں کو مدنظر رکھ کر اور جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں نے حتی الامکان جو کوششیں کی ہیں ان اصولوں

اور مقاصد پر آپ لوگ بھی اعتبار کریں اور ان کے حصول کے لیئے کوششیں کریں۔
اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو ہزارہ جناح آپ میں سے پیدا ہوں گے۔
جو قوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے سرخرو رکھیں گے۔آج ہم مقابلے میں کھڑے ہیں،
ہم مسلمان اپنے مخصوص مقام کے لیئے لڑ رہے ہیں۔اس مقابلے میں کامیاب ہونے
کے لیئے ہم اپنی تمام تر کوششیں لگا دیں گے،ہم تعداد میں کم ہیں لیکن ان سب کی کمی کے
باوجود ہم نے کئی ایک عظیم مسلمان پیدا کیئے ہیں،اور میرے وطن کاٹھیاواڑ نے لاتعداد
''میر'' پیدا کیئے ہیں، جو مجھے پر خلوص دعوت دے کر یہاں لے آئے ہیں۔
۔۔۔۔آپ نے مزید کہا کہ میرا یہ دورہ کاٹھیاواڑ صرف دولت حاصل
کرنے کے لیئے نہیں۔بلکہ ہم آپ لوگوں کی ہمت افزائی کے لیئے آئے ہیں۔
آپ لوگوں کو بیدار کرنے آئے ہیں،کاٹھیاواڑ دیسی ریاستوں کا دیس ہے، بہت سے
راجہ مہاراجے اچھے ہیں،انصاف پسند ہیں،لیکن اس کے عملدار اتنے ہی بُرے ہیں۔
ہمارے کاٹھیاواڑ کے دورے سے ان پر واضح ہو جانا چاہیئے کہ کاٹھیاواڑ کے مسلمان
اکیلے نہیں ہیں۔اگر ان پر ظلم ہوا تو پورے برٹش ہند کے مسلمان خاموش نہیں بیٹھیں گے۔
مسلمان اب دب کر نہیں جیئیں گے۔ظلم و تشدد کا سورج غروب ہو چکا ہے۔"

قائد کے خطاب کے بعد حاجی عمر ماچس والا نے اپنی اختتامی تقریر میں اعلان کیا کہ لیگ فنڈ کے سلسلے میں دورہ کاٹھیاواڑ بڑی کامیابی کے ساتھ جیت پور میں اختتام کو پہنچا۔ جناح صاحب کی اس مہم میں کاٹھیاواڑ نے ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم جمع کی گئی ہے۔ ہمارے حساب سے یہ رقم کم ہے،لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔اگر قائداعظم کچھ عرصہ اور رک جاتے تو ہم مزید ایک لاکھ کی رقم بآسانی جمع کر کے دے سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کانگریس کے اخباروں نے میمن برادری کے بارے میں شرانگیز خبریں شائع کی ہیں کہ ہند کے چار کروڑ میمن مسلم لیگ کے خلاف ہیں۔ جبکہ سب سے پہلے ان کی یہ بات ہی سراسر غلط ہے کہ ہند میں میمن برادری کی تعداد چار کروڑ ہے۔اس کے بعد یہ بات کہ میمن برادری لیگ کے خلاف ہے، یہ بات قطعاً ناممکن ہے، وہ لوگ سُن لیں کہ میمن برادری لیگ کی جس قدر شیدائی ہے شاید ہی کوئی اور دوسری برادری اتنی شیدائی ہوگی۔

قائد کو اہلیان جیت پور کی جانب سے ۴۴ ہزار روپے عطیات دیئے گئے، جو کاٹھیاواڑ سے لیگ فنڈ کے لیئے جمع ہونے والے فنڈ کا تیسرا حصہ تھا۔اس سے اگلے دن ۲۷ جنوری کو قائداعظم حاجی داود ہسپتال اور ایوب محال کا دورہ کرنے کے بعد راجکوٹ کے لیئے روانہ ہو گئے۔

قائداعظم گجرات کے مرکزی شہر احمد آباد میں۔

قائداعظم کا قافلہ ۲۷ جنوری کو راجکوٹ سے ٹرین کے ذریعہ رات کے وقت احمد آباد پہنچا تو وہاں پر چالیس ہزار مسلمانوں کا جم غفیر

کا ہجوم ان کا گرم جوشی سے استقبال کرنے کے لیئے بے چینی سے انتظار میں کھڑا تھا۔آپ کو رات ساڑے بارہ بجے جلوس کی صورت میں احمد آباد کے شوکت میدان میں لایا گیا۔ جہاں پر جناب صفدر حسین کی صدارت میں ایک شاندار جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔صدر جلسہ صفدر حسین کی صدارتی تقریر کے بعد قائداعظم نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کیا اور اپنے کاٹھیاواڑ کے کامیاب دورے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ،

''کاٹھیاواڑ نے لیگ وفد کا جس پر خلوص اور گرم جوشی سے استقبال کیا اور وہاں کے مسلمانوں کی بیداری نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔وہاں کے چھوٹے سے چھوٹے دیہات کے لوگ بھی بیدار ہو چکے ہیں۔علاوہ ازیں حاجی عمر ماچس والا اور جناب ابوبکر جویری میرے کاٹھیاواڑ کے سفر کو کامیاب بنانے کے لیئے بے حد مددگار ثابت ہوئے۔خاص کر ماچس والا سیٹھ، کاٹھیاواڑ کے دورے کی کامیابی کا باعث بنے۔ جب وہ بمبئی میں میرے پاس آئے تھے تو اُس وقت انہوں نے مجھے کہا تھا کہ کاٹھیاواڑ کے مسلمان لیگ فنڈ میں مدد کرنے کے لیئے منتظر ہیں۔آپ صرف ایک بار کاٹھیاواڑ کا دورہ کریں، کاٹھیاواڑ لیگ پریس فنڈ کے لیئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ پیش کریں گے،لیکن مجھے اس بات پر شک تھا۔اُس وقت میں یہ نہیں مان سکتا تھا کہ کاٹھیاواڑ اتنی مدد کرے گا۔ لیکن آج ان کی کوششوں سے فقط ایک لاکھ نہیں کاٹھیاواڑ نے ڈیڑھ لاکھ روپے پیش کیئے ہیں۔''

احمد آباد کے اس عظیم الشان جلسہ کے دوران ہی لوگوں نے ''مرحبا مرحبا'' اور ''مسلم کاٹھیاواڑ زندہ باد'' کے نعرے گونج اُٹھے۔ لوگوں نے کہا کہ ماچس والا سیٹھ اور جوہری سیٹھ کون ہیں ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔انہیں اسٹیج پر بلایا جائے۔جس پر اُن کو اسٹیج پر بلایا گیا، اور اہلیان احمد آباد نے ماچس والا سیٹھ اور جویری سیٹھ زندہ باد کے نعرے لگائے اور گل پاشی کی۔

قائداعظم کے کاٹھیاواڑ کے دورے کا پریس ریلیز۔

قائداعظم اپنا کاٹھیاواڑ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد راجکوٹ سے روانگی سے قبل ایک اخباری بیان دیتے ہوئے کہا۔

''میرا کاٹھیاواڑ کا سفر اختتام پر پہنچا ہے اور کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں نے جس گرمجوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا ہے اور انہوں نے جس حیرت انگیز طور پر میری مہمان نوازی کی ہے اس کے لیئے میں کاٹھیاواڑ کے مسلم رہنماوں کا اور مسلم عوام کا شکر گزار ہوں۔کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کا لیگ کے ساتھ بھرپور تعاون اور صدق دل سے لیگ کا ساتھ دینے پر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ مجھے یہ اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ وہاں کے لوگوں کے سامنے لیگ پریس فنڈ کے لیئے جو کشکول رکھا تھا، اُس میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ کا عطیہ دے کر اسے بھر دیا۔اس میں آدمجی سیٹھ کی ۲۰ ہزار روپے کی رقم بھی شامل ہے۔کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو میرا صرف یہی پیغام ہے

کہ جو جوش اور ولولہ اس دورے میں دیکھا ہے وہ حیرت انگیز بیداری ہے۔ اور اسے قوم کی فلاح و بہبود پر اور، تعلیمی اور سماجی استعمال کرنا چاہیے۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں نے میرا جو شاندار استقبال کیا ہے اور جس فراخدلی سے ساتھ دیا ہے، اس کی حسین یادیں لیکر کاٹھیاواڑ سے رخصت ہو رہا ہوں‘‘ [۴۴]

لیگ فنڈ کے اعداد و شمار۔

قائداعظم محمد علی جناح کے لیگ پریس فنڈ کے سلسلے میں کل ڈھائی لاکھ روپے کی رقم جمع ہوئی تھی۔ جس میں سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کے عطیات کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں سے جمع کیے گئے تھے۔ جسکی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

شہر کا نام	رقم
جیت پور	۴۳،۰۰۰
بانٹوا	۳۵،۰۰۰
دھوراجی	۳۰،۰۰۰
کتیانہ	۸،۵۰۰
گونڈل	٦،۰۰۰
اوپلیٹا	٦،۰۰۰
مانگرول	۵،۰۰۰
پوربندر، راناواو، ترسائی	۵،۰۰۰
جام نگر	۲،۰۰۰
راجکوٹ	۱،۳۰۰
جوناگڑھ	۱،۱۰۰
ویراول	۱،۰۰۰
ونتھلی	۵۰۰
ماناودر	۵۰۰

جیت پور میں ۴۳ ہزار کی رقم جمع کی گئی تھی، اس میں سے ۲۰،۰۰۰ ہزار روپے جیت پور کے آدمجی حاجی داود نے دورے کے آغاز میں

قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کیئے تھے، وہ رقم بھی اس تخمینے میں شامل ہے۔ [۳۵]

تحریک پاکستان میں سیٹھ حاجی عمر ماچس والا کی گراں قدر خدمات۔

کاٹھیاواڑ میں مسلم لیگ کی سیاسی تحریک میں جہاں بہت سے مسلم اکابرین نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا اُن میں سے ایک جناب حاجی عمر ماچس والا بھی شامل تھے۔آپ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۰ء تک کاٹھیاواڑ کی مسلم سیاسی سرگرمیوں اور دیگر سماجی کاموں میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ حاجی عمر ماچس والا ۱۹۰۲ء میں دھوراجی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم دھوراجی میں حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے ہمراہ بمبئی تشریف لے آئے۔اور یہاں پر مزید تعلیم تو حاصل نہ کر سکے مگر عملی طور پر کاروبار سے وابستہ ہو گئے۔ابتداء میں آپ نے بمبئی میں محمد علی روڈ پر کراکری کے کاروبار سے ابتداء کی۔جس کے بعد آپ نے ویراول میں اپنی ماچس فیکٹری قائم کی۔ آپ کی ماچس کے کاروبار نے بہت ترقی کی اور پورے کاٹھیاواڑ میں آپ کی فیکٹری کی تیار کردہ مصنوعات کو بڑی پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔اس کے علاوہ یہ ماچس مشرق اوسطہ کے کئی علاقوں میں برآمد بھی کی جاتی تھی۔جس کے بعد ''ماچس والا'' آپ کی شناخت بن گئی۔

حاجی عمر ماچس والا کی سماجی خدمات بحثیت ایک سماجی کارکن سے شروع ہوئی۔آپ کی خدمات کا اعتراف ۱۹۳۶ء میں آل کاٹھیاواڑ مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کا انعقاد پر کیا گیا اور آپ کو اس کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔اس کانفرنس میں آپ کیطرف سے مسلم لیگ اسٹوڈنٹس فنڈ کے لیئے (۲۵۰۰) ڈھائی ہزار روپے کا عطیہ دیا (جو اُن دنوں کسی بھی اسٹوڈنٹس کے پروگرام کے لیئے بہت بڑا عطیہ سمجھا جاتا تھا)۔اس کے علاوہ ۱۹۳۷ء میں بمبئی میں منعقدہ مسلم لیگ اسٹوڈنٹس کانفرنس کی صدارت بھی آپ نے کی تھی۔آپ کی مسلم لیگ کے لیئے گراں قدر خدمات کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب بمبئی میں قائداعظم کے اعزاز میں ۵ جون ۱۹۳۸ء کو بمبئی کے مشہور ''قیصر باغ'' میں میمن برادری کی جانب سے ایک شاندار استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔اس استقبالیہ کا اہتمام ''میمن چیمبر آف کامرس'' اور ''میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن'' کے اس شاندار اجلاس میں آل انڈیا میمن کانفرنس کی نمائندگی کرنے کے لیئے، ایک وفد حاجی عمر ماچس والا کی قیادت میں خصوصی طور پر کاٹھیاواڑ سے اس میں شریک ہوا تھا کاٹھیاواڑ کے میمن رہنما حاجی عمر ماچس والا نے قائداعظم کو سونے اور چاندی کا بنا ہوا ''ایک'' کاسکیٹ'' اور روپوں کا پرس پیش کیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کو پریس فنڈ کے سلسلے میں کاٹھیاواڑ کا مشورہ آپ نے اور جناب ابوبکر جوہری نے دیا تھا جس کا اظہار قائد نے کاٹھیاواڑ کے دورے کے اختتام پر احمد آباد میں چالیس ہزار افراد کے مجمع سے اپنے خطاب کے دوران اپنے کاٹھیاواڑ کے کامیاب دورے کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا۔جس کا تفصیلی پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔۔ [۳۶]

REFERENCES حوالہ جات

[۱] شریف الدین پیرزادہ۔ "فاونڈیشن آف پاکستان" آل انڈیا مسلم لیگ ڈوکومینٹس جلد اول۔ صفحہ نمبر۔۱۴۰۔

[۲] شریف الدین پیرزادہ۔ "فاونڈیشن آف پاکستان" آل انڈیا مسلم لیگ ڈوکومینٹس جلد اول۔ صفحہ نمبر۔۳۵۵۔

[۳] شریف الدین پیرزادہ۔ "فاونڈیشن آف پاکستان" آل انڈیا مسلم لیگ ڈوکومینٹس جلد اول۔ صفحہ نمبر۔۳۵۶

[۴] عثمان دموہی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۴۴۶

[۵] عثمان دموہی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۴۴۷

[۶] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔ ۱۴۲

[۷] یحییٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۱۱۔۱۱۰۔

[۸] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Page.860- 861.

[۹] حبیب لاکھانی۔ میمورئیبل میمن۔ صفحہ نمبر۔۳۸

[۱۰] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Pg.841- 842.

[۱۲] حبیب لاکھانی۔ میمورئیبل میمن۔ صفحہ نمبر۔۳۰

[۱۳] رفیق ڈھوراجوی۔ میر کارواں سر آدم جی۔ صفحہ نمبر۔۸۸۔۸۷

[۱۴] رفیق ڈھوراجوی۔ میر کارواں سر آدم جی۔ صفحہ نمبر۔۴۷

[۱۵] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان، صفحہ نمبر۔۱۵۰۔۱۴۹

[۱۶] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Pg.861- 862

[۱۷] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔۱۵۵

[۱۸] عثمان دموہی۔ کراچی تاریخ کے آئینے میں۔ صفحہ نمبر۔۴۲۹۔۴۳۸

[۱۹] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔۱۷۲۔۱۷۱

[۲۰] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationlism. I.H. Qureshi.Pg.868-869

[۲۱] اشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔ ۱۷۲۔۱۷۱

[۲۲] ہفت روزہ "انقلاب" ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

[۲۳] میمن بلیٹن ۱۰ جون ۱۹۳۸ء

[۲۴] روزنامہ حیات کراچی۔ منگل ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء

یحییٰ ہاشم باوانی۔ تحریک آزادی اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۷۵۔۱۰۹

[۲۵] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۱۲۵

[۲۶] عبدالستار کوپاڈی۔ یادوں کی سوغات صفحہ نمبر ۱۶۱۔۱۶۰

[۲۷] عبدالستار کوپاڈی۔ یادوں کی سوغات صفحہ نمبر۔۲۲۲۔۲۲۱

[۲۸] کھتری عصمت علی پٹیل۔ قائد کاٹھیاواڑ۔ (کتاب سے مختلف صفحات سے مواد لیا گیا ہے۔)

[۲۹] یحییٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۱۴

[۳۰] میمن عالم۔ ۵۰۰ شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء

[۳۱] عمر عبدالرحمٰن کھانانی۔ میمن شخصیت جلد اول۔ صفحہ نمبر۔۱۷۲۔۱۷۱

[۳۲] میمن عالم۔ ۵۰۰ شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء

[۳۳] میمن عالم۔ ۵۰۰ شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء

[۳۴] مسلم بلیٹن ۱۹۴۰ء راجکوٹ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی

یحییٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۸۹۔۹۴

[۳۵] یحییٰ ہاشم باوانی۔ پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۱۴

[۳۶] میمن عالم۔ ۵۰۰ شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء

چوتھا باب

۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان سے

۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک

چوتھا باب

۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان سے

۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان سے ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء تک کے سات برسوں کو تحریک پاکستان میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اور جسے ہم قیام پاکستان کی جدو جہد کا اہم ترین دور کہے سکتے ہیں۔

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو اقبال پارک لاہور میں قائد اعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا ایک تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا، جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس قرارداد کی منظوری سے مسلمانوں کی منزل کا تعین ہوگیا اور جہاں سے پاکستان کے حصول کے لیئے با قاعدہ جدو جہد کا آغاز ہوا۔

فروری ۱۹۴۰ء کو دہلی میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں برطانوی حکومت سے مسلمانوں کے لیئے برصغیر میں ایک علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں مارچ، ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں مسلم لیگ کا ایک تاریخی اجلاس جو ۲۲ سے ۲۴ مارچ تک قائد اعظم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ قائد اعظم نے ۲۲، مارچ کو بعد نماز جمعہ اقبال پارک لاہور میں اپنی صدارتی تقریر میں دو قومی نظریہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

> ''اگر برطانوی حکومت ہندوستان میں امن اور سکون چاہتی ہے تو اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے بڑی اقوام کے لیئے جداگانہ قومی وطن قائم کیے جائیں۔''

مسلمانوں کے لیئے علیحدہ مملکت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا،

> '' قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہے اور اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ضرور ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن واتحاد سے رہیں اور اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں اپنے تصورات اور مزاج کے مطابق بھرپور ترقی کریں۔'' [۱]

قرارداد لاہور کا متن۔

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل الحق نے مسلمانوں کے مطالبات پر مبنی ایک تاریخی قرارداد پیش کی جس کا متن درج ذیل ہے۔

''غور خوض کے بعد اس اجلاس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ملک میں وہی آئینی منصوبہ قابل عمل اور مسلمانوں کے لیئے قابل قبول ہوگا جو مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں کے مطابق تیار کیا جائے گا۔ یعنی یہ کہ جغرافیائی اعتبار سے ملحق و متصل اکائیوں (Units) کی خطوں (Regions) کی صورت میں مناسب علاقائی ردوبدل کے بعد اس طرح حد بندی کی جائے کہ وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں (Zones) میں ہیں۔ آزاد مملکتوں کی شکل اختیار کرلیں اور ان کی مختلف اکائیاں خودمختار اور حاکمیت کی حامل ہوں۔'' [۲]

قرارداد کی تائید۔

اس قرارداد کی تائید یو پی سے چوہدری خلیق الزمان، سید ذاکر علی، بیگم مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبدالحامد بدایونی، سی پی سے سید عبدالرؤف شاہ، بہار سے نواب محمد اسماعیل خان بمبئی سے آئی آئی چندریگر، سندھ سے حاجی عبداللہ ہارون، بلوچستان سے قاضی محمد عیسٰی، صوبہ سرحد سے سردار اورنگ زیب خان، پنجاب سے مولانا ظفر علی اور ڈاکٹر محمد عالم نے کی۔ اس قرارداد کو ۲۴، مارچ کے اجلاس میں مبارک باد کے نعروں کے ساتھ اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ کاٹھیاواڑ سے مسلم لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے کتیانہ کے عمر فاضل فاروق نے شرکت کی تھی۔

ایک ریاست کا تصور۔

قرارداد پاکستان میں برصغیر سے شمال مغرب اور مشرق میں مسلمانوں کی دو آزاد ریاستوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں قائداعظم نے دہلی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے کامیاب ہونے والے مسلم لیگی اراکین کا ایک کنونشن طلب کیا۔ اس کنونشن میں (۵) پانچ سو کے قریب اراکین نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں بنگال کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے دو کی بجائے ایک ریاست کے قیام کی قرارداد پیش کی جسے اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا تھا۔ [۳]

۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان کے کاٹھیاواڑ کی سیاسی صورت حال پر اثرات :۔

قائداعظم کے پریس فنڈ جمع کرنے کے کاٹھیاواڑ کے دورے کے تین ماہ بعد لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ جبکہ اُس دورے کی یادیں تازہ ہی تھیں، اور ایسے میں قرارداد پاکستان کے منظور ہونے، کی وجہ سے وہاں پر مسلمانوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے، جس نیو ہاں پر ہندو مسلم کشیدگی میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا، اور ہندوؤں نے کھل کر مسلمانوں کے خلاف جلسے کرنا شروع کر دیئے۔ جس کے مقابلے کے لئے راجکوٹ کے مسلم نوجوانوں نے بھی ایک تنظیم ''انجمن نوجوانان مسلمین'' بنائی جو بعد میں ''مسلم یوتھ محفل'' کے نام سے مشہور ہوئی اور جو تقسیم ہند تک راجکوٹ اور کاٹھیاواڑ میں ہندوؤں سے تحریری و تقریری محاذ پر بھرپور مقابلہ کرتی رہی۔

اس طرح محفل کے کارکنوں نے اسکولوں اور کالجوں میں مسلم طلباء کو پیش آنے والی مشکلات کے حل کے لئے ''مسلم اسٹوڈنٹ یونین'' قائم کی۔ جس نے راجکوٹ میں مسلم طلباء کے مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کیا یونین کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں نوجوانوں کے ساتھ مسلم طالبات نے بھی اہم کردار ادا کیا جس میں شمس النساء منشی، عائشہ معرفانی، حوابائی معرفانی اور رشیدہ ڈوسا، ان چار ہونہار طالبات نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں مسز رشیدہ (ڈوسا) پٹیل کے نام سے کراچی میں وکالت کررہی ہیں اور آل پاکستان میمن ویمن ایسوسی ایشن کی

سرگرم رکن ہیں۔شمس النساء منشی اور عائشہ معرفانی ڈاکٹرز ہیں اور کراچی میں پریکٹس کرتی ہیں۔ [۴]

قائداعظم کو کراچی میں اوکھائی میں جماعت خانہ (میمن سوسائٹی لیاری) میں استقبالیہ۔

قائداعظم محمد علی جناح کا دورہ کاٹھیاواڑ اور دوسرے علاقوں سے میمن قوم کی طرف سے شاندار پذیرائی کی وجہ سے پورے ہندوستان میں آباد میمن قوم میں تحریک پاکستان کی سرگرمیوں کے لئے نئے جوش وخروش اور ولولے کو جنم دیا۔جس کے بعد ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے ساتھ ہی قیام پاکستان کی تحریک میں مزید شدت آ گئی۔

جس طرح کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں میں قائد کو شاندار استقبالیہ دیئے گئے، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کراچی میں آباد میمن قوم کے رہنماوں نے، جن میں سرفہرست سر حاجی عبداللہ ہارون کی سربراہی میں قائداعظم کے استقبالیہ کا اہتمام اوکھائی میمن جماعت خانہ میمن سوسائٹی لیاری میں ۲۲، دسمبر ۱۹۴۱ء کو جان محمد داود کی صدارت میں کیا گیا۔جس میں اوکھائی میمن برادری کے سرکردہ لیڈروں کے علاوہ کراچی میں آباد تمام میمن برادریوں اور دیگر مسلم برادریوں کے رہنماوں نے شرکت کی۔اس اجلاس میں سر حاجی عبداللہ ہارون کے علاوہ ہاشم گزدر، کھتری ابراہیم، حاتم علی علوی اور اوکھائی میمن جماعت کی طرف سے حاجی سائنا محمد غازیانی، طیب عمر مرکٹیا (طیب آغا)، ولی محمد حاجی یعقوب، اور دیگر معززین نے شرکت کی۔اس موقع پر کراچی میں آباد پوری میمن قوم کی طرف سے تحریک پاکستان کی حمایت میں ایک تاریخی سپاسنامہ جان محمد داود نے پیش کیا جو حسب ذیل ہے۔

بخدمت جناب محمد علی جناح،
صدر آل انڈیا مسلم لیگ،
محترم قائداعظم،

ہم اراکین میمن برادری اس چھوٹی سی کالونی میں آپ جیسی عظیم الشان ہستی کا استقبال کرتے ہوئے دلی فخر ومسرت محسوس کررہے ہیں۔اس وقت ساری دنیا ایک نامعلوم انقلاب کے لیئے بے چین اور شدید افراتفری میں مبتلا ہے، نیز انسانی قسمت کی راہ میں سنگ گراں حائل ہے اس کی پرچھائیاں حال کے آئینے میں صاف دیکھی جا سکتی ہے۔

جناب اعلیٰ،

ایسے وقت میں ہم صرف یہی کرسکتے ہیں کہ باہم قلب آپ کی تائید وحمایت کریں آپ کی مدبرانہ قیادت پر اپنی لازوال وفاداری کا یقین دلائیں ہم پورے عزم کے ساتھ آپ کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرتے ہیں۔جناب محترم، آپ نے اپنے گہرے قومی شعور کے ساتھ آئین وقانون کے شعبوں میں اسلام کی جو خدمات انجام دی ہیں حزب مخالف کے لوگ اپنے مفاد کے لیئے انہیں غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

جناب والا، اس کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ آپ کی جراتمندانہ قیادت کے اقدامات سے ضرور انصاف کیا جائے گا، اور آپ کی جدوجہد بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔اور یہ ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔ ہم ایک تاجر طبقے کی حیثیت سے ملک کی اقتصادیات سے براہ راست دلچسپی رکھتے ہیں، چونکہ تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں ابنائے وطن سے ہمیں براہ راست واسطہ پڑا ہے، اس لیئے ہم اس کے نشیب وفراز سے بخوبی واقف ہیں۔اسی بناء پر یہ کہنے کی جرات کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی وتجارتی فلاح کا راز قرارداد لاہور میں

پنہاں ہے جو امسال منظور کی گئی ہے۔

اس استقبالیہ کے اختتام پر ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ آپ کو توانائی عطا فرمائے تاکہ آپ ہر طرح کے دباؤ اور ہر مخالف طوفان کا مقابلہ پامردی کے ساتھ کرتے ہوئے قوم کی قیادت کرسکیں۔طمانت اور شادمانی کی پرخلوص دعاؤں کے ساتھ ہماری برادری کی طرف سے یہ استقبالیہ قبول فرمائیں، ہم آپ کے وفادار اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

صدر مجلس استقبالیہ،

جان محمد داود

خطبہ استقبالیہ کے بعد قائد نے اپنے مختصر سے خطاب میں میمن برادری کا شکریہ ادا کیا کہ کاٹھیاواڑ کے بعد اب کراچی میں بھی میمن قوم نے ثابت کردیا ہے کہ وہ اس تحریک میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہیں اور اس وقت ہراول دستے کا کام سرانجام دے رہی ہے۔

آخر میں اوکھائی میمن جماعت کی طرف سے قائداعظم کو مختلف تحائف پیش کیے گئے۔ [۵]

کرپس مشن، اور ہندوستان چھوڑ دو تحریک ۱۹۴۲ء۔

ہندوستان کے سیاسی تعطل کو ختم کرنے اور برطانیہ کے لیے سازگار فضا پیدا کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے مارچ، ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفورکرپس کو چند تجاویز کے ساتھ ہندوستان بھیجا۔ان تجاویز میں پاکستان کو جزوی طور پر تسلیم کیا گیا تھا، اور قومی حکومت کو محدود اختیارات تفویض کیے گئے تھے۔اس لیئے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جماعتوں نے کرپس تجاویز کو مسترد کردیا۔

کانگریس نے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے ۸، اگست ۱۹۴۲ء کو ہندوستان چھوڑ دو تحریک (Quit India Movement) شروع کی۔اصل میں کانگریس اس تحریک کے ذریعے اقتدار پر جبری قبضہ کرکے قیام پاکستان کا امکان ختم کرنا چاہتی تھی۔قائداعظم نے اس تحریک پر تنقید کرتے ہوئے اسے دورخی پستول قرار دیا۔قائداعظم کی ہدایت پر مسلمان اس تحریک سے بلکل علیحدہ رہے۔ [۶]

سندھ اسمبلی میں قرارداد پاکستان کی منظوری ۱۹۴۳ء۔

۳، مارچ ۱۹۴۳ء کو سندھ اسمبلی نے اکثریت رائے سے قرارداد پاکستان منظور کی۔سندھ اسمبلی کی اس قرارداد نے ہندوستان کی دوسری صوبائی اسمبلیوں کو خاصا متاثر کیا۔لیکن اور کوئی صوبہ اس سلسلے میں قرارداد منظور نہ کرا سکا۔

گاندھی جناح گفتگو ۱۹۴۴ء اور ویول پلان ۱۹۴۵ء۔

برصغیر پاک وہند کے دو بڑے لیڈروں (گاندھی جی اور قائداعظم) کے خاندانوں کا تعلق کاٹھیاواڑ سے تھا، لہذا اس تعلق کو ہندوستان

کی سیاست میں استعمال کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۴۴ء میں بمبئی میں واقع قائداعظم کے گھر پر دونوں رہنماؤں کی ملاقات کا سلسلہ ہوا، جس میں ہندوستان کے سیاسی مستقبل پر ایک نقطۂ نظر قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ان دونوں رہنماؤں کے درمیان ۲۵ گھنٹے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد بھی کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا۔اس گفتگو میں قائداعظم اس بات پر قائم رہے تھے کہ گاندھی جی پہلے لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت اور پاکستان کو تسلیم کریں، اور پھر ملک کی جغرافیائی حدود اور باقی تفصیلات پر گفتگو ہو، جبکہ گاندھی جی کی تجویز تھی کہ ریفرنڈم کے اصول اور حدود اربعہ کی نشان دہی پہلے کر لی جائے اور تقسیم ہندکو، ضرورت پڑنے پر برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد کیا جائے۔اگرچہ یہ گفتگو لا حاصل رہی مگر گاندھی جی جو پہلے تقسیم کو گناہ کہہ چکے تھے، اب اسے تسلیم کر رہے تھے۔

وائسرائے لارڈ ویول نے ۱۴، جون ۱۹۴۵ء کو ایک نشریاتی تقریر میں سیاسی بحران کے خاتمے کے لیے اپنا پلان پیش کیا۔اس پلان میں کہا گیا کہ ہندوستانی رہنماؤں کی کانفرنس بلا کر نئی انتظامی کونسل تشکیل دی جائے گی، جس میں وائسرائے اور کمانڈر ان چیف کے علاوہ تمام ارکان ہندوستانی ہوں گے۔کونسل میں اونچی ذات کے ہندو اور مسلمان برابر ہوں گے۔یہ جنگ عظیم دوئم کے خاتمے تک عبوری حکومت کی حیثیت سے کام کرے گی۔صوبوں میں گورنر راج ختم کر کے جمہوری حکومتیں قائم کی جائیں گی۔

۲۵، جون ۱۹۴۵ء کو ویول پلان کی منظوری کے لیے شملہ میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔اس کانفرنس میں قائداعظم وائسرائے کی انتظامی کونسل کے پانچویں مسلمان ممبران کی نامزدگی کا حق مسلم لیگ کو دلانا چاہتے تھے۔قائداعظم اس سلسلے میں کسی بھی سرکار پرست یا کانگریس کے حمایت یافتہ کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دینے کے لیے تیار نہ تھے۔کانگریس، پنجاب یونینسٹ پارٹی اور خود وائسرائے اس کے لیے تیار نہ تھے۔ جس کی وجہ سے شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔ [۷]

بمبئی میں انتخابی فنڈ جمع کرنے میں میمن قوم کا کردار۔

۱۹۴۵ء کے آخر میں سینٹرل لیجسلیٹیو اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔جس کے لیئے قائداعظم نے شملہ کانفرنس کے بعد ۱۶، جولائی ۱۹۴۵ء کو اس انتخاب کے لیئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے انتخابی فنڈ کے لیئے اپیل کی۔تاکہ ہندوستان میں کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی بھرپور انداز میں الیکشن موومنٹ کو چلایا جا سکے۔

اس سلسلے میں بمبئی میں آباد مسلمانوں اور جس میں خصوصی طور پر ٹمبر (لکڑا) مارکیٹ کے تاجروں نے جس میں اکثریت میمن قوم کے بیوپاریوں پر مشتمل تھی۔۶، اگست ۱۹۴۵ء کو قیصر باغ میں حاجی محمد علی محمد بنگالی کی زیر صدارت میں ایک شاندار جلسہ عام کا انعقاد کیا گیا۔ اور اس جلسہ میں ٹمبر مارکیٹ کے تاجروں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو اس انتخابی فنڈ کے لیئے ایک لاکھ روپے کی تھیلی پیش کی گئی۔ اس جلسے میں حاجی محمد بنگالی اور دیگر مقررین نے اپنے خطاب میں قائداعظم پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور یقین دلایا کہ ہندوستان کے مسلمان آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر عمل پیرا ہونے کے لیئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

قائداعظم نے اس موقع پر اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ،

''کیا آپ ان ایک لاکھ روپے کا مطلب سمجھتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب قوم زندہ ہوگئی ہے

بیدار ہو چکی ہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ سمجھ چکا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔" [۸]

قائد کی قوم سے "چاندی کی گولیوں" کے لیئے اپیل۔

بمبئی میں ٹمبر مارکیٹ کے جلسے کی کامیابی کے صرف چھے دن بعد ۱۲، اگست ۱۹۴۵ء کو بمبئی کے قیصر باغ میں ہی ایک اور شاندار جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ اس جلسے میں بمبئی میں ہوزری، کٹلری، آئرن، ریڈی میڈ ملبوسات اور دیگر تجارتی حلقوں کے تاجروں کی جانب سے قائد اعظم کو (۳،۱۱،۰۰۰) تین لاکھ گیارہ ہزار روپے کی ایک تھیلی پیش کی گئی۔ اس انتخابی فنڈ جمع کرنے میں بمبئی میں متعلقہ تجارتی شعبوں سے وابستہ میمن قوم کے تاجروں کی نمایاں خدمات رہی تھیں۔ اس سلسلے میں بمبئی کے تاجر جناب ابوبکر بیگ محمد نے تن تنہا دس ہزار روپے کا عطیہ پیش کیا تھا۔
اس جلسہ میں قائد اعظم محمد علی جناح نے قوم سے "چاندی کی گولیوں" کی فراہمی کی اپیل کرتے ہوئے کہا۔

> "میں آپ سے صرف تھوڑی سی قربانی چاہتا ہوں۔ کسی دباؤ کے بغیر آپ صاحبان کو انتخابی فنڈ میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ وہ لڑائی ہے جو چاندی کی گولیوں سے لڑی جاتی ہے۔ آپ وہ چاندی کی گولیاں مجھے دیں۔ تاکہ ہم قوم اس کام کو بخیر و خوبی سرانجام دے سکیں۔" [۹]

میمن چیمبر آف کامرس اور میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن بمبئی کی انتخابی فنڈ کے لیئے گراں قدر عطیات۔

۲۱، دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں میمن چیمبر آف کامرس اور میمن مرچنٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے جناب سلیمان پیر محمد دیوان کی زیر صدارت ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ اس جلسے میں قائد اعظم کے انتخابی فنڈ کے لیئے (۱،۴۷،۰۰۰) ایک لاکھ سینتالیس ہزار روپے کی ایک مزید تھیلی پیش کی گئی۔ اس تقریب میں قائد اعظم نے نیشنل اسمبلی کے لیئے مکمل ہونے والی انتخابی مہم کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔
اس جلسہ کے چار دن بعد ۲۵، دسمبر ۱۹۴۵ء کے دن بمبئی کے میمن تاجروں نے قائد اعظم کے ۷۰ ویں یوم پیدائش کے موقع پر "ٹی پارٹی" کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر قائد اعظم نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ۔

> "مسلم سماج اور تاجر برادری نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہے کہ قومی جدوجہد میں مسلم لیگ جو کردار ادا کر رہی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہندوستان کے سب مسلمانوں کو قومی زندگی میں اور قومی جماعت مسلم لیگ میں اپنا مناسب مقام حاصل کرنا چاہیے۔" [۱۰]

گجرات کے شہر احمد آباد اور کاٹھیاواڑ کی مختلف ریاستوں میں انتخابی فنڈ کے لیئے اجتماعات۔

مسلم لیگ کے انتخابی فنڈ کو جمع کرنے کے سلسلے میں ۲۷ ، اکتوبر ۱۹۴۵ء کو گجرات کے مرکزی شہر احمد آباد کے مسلمانوں نے بھی نظام الدین قریشی کی زیر صدارت ایک جلسہ عام منعقد کیا اور اُس میں قائداعظم محمد علی جناح کو (۲۰۰،۰۰۰) دولاکھ روپے کا چیک پیش کیا۔ اس کے علاوہ ریاست کچھ اور کاٹھیاواڑ کی مختلف ریاستوں کے مسلم لیگی رہنماوں کے وفود بھی انتخابی فنڈز کی وصولیابی کے لیئے وہاں کی مختلف ریاستوں کے تفصیلی دورے اور اجتماعات کے انتظام کیئے۔ اس کے علاوہ وہاں پر قائم مسلم اسٹوڈنٹس یونینوں، انجمنوں اور نوجوان والینٹر گروپوں نے بھی فنڈ جمع کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ [۱۱]

ساوتھ افریقہ کی میمن قوم کا قائداعظم کے انتخابی فنڈ میں بھرپور حصہ۔

مسلم لیگ کے انتخابی فنڈ کے سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ آفریقہ میں آباد مسلم اقوام نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اوران میں میمن

قوم نمایاں طور پر شامل تھیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے جنوبی افریقہ میں ’’ٹرانسوال مسلم لیگ‘‘ کے تحت پورے افریقہ میں لیگ فنڈ کے لیئے چندہ جمع کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ اس انتخابی فنڈ میں سب سے بڑا حصہ ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کا تھا جن میں اکثریت کا تعلق کاٹھیاواڑ کی میمن برادری سے تھا۔ جو وہاں پر آل انڈیا مسلم لیگ کی ہدایت پر تمام قومی تہوار اور تقریبات کا انتظام کرتی تھی۔ قائداعظم نے جب انتخابی فنڈز کے لیئے جب ’’چاندی کی گولیوں‘‘ کی اپیل کی اس وقت تن تنہا ٹرانسوال مسلم لیگ نے اس کے لیئے (۵۰،۰۰۰) پچاس ہزار پونڈ یعنی (۶،۵۰،۰۰۰) ساڑھے چھے لاکھ روپے کا فنڈز جمع کیا۔ اس فنڈز کو جمع کرنے کا سہرا جنوبی افریقہ میں جناب احمد اے آر غنی کے سر جاتا تھا، جنہوں نے وہاں پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اتنی کثیر رقم جمع کر کے قائداعظم محمد علی جناح کو ارسال کیا۔ مجموعی طور پر وہاں پر آباد ہندوستان کی تمام مسلم تجارتی برادریوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ [۱۲]

جناب احمد اے رحمٰن غنی کی تحریک پاکستان سے تعمیر پاکستان میں خدمات۔ ۱۹۱۷ء تا ۱۹۹۲ء

کتیانہ میمن برادری میں جناب احمد اے رحمٰن غنی کی شخصیت بلاشبہ تحریک پاکستان سے تعمیر پاکستان تک ملک کے لیئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ قائداعظم کی طرف سے فنڈ کے سلسلے میں سب سے بڑی رقم کے عطیات ٹرانسوال افریقہ سے جمع کر کے ہندوستان میں جمع کروایا۔ اس کے علاوہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے قومی ترانہ کے خالق حفیظ جالندھری کو ایک خطیر رقم پیش کی۔ آپ کو میمن انٹرنیشنل کلب کے فاونڈر رہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔

جناب احمد اے رحمٰن غنی واساوڈا والا خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حاجی صالح محمد حاجی ابراہیم ’’ماناوور‘‘ کے دیوانز چکے تھے۔ ان کے پر دادا کا نام اے غنی ہونے کی وجہ سے یہ ان کی پہچان بن گیا تھا۔ ان کے والد اے رحمٰن غنی کی پیدائش واساوڈاں ہوئی۔ لیکن آپ اصل رہائش پذیر کتیانہ کے تھے۔ آپ کا تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں افریقہ کے شہر ٹرانسوال میں آنے جانے کا سلسلہ رہتا تھا، جس کے بعد آپ ۱۹۳۰ء میں مستقل طور پر وہاں پر آباد ہو گئے، اور سماجی خدمات میں اپنا کردار ادا کرنے لگے۔ آپکا ساؤتھ افریقہ کیعلاوہ بمبئی، مدراس، وجیہ نگر وغیرہ میں تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ افریقہ میں آپ نے ۱۹۳۱ء میں ۳۰ لاکھ بوریاں مکئی کی خریدی تھیں، اور وہاں پر ’’مکئی کے راجہ‘‘ کے طور پر مشہور ہوئے۔

جناب احمد اے غنی کی پیدائش افریقہ کے شہر ٹرانسوال میں ۴، فروری ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ والد صاحب کی تجارت کے سلسلے میں کتیانہ اور ٹرانسوال میں سفری سلسلہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ابتدائی تعلیم کتیانہ کی مدرسہ اسلامیہ اسکول سے حاصل کی۔ میٹرک علی گڑھ ہائی اسکول سے کیا اور بعد میں ۱۹۳۴ء میں مدراس چلے گئے جہاں پریسی کالج میں سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ آپ ابتداء ہی سے غیر نصابی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں آپ والدین کے ساتھ افریقہ چلے گئے، جہاں سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیئے ۱۹۳۶ء میں لندن تشریف لے گئے۔ جہاں پر آپ نے بار ایٹ لا کے سلسلے میں کوشش شروع کر دی کہ والد کے انتقال کی وجہ سے آپ واپس افریقہ تشریف لے آئے اور بعد میں یہاں سے اپنی تعلیم کا سلسلہ مکمل کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے والد کے کاروبار کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں۔

احمد اے غنی ٹرانسوال میں تجارتی امور کی انجام دہی کے ساتھ سماجی طور پر بھی نمایاں حیثیت کے حامل شخصیت تصور کیے جاتے تھے۔ آپ نے جوہنسبرگ میں ''میمن لائبریری'' کا قیام بھی عمل میں لایا۔ اسی طرح ۱۹۴۰ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے پریس فنڈ کے سلسلے میں جمع کی جانے والے عطیات میں سب سے زیادہ عطیات ساؤتھ افریقہ سے آپ ہی نے جمع کیا تھا۔ قائداعظم نے انتخابی فنڈز کے لیئے جب ''چاندی کی گولیوں'' کی اپیل کی اس وقت تن تنہا ٹرانسوال مسلم لیگ نے اس کے لیئے (۵۰،۰۰۰) پچاس ہزار پونڈ یعنی (۶،۵۰،۰۰۰) ساڑھے چھے لاکھ روپے کا فنڈز جمع کیا۔ اس فنڈز جمع کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے پاکستان کے قومی ترانے کے لیئے اپنے والد احمد اے غنی کی یاد میں (۱۰،۰۰۰) دس ہزار روپے کی رقم پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کے سپرد کی تھیں۔

آپ ۱۹۴۳ء میں کراچی تشریف لے آئے اور یہاں پر مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ اور اپنے تمام کاروبار کو بھی افریقہ سے کراچی میں منتقل کر لیا۔ یہاں پر اپنی سماجی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے یہاں پر ''دی میمن انٹرنیشنل کلب'' قائم کی اور اس کے کنویز کے طور پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نوجوانوں میں ٹیکنیکل تعلیم کے حامی تھے اور اس سلسلے میں ۱۹۷۸ء میں کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کی ٹیکنیکل تعلیم کے فروغ کے لیئے ''واساوڈا ٹرسٹ'' قائم کیا۔ آپ کی دیگر سماجی خدمات میں صدر آدمجی بورڈنگ ہاوس، میمن یوتھ آرگنائیزیشن، کراچی میمن اسٹوڈنٹس یونین اور کتیانہ میمن والنٹیر کورپس کی خدمات شامل ہیں۔ آپ اپنے کاروباری امور کی انجام دہی کے سلسلے میں دنیا کے کئی ممالک کے دورے بھی کیے۔ کتیانہ میمن برادری کی اس گراں قدر خدمات انجام دینے والی شخصیت کا انتقال ۱۹، اپریل ۱۹۹۲ء کراچی میں ہوا۔ [۱۳]

عام انتخابات ۴۶۔۱۹۴۵ء مسلم لیگ کی کامیابی اور دہلی کنونشن ۱۹۴۶ء۔

برصغیر میں ۴۶۔۱۹۴۵ء میں منعقد ہونے والے عام انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان جائز ہے۔ مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلم رائے دہنگان میں سے ۸۷ فیصد ووٹ حاصل کیے تھے۔

۱۰، اپریل ۱۹۴۶ کو دہلی میں قائداعظم کی زیر صدارت مسلم لیگ کے منتخب ممبران کا ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں بنگال کے حسین شہید سہروردی کی تجویز پر قرارداد لاہور میں شامل لفظ ''مملکتوں'' کو بدل کر ''مملکت'' کر دیا گیا۔ کنونشن میں شریک شرکاء نے ایک حلف نامے پر دستخط کیے جس میں کہا گیا تھا کہ حصول پاکستان کے لیے وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ [۱۴]

عام انتخابات ۴۶۔۱۹۴۵ء میں کامیاب میمن لیڈران۔

عام انتخابات ۴۶۔۱۹۴۵ء میں ہندوستان بھر میں سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے لیئے انتخابات میں مسلمانوں کی (''۳۰'' تیس سیٹوں پر) اور یہ تمام سیٹوں پر مسلم لیگ کے اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ ان انتخابات میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے (۳) تین میمن شخصیات نے حصہ لیا تھا، اور وہ اپنے حلقے انتخاب سے کامیاب ہوئے تھے۔ جن میں جناب احمد ای ایچ جعفر بمبئی سے۔ جناب حاجی عبدالستار اسحٰق سیٹھ مدراس سے۔ اور سندھ سے جناب یوسف ہارون نے سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی میں کامیاب ہوئے تھے۔ جبکہ بعد میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں بمبئی اسمبلی سے

جناب حسین اے بیگ محمد، جناب نور محمد احمد اور سندھ اسمبلی سے جناب محمود ہارون منتخب ہوئے تھے۔ [۱۵]

بمبئی میں مسلمانوں کی سیٹ پر قائداعظم محمد علی جناح کے مقابلے میں پولیٹکل کانفرنس کے حسین عبداللہ لال جی امیدوار تھے۔ قائد کے اس حلقہ انتخاب کو خاص اہمیت حاصل رہی تھی۔ اور بمبئی میں آباد تمام مسلم برادریاں اس میں بھرپور حصہ لے رہی تھی۔ خصوصاً وہاں پر آباد میمن قوم کا جوش وخروش انتہائی عروج پر تھا۔ جس کا عملی مظاہرہ ہم ان کے انتخاب کے تمام امور کی انجام دہی میں اس قوم کی بھرپور شرکت اور یہاں تک کہ آپ کے حلقہ انتخاب میں چیف پولنگ ایجنٹ جناب حسین اے بیگ محمد (جن کا تعلق میمن برادری سے تھا) تھے۔ قائد کو اس انتخاب میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی، اور حسین لال جی کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی۔ [۱۶]

مسلم لیگ کا یوم راست اقدام ۱۹۴۶ء۔

مسلم لیگ نے اقتدار کی منتقلی کے سلسلے میں کانگریس اور برطانوی حکومت کی گٹھ جوڑ کے خلاف ۱۶، اگست ۱۹۴۶ء کو یوم راست اقدام منایا۔ اس دن ملک بھر میں ہڑتال ہوئی۔ کلکتہ میں شدید فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، جس کی وجہ سے ہندوستان میں مسلم اور ہندو قومیت اور تقسیم کے جذبے میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چودھری خلیق الزماں نے ایک قرارداد پیش کی جس میں صدر مسلم لیگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایک ”مجلس عمل“ نامزد کرے جو مسلمانان ہند کو تمام مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار کرے۔ متحدہ ہندوستان کے آئین کے نفاذ کی شدت سے مزاحمت کرنے اور جنگ آزادی کے لیئے مسلمانان ہند کو مسلح اور چوکس کرے۔ اس تجویز کے تحت قائداعظم نے بحیثیت صدر مسلم لیگ ۲۷، دسمبر ۱۹۴۳ء کو نواب محمد اسمٰعیل خاں کی سربراہی میں چھ ارکان پر مشتمل ایک (کمیٹی آف ایکشن) تشکیل دی، جس کے ممبران میں حاجی عبدالستار سیٹھ بھی شامل تھے۔

کمیٹی آف ایکشن کا قیام بڑی دور اندیشی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ کابینہ مشن پلان ۱۹۴۶ء کی ناکامی کے بعد قائداعظم نے تمام معاملات پر ازسرنو غور کرنے کے لیئے ۲۷، جولائی کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں طلب کیا۔ تین روز تک جاری رہنے کے بعد کونسل نے دو قراردادیں منظور کیں۔ پہلی قرارداد میں کہا گیا کہ مشن کانگریس کا آلہ کار بن گیا ہے، اس لیئے مشن سے تعاون کا فیصلہ واپس لیا جاتا ہے۔ دوسری قرارداد میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی (کمیٹی آف ایکشن) سے کہا گیا کہ وہ راست اقدام کا منصوبہ بنائے۔ ان قراردادوں کی منظوری کے بعد قائداعظم نے کہا،

> ”آج تک ہم آئینی حدود کے اندر جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ آج ہم آئینی
> ذرائع کو خیرباد کہتے ہیں۔“

انہوں نے کابینہ مشن سے مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

> ”مسئلے کے حل کے لیئے تکلیف دہ گفتگو کے دوران برطانوی حکومت اور کانگریس
> نے ہم پر پستول تانے رکھا۔ برطانوی حکومت کے پاس اقتدار کا پستول تھا، جس کے

پس پردہ مشین گنیں تھیں جبکہ کانگریس کے پاس عدم تعاون اور سول نافرمانی کی دھمکی کا پستول تھا۔اس صورت حال کا جواب دینا ضروری ہے۔آج ہم نے بھی پستول پکڑ لیا ہےاور ہم اسے چلانے کی پوزیشن میں ہیں۔" [۱۷]

مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے لوگوں سے اپیل کی کہ ۱۶، اگست ۱۹۴۶ء کو "یوم راست اقدام" منایا جائے۔کارکنوں سے کہا گیا کہ وہ اس دن مسلم عوام کو تحریک پاکستان کے پس منظر سے آگاہ کریں۔یوم راست اقدام کے دن مسلمانوں نے ملک بھر میں جلسے وجلوس کا اہتمام کیا، جس میں وائسرائے اور کانگریس کے ہتھکنڈوں کے خلاف احتجاج کیا۔اُس دن کلکتہ میں شدید فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جس کے نتیجے میں ایک اندازے کےمطابق پانچ ہزار افراد مارے گئے اور پندرہ ہزار کے قریب زخمی ہوئے۔ان فسادات نے ہندوستان میں مسلم اور ہندو قومیت اور تقسیم کے جذبے میں بے پناہ اضافہ کردیا۔

کیرالہ (مدراس) میں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں حاجی عبدالستار سیٹھ کی تاریخی خدمات۔

ہندوستان میں کیرالہ اسٹیٹ ماضی میں ہمیشہ مسلمانان ہند کا ایک اہم گڑھ سمجھا جاتا رہا ہے۔یہاں پر خلافت تحریک کے دوران موپلاؤں کی بغاوت جو وہاں کے مسلم رہنماؤں (جن میں یعقوب حسن سیٹھ جن کا تعلق میمن برادری سے تھا) کی گرفتاریوں سے شروع ہوئی تھی۔اور جس میں سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کردیا گیا تھا۔جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جاچکا ہے۔پاکستان کے ممتاز اسکالر اور محقق جناب رضوان احمد نے ایک مضمون قائداعظم کے ایک دیرینہ ساتھی جناب عبدالستار سیٹھ کی زندگی اوران کی خدمات کے سلسلے میں ہفت روزہ اخبار جہاں شمارہ ۱۲، مئی تا ۱۸، مئی ۱۹۸۰ء تحریر فرمایا۔اُن کے اُس مضمون سے اقتباسات کے علاوہ عمر عبدالرحمن کھانانی کی تصنیف "میمن شخصیات جلد اول" سے معلومات حاصل کر کے یہاں پر شامل کی جارہی ہیں۔

جناب عبدالستار سیٹھ جسے ہم بلاشبہ جنگ آزادی کا مجاہد کہہ سکتے ہیں جنہوں نے جنوبی ہند میں ایک ایسا نمایاں مقام حاصل کیا کہ میمن قوم کی تحریک پاکستان سے متعلق تاریخ ان کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گی۔آپ کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے ہوتا ہے۔موپلوں کی اسلام دوستی، اور انگریزوں سے ان کی نفرت اوران کے جذبہ حریت کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں۔کیرالہ میں خلافت تحریک کے خاتمہ کے بعد بھی مسلم کانفرنس کا زور رہا۔ ۱۹۳۰ء میں کیرالہ میں مسلم کانفرنس تیلی چیری میں منعقد ہوئی اُس میں سیٹھ عبدالستار نے انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح لندن سے واپس آکر ہندوستان کی سیاست میں دوبارہ عملی حصہ لینا شروع کیا تو انہوں نے سب سے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے رہنماؤں کو یکجا کیا جو اپنے اپنے علاقوں میں مقبول تھے۔اس کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم نو کا سلسلہ شروع کیا۔اس طرح انہوں نے مسلم لیگ کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہونے والے ۱۹۳۷ء میں صوبائی انتخابات میں حصہ لینے کے لیئے تیار کیا۔ اُس انتخاب میں گوکہ مسلم لیگ کو کوئی حوصلہ افزا نتائج حاصل نہ ہوسکے مگر کچھ علاقوں میں کامیابی حاصل ہوئی ان میں مالابار کا وہ حلقہ انتخاب بھی شامل تھا جہاں سے حاجی عبدالستار سیٹھ منتخب ہوئے۔اس حلقہ انتخاب میں مالابار، ساؤتھ کناڈا اور نیلگری ہلز کے علاقے شامل تھے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہونے سے قبل آپ کی کوششوں سے کیرالہ مسلم مجلس کو مسلم لیگ میں ضم کردیا اور کیرالہ

کے مسلمان ہندوستان کی عملی سیاست میں سیٹھ عبدالستار کی قیادت میں ہراول دستے کا کام سرانجام دینے لگے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کو از سرِنو منظم کرنے کے بعد ہندوستان کے کونے کونے سے دس کروڑ مسلمانوں میں سے صرف (۲۰) بیس افراد کی پہلی ہائی کمان کا انتخاب کرا تھا۔ یہ نام مسلم لیگ اور مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں اُن میں ایک نام سیٹھ عبدالستار کا بھی شامل تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی پہلی مجلس عاملہ ان بزرگوں پر مشتمل تھی۔

(۱)۔ قائداعظم محمد علی جناح (صدر)۔ (۲) نواب زادہ لیاقت علی خان (جنرل سیکریٹری)۔ (۳) حاجی سر عبداللہ ہارون کراچی (سندھ)۔ (۴) مولانا شوکت علی (یوپی)۔ (۵) عبدالمجید سندھی (کراچی سندھ)۔ (۶) سید عبدالروف شاہ (سی پی)۔ (۷) ملک برکت علی (پنجاب)۔ (۸) سر کریم ابراہیم (بمبئی)۔ (۹) سردار اورنگ زیب خان (سرحد)۔ (۱۰) خان بہادر سعد اللہ (سرحد)۔ (۱۱) سر سکندر حیات خان (پنجاب)۔ (۱۲) نواب محمد اسماعیل خان (یوپی)۔ (۱۳) راجہ امیر احمد خان (محمود آباد یوپی)۔ (۱۴) چودھری خلیق الزماں (یوپی)۔ (۱۵) حاجی عبدالستار سیٹھ (مدراس)۔ (۱۶) عبدالمتین چودھری (آسام)۔ (۱۷) سر اے۔ ایم کے دہلوی (بمبئی)۔ (۱۸) مولوی فضل الحق (بنگال)۔ (۱۹) عبدالرحمٰن صدیقی (بنگال)۔ (۲۰) سر خواجہ ناظم الدین (بنگال)۔ (۲۱) سید عبدالعزیز (بہار)۔ (۲۲) محمد عاشق وارثی (بہار)۔

حاجی عبدالستار سیٹھ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد آپ اپنے حلقۂ انتخاب سے قیامِ پاکستان کے بعد تک بھی انڈین آئین ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔ قراردادِ پاکستان کے لاہور اجلاس کے بعد اس کے اگلے سال مدراس میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں نوابزادہ لیاقت علی خان نے تجویز پیش کی قراردادِ پاکستان کو مسلم لیگ کے آئین میں شامل کرلیا جائے۔ اُن کی اس تجویز کی تائید حاجی عبدالستار سیٹھ نے کی جس کو مسلم لیگ کے مدراس کے اجلاس میں متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا۔ [۱۸]

حاجی عبدالستار سیٹھ کی قیامِ پاکستان کے بعد کی خدمات۔

حاجی عبدالستار سیٹھ نے کیرالہ میں جس طرح سے عوام کی خدمات انجام دی تھیں یہ ہی وجہ تھی کہ وہاں کے عوام اُن کو دل و جان سے عزت کرتے تھے۔ ان کی کوششوں اور کاوشوں سے وہاں پر مسلم لیگ بھی انتہائی منظم انداز میں تحریک پاکستان کی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کرتی رہی۔ اور آج بھی تقسیمِ ہند کے ساٹھ سالوں بعد بھی ہندوستان میں مسلم لیگ کا سب سے اہم گڑھ کیرالہ کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ تقسیمِ ہندوستان کے بعد حاجی عبدالستار سیٹھ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بھارت کے مسلمانوں کی خدمت کے لیئے وہیں قیام کریں گے۔ بھارت واپسی سے قبل حاجی صاحب قائداعظم سے الوداعی ملاقات کرنے گئے تو قائد نے انہیں یہ کہہ کر روک لیا کہ ہمیں آپ کی یہاں پر ضرورت ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کو مصر میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا، جہاں پر آپ ساڑھے تین سال خدمات دینے کے بعد آپ کو سعودی عرب میں اور پھر سیلون (موجودہ سری لنکا) میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا جہاں پر آپ ۱۹۵۷ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ [۱۹]

تقسیم کے بعد ہندوستان میں مسلم لیگ کے سرگرم رہنماء غلام محمود بنات والا کی خدمات۔

تقسیمِ ہند کے بعد جناب سلیمان بنات والا ہندوستان میں کچھی میمن برادری کی نمایاں سیاسی شخصیت کے طور پر اُبھر کر سامنے آئے

آپ ہندوستان کے مسلم لیگ کے نمایاں لیڈروں میں سے ایک شمار کئے جاتے ہیں۔آپ ۱۵، اگست ۱۹۲۳ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک نیک دل انسان تھے۔۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء تک کی مدت کے دوران کچھی میمن جماعت بمبئی کے صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ سیاسی میدان میں آپ نے مسلمانوں کی کاز کے لیئے پارلیمنٹ میں ہمیشہ آواز بلند کی۔سیاسی میدان میں سب سے پہلے ۱۹۶۷ء میں مہاراشٹر اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اور مسلسل (۱۰) دس سالوں تک اسمبلی کے ممبر رہے۔اس کے بعد آپ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۹ء تک سات مرتبہ لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔اس دوران متعدد پارلیمانی کمیٹیوں کے ممبر رہے۔

غلام محمود بنات والا سیاسی اور سماجی شخصیت کے علاوہ آپ ایک اچھے مصنف بھی تھے۔آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی جن میں، (۱) Religion and politics in India. (۲) ''مسلم لیگ آزادی کے بعد''۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ نے انگریزی اور اردو زبانوں میں بہت سے مفید مضامین بھی قلم بند کیئے، جو مختلف رسالوں (جرنل) میں شائع ہوئے۔ہندوستان میں مسلم لیگ کی اس اہم شخصیت کا انتقال ۲۵، جون ۲۰۰۸ء کو بمبئی میں ہوا۔ [۳۰]

آل انڈیا اسٹیٹ، صوبائی اور ریاستی مسلم لیگ میں نمایاں خدمات انجام دینے والی میمن شخصیات۔

یعقوب حسن سیٹھ	آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے ابتدائی ممبروں میں سے ایک ممبر۔	
حمید حسن سیٹھ	۔ایضا۔	
سر حاجی عبداللہ ہارون۔	صدر سندھ مسلم لیگ	۴۴،۱۹۳۸ء
یوسف اے۔ہارون۔	صدر سندھ مسلم لیگ۔	۴۸_۱۹۴۴ء
عبدالقادر لاکھانی۔	نائب صدر آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے	۴۷_۱۹۴۰ء
عثمان عیسیٰ بھائی وکیل۔	صدر ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ۔	۴۲_۱۹۳۸ء
حاجی داداولی محمد مودی۔	صدر ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ۔	۴۷_۱۹۴۴ء
حاجی عثمان حاجی ہاشم سیٹھ۔	صدر کوچین ریاستی مسلم لیگ۔	۴۷_۱۹۴۰ء
محمد اسماعیل سیٹھ۔	صدر مدراس صوبائی مسلم لیگ۔	۴۷_۱۹۴۰ء
عبدالغنی ابوبکر دولا۔	صدر میسور ریاستی مسلم لیگ۔	۴۷_۱۹۴۳ء
نور محمد احمد۔	نائب صدر بمبئی صوبائی مسلم لیگ۔	۴۷_۱۹۴۵ء
نور محمد احمد۔	سیکریٹری بمبئی صوبائی مسلم لیگ۔	۴۳_۱۹۴۰ء
یوسف مولیدینا۔	سیکریٹری بمبئی صوبائی مسلم لیگ۔	۱۹۴۵ء
عبدالرحیم معرفانی۔	سیکریٹری ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ۔	۴۵_۱۹۳۸ء

احمد نور محمد۔	سیکریٹری ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ۔	۱۹۴۵۔۴۷ء
ابوبکر عبدالرحمن بیگ محمد۔	خزانچی بمبئی صوبائی مسلم لیگ۔	۱۹۳۹۔۴۳ء
نور محمد احمد۔	خزانچی بمبئی صوبائی مسلم لیگ۔	۱۹۴۳۔۴۵ء
احمد عبدالرحمن غنی۔	جوائنٹ سیکریٹری ٹرانسوال مسلم لیگ۔	۱۹۴۵۔۴۷ء

(نوٹ:۔ ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے زیادہ تر ارکان اور عہدیداران میمن گجراتی رہے۔)

تقسیم ہند کے بعد۔

محمد اسماعیل سیٹھ۔	صدر انڈیا مسلم لیگ۔	۱۹۴۸۔۷۷ء
ابراہیم سلیمان سیٹھ۔	صدر	۱۹۷۷۔۸۸ء
غلام محمد بناٹ والا۔	صدر	۱۹۸۸ء۔ تاحال [۴۰]

عبوری حکومت کا قیام ۱۹۴۶ء اور غریب آدمی کا بجٹ ۱۹۴۷ء۔

۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کی سربراہی میں عبوری حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں ۵ نشستیں مسلمانوں کے لیے رکھی گئی تھیں۔ مسلم لیگ نے کوئی دو ماہ بعد اپنے نمائندے نامزد کیے۔ عبوری حکومت میں دونوں بڑی جماعتوں کا مطمع نظر اپنے اپنے مفادات کا تحفظ تھا۔ اس لیے آخری وقت تک عبوری حکومت میں اتحاد عمل کا فقدان رہا۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین تصفیے کے لیے برطانوی حکومت نے دسمبر ۱۹۴۶ء میں ایک کانفرنس لندن میں طلب کی۔ اس کانفرنس میں وزیراعظم ایٹلی، لارڈ ویول، پنڈت نہرو، قائداعظم، لیاقت علی خان اور سردار بلدیو سنگھ شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس بھی اپنی کارکردگی کے لحاظ سے بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو لیاقت علی خان نے عبوری حکومت کے وزیر مالیات کے طور پر سالانہ بجٹ پیش کیا۔ جس میں سرمایہ داروں پر بھاری ٹیکس عائد کیا گیا اور متوسط اور غریب طبقے کو کئی سہولتیں دی گئیں۔ عوام نے اس بجٹ کا خیر مقدم کیا اور اسے ''غریب آدمی کا بجٹ'' قرار دیا۔ ہندو سیٹھ اس بجٹ پر بوکھلا اٹھے۔ اس ساتھ ہی ہندو پریس نے اس بجٹ کے خلاف بہت واویلا مچایا۔ [۴۱]

قرارداد پاکستان سے قیام پاکستان تک کی جدوجہد میں معاشی اور سیاسی میدان میں میمن قوم کا کردار۔

قرارداد پاکستان سے قیام پاکستان تک برصغیر میں رونما ہونے والے اہم واقعات کا جائزہ لینے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کے بعد پورے ہندوستان میں مسلم لیگ کے بینر تلے مسلمانوں میں قیام پاکستان کی تحریک کو ایک نئے ولولے سے ہمکنار کر دیا۔ ہندوستان میں بسنے والی دیگر اقوام کے ساتھ میمن قوم بھی پاکستان کی اس تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کرتی رہی۔

اس سلسلے میں ان کی طرف سے نہ صرف ہندوستان بلکہ آفریقہ اور برما میں بھی میں گراں قدر خدمات انجام دی گیں۔اُس دوران (مارچ ۱۹۴۰ء تا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک) میمن قوم کی تحریک پاکستان میں جوخدمات رہی ہیں اس کامختصر جائزہ پیش ہے۔

تاریخ عالم میں کسی بھی قوم یا ملک کیے قیام سے پہلےضروری ہے کہ اُن کے لیڈروں کے ذہنوں میں ممکنہ پیش آنے والے مسائل کا اندازہ ہو۔اسی چیز کومدنظر رکھتے ہوئے،قائداعظم محمد علی جناح نے اُن مسائل کے حل کے لیئے پہلے ہندوستان کی تمام تجارتی اقوام جس میں میمن، خوجہ بوہری،اور دیگر اقوام کے تاجروں اور صنعت کاروں کے تعاون سے قیام پاکستان کے بعد ابتدائی مسائل کے سدباب کے لیئے پہلے سے کچھ اقدامات کیے ہوئے تھے۔جن کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے پہلے بینک (حبیب بینک) کا قیام۔

ہندوستان میں معاشی میدان میں ہندوؤں کے مقابلے کے لیئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کا اپنا ذاتی بینک ہوجس کے ذریعے ہندوستان کے مسلمان اپنی تجارت اور معاشی سرگرمیوں کی انجام دہی آزادانہ طور پر انجام دے سکیں۔اس سلسلے میں ۱۹۴۱ء بمبئی میں مسلم گجراتی خوجہ اور میمن برادری کے سرکردہ تجارتی شخصیات نے ہندوستان کے پہلے مسلم بینک ''حبیب بینک'' کا قیام عمل میں لایا،جس نے اپنے قیام کے ساتھ ہی اپنی کئی شاخیں کاٹھیاواڑ کے میمن گجراتی مراکز بانٹوا، جیت پورا ور راجکوٹ میں قائم کرلیں تھیں۔اس کے ساتھ ہی حبیب گروپ نے ۱۹۴۱ء میں ہی ہندوستان میں پہلی مسلمانوں کی انشورنس کمپنی ''حبیب انشورنس کمپنی'' کا قیام بھی عمل لایا۔جس نے ہندوستان میں بسنے والی مسلم اقوام کے معاشی تحفظ کے سلسلے میں اہم ترین کردار ادا کیا ان دونوں اداروں کے قیام میں حبیب فیملی کے ساتھ جناب حسین قاسم دادا، جناب حبیب پیرمحمد، جناب آدم پیرمحمد اور دیگر میمن تاجروں نے اہم کردار ادا کیا۔اس بینک کے قیام کے ساتھ ہی میمن گجراتی تاجروں نے اپنی تمام مالی امور کی انجام دہی حبیب بینک سے کرنے لگے۔ [۲۲]

آل انڈیا مسلم صنعت وتجارت کی فیڈریشن کا قیام۔

قائداعظم محمد علی جناح ہندوستان کے مسلمانوں کومعاشی میدان میں ہندوؤں سے کسی طرح پیچھے نہیں دیکھنا چاہتے تھے،اس سلسلے میں وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کی صنعت وتجارت کے میدان میں ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی بھی اپنی صنعت وتجارت کی فیڈریشن ہو، جو ہندوستان بھر میں قائم تمام مسلم چیمبروں کی نمائندگی کرے۔اس سلسلے میں قائد نے ۱۹۴۳ء میں جناب ایم اے ایچ اصفہانی سے اس خواہش کا اظہار کیا۔اُن دنوں بمبئی میں قائم ''آل انڈیا مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری'' پورے ہندوستان میں قائم مسلم چیمبرز کی نمائندگی کر رہی تھی۔لیکن وہ اتنی فعال نہ تھی اور جس کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ پورے ہندوستان تو دور کی بات تھی اُس کا بمبئی کے کاروباری حلقوں پر بھی کوئی خاص اثر نہیں تھا۔

۳،ستمبر ۱۹۴۳ء کو جناب ایم اے ایچ اصفہانی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط تحریر کیا جس میں انہوں نے مشورہ دیا کہ دہلی میں اکتوبر یا نومبر ۱۹۴۴ء میں پورے ہندوستان کی تمام مسلم چیمبروں کی کانفرنس آدمجی حاجی داود کی سربراہی میں بلائی جائے۔جس کے جواب میں

قائداعظم نے جناب اصفہانی کو ۸، اپریل ۱۹۴۴ء کو جواب میں تحریر کیا کہ جناب آدمجی حاجی داود کو نہ صرف اس کانفرنس کی سربراہی کے لیئے تیار کریں بلکہ بعد میں بھی وہ مستقل بنیاد پر اس فیڈریشن کی قیادت پر راضی کرنے کی تلقین کی۔ قائداعظم کی ہدایت پر جناب اصفہانی نے آدمجی حاجی داود سے ملاقات کر کے مسلم فیڈریشن کی مستقل بنیاد پر صدارت سنبھالنے کی گزارش کی، جس پر انہوں نے ناسازی طبعیت اور بار بار سفر کرنے میں مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کر لی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں مجبور کیا تو سر آدمجی اُن کی بات کو ٹال نہ سکے اور اس کے لیئے آمادہ ہوگئے۔

۱۷، اپریل ۱۹۴۵ء کو آدم جی حاجی داود کلکتہ مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے وفد کے ساتھ دہلی روانہ ہوئے۔ جناب ایم ایچ اصفہانی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ کانفرنس دہلی میں ۱۹، اپریل ۱۹۴۵ء کو شروع ہوئی جس کے ساتھ ہی مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی۔ اور آدمجی حاجی داود اس فیڈریشن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ مسلم صنعت وتجارت کی اس فیڈریشن کے قیام کا بنیادی مقصد اس کے ممبران کی جانب سے حکومت ہند کے سامنے پوری مسلم قوم کے صنعتی وتجارتی مفادات کا تحفظ اور اُس کو درپیش مسائل کے حل کروانا شامل تھا۔ اس فیڈریشن کے قیام سے ہندوستان میں تین تجارتی فیڈریشنیں قائم ہوگئیں۔ (۱) برٹش فیڈریشن (۲) انڈیا فیڈریشن (۳) مسلم فیڈریشن۔ [۲۳]

کاٹھیاواڑ انڈسٹریز۔

تحریک پاکستان کے دوران کاٹھیاواڑ میں ریاست جوناگڑھ کے حکمرانوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو پاکستان کا حصہ ہی تصور کیا اور یہ ہی وجہ تھی کہ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تھا۔ اس ہی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے جوناگڑھ کے نواب مہابت خانجی نے جوناگڑھ کے ''چورواڈ'' کے علاقے میں شیر باغ کے مقام پر تین مربع میل کے رقبے پر برما کے صنعتی شعبوں میں اہم کردار ادا کرنے والی شخصیت جناب عبداللطیف ابراہیم باوانی (کاکا باوانی) کے مالی تعاون سے ۱۹۴۴ء میں کاٹھیاواڑ کے صنعتی شعبے کا آغاز کیا۔ اس طرح ۱۹۴۵ء میں ایک کروڑ روپے کی لاگت سے کاٹھیاواڑ کے مقامی مسلمانوں کا پہلا عظیم الشان صنعتی منصوبہ ''کاٹھیاواڑ انڈسٹریز'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کاٹھیاواڑ انڈسٹری کے چیرمین جناب احمد ابراہیم باوانی تھے۔ دیگر ڈائریکٹروں میں جناب حاجی حبیب حاجی پیر محمد، جناب عبدالواحد آدمجی، جناب اسماعیل حاجی محمد ابراہانی، جناب احمد حاجی نور محمد، جناب قاسم حاجی طیب، حاجی یوسف حاجی ہاشم مکلائی، اور حاجی عبدالستار صالح محمد ڈھیڈی شامل تھے۔ جو ''دلاور سینڈیکیٹ'' سے موسوم تھا۔ اس میں ایک بہت بڑا بناسپتی گھی کا پلانٹ اپنے تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اور دیگر انڈسٹریوں کے قیام کا سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ تقسیم ہندوستان کا عمل شروع ہوگیا۔ [۲۴]
لیکن بدقسمتی سے جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے باوجود وہاں پر (جس کا ذکر اگلے باب میں تفصیل سے کیا گیا ہے) قائم تمام انڈسٹریز پر ہندوں نے قبضہ کر لیا۔

مسلم کمرشل بینک کا قیام۔

قائداعظم عموماً سر آدمجی حاجی داود کو اس بات کا عندیہ دیتے تھے، کہ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں اور اس کے باوجود ان کے پاس

واحد مسلم بینک (حبیب بینک) ہے۔ قائد اعظم کے اس اشارے پر سر آدمجی حاجی داود نے مرزا احمد اصفہانی کی باہمی مشاورت کے ساتھ ۹، جون ۱۹۴۷ء کو تین کروڑ روپے کی کثیر رقم سے مسلم کمرشل بینک کا قیام کلکتہ میں عمل میں لایا۔

مسلم کمرشل بینک کی ترقی و ترویج میں سر آدمجی حاجی داود ان کے خاندان کی کاوشوں کی وجہ سے قیام پاکستان کے بعد کے ابتدائی مالی مسائل کے حل میں انہوں نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ تقسیم ہند کے بعد اس بینک کو کراچی میں منتقل کر دیا گیا، اور ۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصے میں پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں اس کی ذیلی شاخیں قائم کر دی گئیں تھی۔ [۲۵]

محمدی اسٹیم شپ کمپنی کا قیام۔

قائد اعظم کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کو اپنی معاشی سرگرمیوں کو دوسروں کی محتاجی کے بغیر چلانے کے لیئے شپنگ کے شعبے میں مسلمانوں کی شپنگ کمپنی کا ہونا ضروری ہے۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے مسلم تجارتی برادریوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ قائد اعظم کی اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیئے حبیب گروپ آف کمپنی نے "محمدی اسٹیم شپ کمپنی" کے نام سے اپریل ۱۹۴۷ء میں پانچ کروڑ روپے کی لاگت سے قائم کی۔ ابتداء میں اس کمپنی کے (۱۴) چودہ ڈائریکٹر جو میمن گجراتی تجارتی شخصیات پر مشتمل تھے۔ ابتداء میں اس کمپنی کا ہیڈ کوارٹر بمبئی میں قائم کیا گیا۔ لیکن اس کمپنی کی رجسٹریشن کراچی میں کرانے کے فیصلے کے بعد اسے کراچی میں منتقل کر دیا گیا۔

جناب قاسم ایچ دادا ابتداء میں کمپنی کے اعزازی تھے۔ چند ماہ بعد وہ اس کے ڈائریکٹر منتخب ہوئے۔ کمپنی کا کراچی میں رجسٹریشن کرانے سے متعلق کاروائی پوری کرنے کے لیئے آپ اپریل ۱۹۴۷ء میں کراچی تشریف لائے۔ اس موقع پر آپ سندھ کے گورنر جناب غلام حسین ہدایت اللہ سے ملاقات کر کے رجسٹریشن کروایا۔ اس طرح پاکستان میں محمدی اسٹیم شپ کمپنی کو سب سے پہلی رجسٹرڈ کمپنی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ابتداء میں اس کمپنی نے (۶) چھ جہاز چارٹرڈ کر کے اپنے کام کا آغاز کیا۔ کچھ عرصے بعد کمپنی نے اپنے ذاتی جہاز خرید کر پاکستان کی پہلی جہاز راں (شپنگ) کمپنی کے طور پر اس شعبے میں اپنی شناخت قائم کی۔ [۲۶]

ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی ہوائی سروس۔

قیام پاکستان کے وقت شپنگ کے بعد اہم ترین شعبہ ہوائی سروس کا تھا۔ جس کے لیئے ضروری تھا کہ اس سلسلے میں قیام پاکستان کے ساتھ ہی مسلمانوں کی اپنی ہوائی سروس کا انتظام ہو۔ اس سلسلے میں جون ۱۹۴۶ء قائد اعظم نے جناب ایچ اے اصفہانی کو کلکتہ میں سر آدمجی حاجی داود کے ساتھ ملاقات کر کے اس سلسلے میں اقدامات کرنے کا مشورہ دیا۔

قائد اعظم کی ہدایت پر آدمجی حاجی داود اور ایچ اے اصفہانی کی باہمی مشاورت سے ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی ہوائی سروس کمپنی

''اور ینٹ ایر ویز'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس کمپنی کے رجسٹر ڈ کروانے کے بعد اس کے لیئے ٹیکساس سے پونے چار لاکھ ڈالر کی مالیت کے چار ڈاکوٹا طیارے خریدے گئے۔ یہ ہوائی جہاز ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچے۔اس دوران جناب اصفہانی ۱۹۴۶ء کے اختتام پر امریکہ گئے اور تین کنوئیر طیاروں کا سودا کیا۔ یہ طیارے ۱۹۴۹ء میں پاکستان نے وصول کئے۔

اس دوران کمپنی کے لیئے دوسری ایئر کمپنیاں طرح طرح کی مشکلات پیدا کر رہی تھیں۔ڈاکوٹا ہوائی جہاز آجانے کے بعد اور دوسری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد بھی سول ایوی ایشن کے ڈائریکٹر نے مختلف حیلے بہانوں سے تین سے چار ماہ مزید گزار دیئے۔ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد ''اور ینٹ ایر ویز'' کو بالاخر ۱۹، جون ۱۹۴۷ء کو کلکتہ اور رنگون کے درمیان اپنی ہوائی سروس کا آغاز کرنے کی اجازت مل گئی۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی کو اس کا مرکز بنایا گیا۔تقسیم ہند کے وقت بے شمار مشکلات اور مسائل کے باوجود اس کمپنی نے بلا ناغہ اپنی سروس جاری رکھی اور سرکاری اسٹاف کے علاوہ مہاجرین کی نقل وحمل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔اور ینٹ ایئر ویز نہ ہوتی تو تقسیم ہند کے بعد طویل عرصے تک پاکستان کے دونوں بازووں کے درمیان کسی ہوائی رابطے کا امکان نہ ہوتا۔بعد میں پاکستان انٹرنیشنل ایئر ویز''(P.I.A) کے قیام کے بعد ''اور ینٹ ایئر ویز'' کو اس میں ضم کر دیا گیا۔ [۴۷]

تحریک پاکستان میں سندھ میں آباد میمن قوم کی خدمات۔

تحریک پاکستان کے دوران ہندوستان میں بمبئی اور کاٹھیاواڑ کے بعد میمن قوم کی سب سے زیادہ اہم خدمات سندھ میں رہی۔ ان خدمات میں سر حاجی عبداللہ ہارون کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

سر حاجی عبداللہ ہارون کی تحریک پاکستان میں خدمات۔

تحریک پاکستان میں سندھ کی انتہائی معتبر اور قائداعظم کے قریبی ساتھیوں میں سر حاجی عبداللہ ہارون میمن قوم کی اُن چند عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں جس پر بلاشبہ فخر کیا جاسکتا ہے۔آپ کے دادا کے انتقال کے بعد آپ کے والد ریاست کچھ سے نقل مکانی کر کے کراچی میں آباد ہو گئے۔اُس وقت ان کی عمر صرف ۲۲ برس تھی۔ ہارون نے کراچی میں اپنا کاروبار شروع کیا، اور اس میں کامیاب رہے۔آپ نے چار شادیاں کیں اور تین بیویاں آپ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئیں۔چوتھی بیوی حنیفہ بائی جن کے بطن سے جناب عبداللہ ہارون نے جنم لیا۔

جناب عبداللہ ہارون ۱۸۷۲ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔آپ ابھی چار سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔آپ کی والدہ ریاست کچھ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے کی ذہین خاتون خانہ تھیں۔شوہر کے انتقال کے بعد، آپ کے بھائیوں نے آپ کو واپس ریاست کچھ چلنے کو کہا مگر آپ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بیٹے کی پرورش دوسروں کے ٹکڑوں پر کرنا نہیں چاہتی۔اس طرح عبداللہ ہارون کا بچپن نہایت کسمپرسی میں گزرا اور غربت کی وجہ سے ہوش سنبھالتے ہی آپ کو بازار میں چھوٹا موٹا سامان فروخت کرنا پڑا۔اس سامان میں ربن، جوتے کی لیس، اور کھلونے وغیرہ شامل ہوتے تھے۔آپ بازار میں روزانہ سامان کو فروخت کر کے جو رقم کماتے اُسے ماں کے حوالے کر دیتے۔آپ کی والدہ

نے ایسے نامساعد حالات میں بھی آپ کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخل کرا دیا۔

آپ بچپن سے ہی نہایت با اخلاق، محنتی اور سادگی پسند تھے۔ آپ نے ۱۴ برس میں چار روپے ماہوار تنخواہ پر نوکری کر لی۔ ۱۸۸۹ء میں والدہ کے ساتھ حج کے لیئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں آپ نے نوکری چھوڑ کر جوڑیا بازار میں چینی (شکر) کی دوکان کھول لی۔ ۱۸۹۰ء میں آپ کی ملاقات آسام کے سیٹھ عبدالرحیم عثمان کلکتہ والا سے ہوئی جو ان کے دور کے رشتے دار بھی تھے۔ جو کلکتہ میں چینی کے بہت بڑے کاروبار سے منسلک تھے اور وہاں پر " Sugar King " کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ اور بہار میں آپ کا بہت بڑا چینی کا کارخانہ تھا۔ (Motipur Sugar Factory Calcutta) اُن کے مشورے پر حاجی عبداللہ ہارون نے کراچی میں چینی کا کاروبار شروع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں ترقی عطا فرمائی اور آپ کو بھی کراچی میں 'Sugar King ' کی حیثیت حاصل ہوئی۔

سر حاجی عبداللہ ہارون نے ۱۹۱۳ء میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ اسی سال آپ کراچی میونسپلٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔ آپ اپنی خداد صلاحیتوں کی بدولت بہت قلیل عرصے میں پورے ہندوستان میں مشہور ہو گئے۔ آپ کو مسلمانوں ہند کی سیاسی اور معاشی بد حالی کا احساس تھا۔ آپ نے مسلمانوں کی آزادی کے لیئے اپنی دولت کو پانی کی طرح بہایا۔ آپ نے ریشمی رومال تحریک، خلافت تحریک اور تحریک پاکستان میں نہ صرف مثالی کردار ادا کیا، بلکہ ہر قدم پر مالی تعاون فرمایا۔

آپ نے ''الوحید'' اخبار جاری کر کے تحریک خلافت اور تحریک پاکستان کی بے مثال خدمات انجام دی۔ آپ ۱۹۱۹ء میں خلافت تحریک سندھ کے صدر مقرر رہوئے۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں خلافت تحریک کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۶ء تک بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے۔ اسی زمانے میں آپ اوٹاوا (OTTAWA) کینیڈا میں منعقد ہونے والی ایک عالمی کانفرنس میں ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے اور واپسی پر آپ کو برطانوی حکومت ہند نے ''سر'' کے خطاب سے نوازا۔

۱۹۳۸ء میں آپ سندھ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء میں منعقدہ مسلم لیگ کے ۲۷ ویں اجلاس میں شریک ہوئے اور وہاں پیش ہونے والی قرارداد پاکستان کی حمایت میں پر زور خطاب کیا۔ اس سے قبل آپ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں منعقدہ ہونیوالے اس اجلاس میں بھی شریک ہوئے تھے جس میں علامہ اقبال نے دوقومی نظریہ پیش کیا تھا۔

سر حاجی عبداللہ ہارون نے سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی اہم کردار ادا کیا آپ نہایت فیاض اور مخیر واقع ہوئے تھے۔ آپ قومی اور رفاہی کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ آپ کی مالی اعانت سے کراچی میں نہ صرف کئی اسکول اور یتیم خانے قائم ہوئے تھے، بلکہ وہ کامیابی سے فروغ علم میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں کھڈہ (لیاری) میں آپ کا قائم کردہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ آج بھی کراچی کا ایک مشہور اسکول اور یتیم خانہ ہے۔ آپ نے سرسید احمد خان کی علمی تحریک میں دل کھول کر مالی معاونت فرمائی تھی۔ آپ علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے تھے۔ آپ نے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ (لیاری) کی خاص مدد کی اور کچھ عرصے کے لیئے اسے اپنے انتظام میں بھی رکھا مگر بعد میں اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر، سر آغا خان سوئم اور حکیم اجمل خان آپ کے گہرے دوستوں میں شامل تھے۔

آپ آخری وقت تک مسلمانان برصغیر کی بھلائی کے لیئے کام کرتے رہے اوران کی فلاح و بہبود پر اپنی مالی معاونت کو جاری رکھا۔ تحریک پاکستان کی اس عظیم شخصیت کا ۲۷، اپریل ۱۹۴۲ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔جس کے بعد آپ کے دونوں فرزند یوسف ہارون اور محمود ہارون آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک وقوم کی شاندار خدمات انجام دیتے رہے۔ [۴۸]

یوسف ہارون کا قیام پاکستان سے قبل مستقبل کی مالی و معاشی مسائل سے نمٹنے کیلئے کاٹھیاواڑ کا اہم دورہ۔

سر حاجی عبداللہ ہارون کے انتقال کے بعد تحریک پاکستان میں آپ کے نوجوان فرزند جناب یوسف ہارون اور جناب محمود ہارون میدان عمل میں آئے۔ یہ دونوں بھائی اپنے طالبعلمی کے زمانے سے ہی رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں زلزلہ کے باعث جو قیامت خیز تباہی ہوئی تھی، اُس کے ریلیف کے کام میں میمن قوم کے ورکر اور والنٹیئر، آپ کی سربراہی میں شاندار خدمات سرانجام دی تھیں۔جس کی وجہ سے انہیں سیاسی اور سماجی حلقوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں ہندوستان میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ صوبہ سندھ میں ان انتخابات میں مسلم لیگ نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کر کے اکثریتی جماعت بن گئی تھی۔کراچی کی دو مسلم نشستوں پر جناب محمد ہاشم گزدر اور جناب یوسف ہارون نے کامیابی حاصل کی۔جبکہ ایک لیبر نشست پر جہاں ہمیشہ ہندو نمائندہ "نارائین داس بیچر" کامیاب ہوتے تھے۔اس انتخاب میں اُنہیں شکست ہوئی اور اُن کی جگہ مسلم لیگ کے اُمیدوار "جناب قاضی مجتبیٰ" کامیاب ہوئے۔مسلم لیگ کی اس شاندار کامیابی پر پورے کراچی میں ایک تاریخی ریلی نکالی گئی جس کی ماضی میں (تحریک پاکستان سے قبل) کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔اس پورے سیاسی عمل میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر ہارون فیملی کراچی میں آباد کچھی میمن برادری، اوکھائی میمن برادری اور دیگر مسلم برادریوں کے تعاون سے تحریک پاکستان کی تمام تحریکوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہی۔

جناب یوسف حاجی عبداللہ ہارون ۱۹۴۷ء کے ابتداء میں قائداعظم کی مشاورت پر ۲۱ تا ۲۵ جنوری تک کاٹھیاواڑ کے میمن مرکزوں کا تیزی سے دورہ کیا۔اس دورہ کا مقصد وہاں کی تجارتی برادریوں میں پاکستان کے قیام سے متعلق امور اور بعد کے تجارتی اور کاروباری معاملات سے متعلق اہم مشاورت اور وہاں کے تاجروں کو سندھ میں آکر صنعتیں قائم کرنے کی دعوت دینا تھا۔آپ نے اپنے دورے میں وہاں کے مسلمان تاجروں کو دس لاکھ روپے کے شیئرز کیپٹل سے قائم شدہ "ہیرالڈ کمپنی" کے شیئرز میں شراکت کرنے کی دعوت دی۔اس دورے میں ان کے ہمراہ ریاست کچھ کاٹھیاوڑ مسلم لیگ کے صدر حاجی دادا ولی محمد، عبدالرحیم معرفانی، حاجی ولی محمد علی محمد بنگالی، اور عبدالغنی میگھانی شامل تھے۔

جناب یوسف ہارون اپنے اس دورے کے دوران راجکوٹ کے دیوان مسٹر مانیکی اور پوربندر حکمران مہاراجہ رانا نٹورسین جی سے بھی ملاقات کی تھی۔اس کے علاوہ آپ جیت پور، جوناگڑھ، ونتھلی، بانٹوا، کتیانہ، اور دھوراجی میں بھی مختلف جلسہ عام سے خطاب کیا۔انہوں نے اپنی تقاریر میں مسلم سرمایہ داروں کو سندھ میں تجارت اور صنعت میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔اور اس پر خاص توجہ دینے پر زور دیا۔اس دورے کے دوران میمن سرمایہ داروں نے "ہیرالڈ لمیٹڈ" کے پانچ لاکھ روپے کے شیئرز خریدے۔جس میں دو لاکھ روپے کی شیئرز صرف بانٹوا کے

تاجروں نے خریدے۔ یہ دورہ قیام پاکستان کے لیئے انتہائی کلیدی اہمیت کا حامل رہا تھا۔جس کا اندازہ ہم پاکستان کے ابتدائی دنوں میں مالی مسائل کے حل میں وہاں کی تاجر برادریوں کی طرف سے بھیجی جانے والی رقوم سے لگا سکتے ہیں،جس نے اُن سنگین مالی مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کیا،اور ہندو رہنماوں کی طرف سے اس دعوے کو غلط ثابت کر دیا کہ پاکستان (۶) مہینے بھی نہیں چل سکے گا۔(جس کی تفصیل اگلے باب میں پیش کی گئی ہے۔)

یوسف ہارون کے کاٹھیاواڑ کے اُس دورے میں جوناگڑھ میں آپ کے استقبال کے لیئے مقامی مسلم اسٹوڈنٹس یونین نے جلسے کا اہتمام کیا تھا۔جس کے بعد آپ وہاں سے جیت پور گئے، جہاں پر ایک اجلاس میں کاٹھیاواڑ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے آپ کا شاندار استقبال کیا جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے وہاں کے صدر جناب عبدالمجید سلیمان باوانی نے اپنے جوشیلے خطاب میں کہا کہ''پنجاب مسلم لیگی رہنماوں کی گرفتاری کے متعلق کڑی تنقید کی،اور اعلان کیا کہ قائد اعظم کا فرمان ہوتے ہی کاٹھیاواڑ کے مسلمان،پنجاب کی سرزمین پر آکر اپنی جانیں پاکستان کے اصولوں پر قربان کر دیں گے۔'' [۲۹] یوسف ہارون کے کاٹھیاواڑ کے اس دورہ کو ہم بلاشبہ قیام پاکستان کے بعد کے دنوں میں معاشی طور پر ملک کو درپیش پریشانی کو دور کرنے کی ایک دورس کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔جو استحکام پاکستان کے لیئے اہم ترین پیش رفت تھی۔

تحریک پاکستان میں جناب یوسف ہارون کی خدمات۔

سر حاجی عبداللہ ہارون کے انتقال کے بعد سندھ میں مسلم لیگ کی سیاسی قیادت کو جناب یوسف ہارون نے سنبھالی۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کو کراچی سے اُس وقت تک پورے ہندوستان میں سب سے کم عمر ''میر'' منتخب ہونے کا اعزاز حاصل رہا تھا۔اس کے علاوہ آپ ۱۹۴۶ء میں سندھ اسمبلی کے ممبر،اور اسی سال آپ کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۴۷ء کے ابتداء میں جناب یوسف ہارون نے ۱۲،جنوری تا ۲۵،جنوری تک کاٹھیاواڑ میں میمن قوم کے مرکزی شہروں کا دورہ کر کے وہاں پر مسلم مفادات کا تحفظ اور مسلم لیگ کے پروگراموں کی ہندوستان بھر میں تشہیر کرنے کی مہم شروع کی،جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ [۳۰]

قائد اعظم کا میمن قوم سے اپیل'' COME BACK HOME ''(واپس گھر آجاؤ)۔

۲۲،دسمبر ۱۹۴۶ء کو کراچی میں قائد اعظم کو ایک استقبالیہ دیا گیا۔اس استقبالیہ میں قائد خطاب کرتے ہوئے پورے ہندوستان میں بسنے والی میمن قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ،

> ''میمن قوم جیسی سرکردہ تاجر برادری کی جانب سے کراچی میں دیئے گئے استقبالیہ پر مجھے بے حد خوشی اور مسرت ہو رہی ہے۔میں جانتا ہوں کہ میمن قوم ایک نڈر تاجر برادری ہے،اور اس باشعور قوم نے پاکستان کی منصوبہ بندی میں پر خلوص اور بامعنی

سرگرمیوں سے تعاون کر کے اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ اپنے اردگرد پوسٹروں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ حضرات نے بڑی تیزی سے ترقی کی ہے اور لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری سے قبل آپ اس اصول کو اپنا چکے ہیں۔''

آپ نے اپنی خطاب میں، مستقبل میں پاکستان میں شامل ہونے والے علاقے سندھ میں میمن اور گجراتی برادریوں کو آ کر آباد ہونے کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ،

''آپ سب کو دو لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ اصل سندھ کے باشندے آپ ہیں جو ہندوستان بھر میں اور ہندوستان کے باہر پھیل چکے ہیں، آپ نے بہت عزت اور احترام حاصل کر لیا ہے۔ آپ کی صلاحیت اور ذہانت کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ مگر آپ اپنے گھروں کو بھول چکے ہیں، اور مجھے ڈر ہے کہ گھر کی جانب سے آپ کی یہ بے پروائی آپ کی بنیادوں کی جڑوں کو خشک کر دے گی۔ یہاں پر آپ کے لیئے وسیع شعبوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کے مستقبل کو اور آپ کی نسلوں کو خوشحالی حاصل کرنے کے لیئے اور ان کو اقتصادی طور پر آزاد بنانے کے لیئے ایک وسیع میدان آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ اس لیئے آپ کو میرا صرف یہی مشورہ ہے کہ صدیوں سے گھر چھوڑ کر دور جانے والو! پھر اپنے گھر واپس لوٹ آؤ! کم بیک ہوم! (COME BACK HOME)۔ اُمید ہے کہ ہر میمن اور گجراتی میرے ان الفاظ پر عمل پیرا ہوگا۔'' [۴۱]

قائداعظم کی طرف سے خطاب واپس کر دینے کی ہدایت۔

قائداعظم نے ۱۹۴۶ء میں تمام مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حکومت برطانیہ کی جانب سے عطا کردہ خطابوں سے اپنے آپ کو دست بردار کر لیں۔ اُس وقت دیگر مسلمانوں کے ساتھ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں نے بھی اس حکم پر عمل کیا اور آدمجی حاجی داود اُن میں سرفہرست تھے جنہوں نے سب سے پہلے ''سر'' کا خطاب حکومت برطانیہ کو واپس کر دیا۔

خطاب سے دستبرداری سے متعلق ایک جلسہ عام برٹش ریزیڈنٹ کے بڑے مرکز راجکوٹ میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ وہاں پر بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی جائیں گی۔ اس جلسہ میں کاٹھیاواڑ کے تمام مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈر حاضر تھے اور انہوں نے وہاں پر برطانوی حکومت کی طرف سے عطا کردہ اعزازات کو واپس کرنے کا اعلان کیا۔ [۴۲]

اٹیلی کا اعلان، اور ۳ جون پلان ۱۹۴۷ء۔

۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اعلان کیا کہ جون تک اقتدار کی منتقلی کر دی جائے گی۔ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا کہ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے ہوں گے۔ مارچ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کے وائسرائے کا عہدہ سنبھال کر تقریباً ایک ماہ تک ہندو مسلم اور سکھ رہنماؤں سے مذاکرات کیے۔ ان مذاکرات سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد ماونٹ بیٹن نے آزادی ہند کا ایک پلان مرتب کیا۔ اس پلان کی منظوری خود ماونٹ بیٹن نے انگلستان جا کر حاصل کی اور ۳، جون کو وائسرائے نے اس پلان کا اعلان کیا۔ اسی نسبت سے اسے ۳، جون پلان یا ماونٹ بیٹن پلان بھی کہا جاتا ہے۔ اس پلان کے اہم نکات مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک ہندو اکثریت کا علاقہ ہوگا اور دوسرا مسلم اکثریت کا۔ دونوں علاقے (مما لک) اپنے اپنے آئین بنائیں گے۔ آئین کے نفاذ تک دونوں مما لک کو ڈومینین درجہ حاصل ہوگا۔

۲۔ بنگال اور پنجاب کی اسمبلیاں اکثریت رائے سے یہ فیصلہ کریں گی کہ وہ کون سی دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوں گی۔ اگر انہوں نے نئی اسمبلی (مجوزہ پاکستانی اسمبلی) میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا تو بنگال اور پنجاب کی اسمبلیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصے میں مسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے اور دوسرے حصے میں غیر مسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے بیٹھیں گے۔ یہ دونوں حصے الگ الگ اکثریت رائے (۵۱ فیصد) سے فیصلہ کریں گے کہ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کیا جائے یا متحد رکھا جائے۔ اگر کسی حصے نے بھی تقسیم کے حق میں فیصلہ دیا تو وائسرائے سرحدوں کے تعین کے لیئے ایک باؤنڈری کمیشن مقرر کرے گا۔

۳۔ سندھ اسمبلی اکثریت رائے سے یہ فیصلہ کرے گی کہ صوبہ سندھ ہندوستان میں شامل ہوگا یا پاکستان میں۔

۴۔ صوبہ سرحد کے عوام رائے شماری کے ذریعے فیصلہ کریں گے کہ وہ کس ملک میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

۵۔ آسام کے ضلع سلہٹ کے مستقبل کا فیصلہ بھی رائے شماری کے ذریعے کیا جائے گا۔

۶۔ بلوچستان کا شاہی جرگہ اور میونسپل کمیٹیوں کے منتخب اراکین فیصلہ کریں گے۔

۷۔ دیسی ریاستوں کو آزاد رہنے، پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۸۔ قبائلی علاقوں کے بارے میں معاہدہ کرنے کے لیئے آئندہ بننے والی اتھارٹی سے گفت وشنید کی جائے گی۔

۹۔ جب تک ہندوستان اور پاکستان اپنا اپنا دستور نہیں بنا لیتے اس وقت تک دونوں مما لک میں ۱۹۳۵ء کا ایکٹ نافذ رہےگا۔ [۳۳]

قانون آزادی ہند مجریہ ۱۹۴۷ء اور قیام پاکستان۔

۲۸، جولائی ۱۹۴۷ء کو قانون آزادی ہند منظور ہوا۔ اس مقصد ۳، جون پلان کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ قانون آزادی کی بنیاد پر ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد اور خودمختار ملک پاکستان معرض وجود میں آیا۔

۳، جون پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے ۴، جولائی ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم ایٹلی نے ۲۰ دفعات اور ۳ جدولوں پر مشتمل قانون آزادی ہند کا بل پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ قواعد کے مطابق مختلف مراحل سے گزر کر ۱۸، جولائی کو یہ بل قانون بن گیا۔ اور اس طرح ۲۰، جولائی کو پاکستان اور ہندوستان کی عارضی حکومتوں نے کام کرنا شروع کردیا۔ ۱۱، اگست کو کراچی میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو دستور ساز اسمبلی کا صدر چنا گیا۔ ۱۴، اگست کو دستور ساز اسمبلی کا خاص اجلاس ہوا۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسمبلی سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں اس نے پاکستان کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا اور آزادی کی دستاویز قائداعظم کے حوالے کیں۔ اس دن برطانوی یونین جیک اتاردیا گیا اور رات کو چراغاں کیا گیا۔ یہ رمضان المبارک کی ستائیویں شب تھی۔

اگلی صبح جمعۃ المبارک کا بابرکت دن طلوع ہوا۔ اس دن بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے گورنر جنرل کا منصب سنبھالا اور نوابزادہ لیاقت علی خان نے وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ اس طرح برصغیر جنوبی ایشیا میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آیا۔

REFERENCES حوالہ جات

[۱] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Pg.871- 872.

[۲] ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" "جدوجہد پاکستان" صفحہ نمبر۔۱۸۲۔۱۸۳

[۳] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔۲۴۸۔

[۴] عبدالستار کوپلانی۔ یادوں کی سوغات۔ صفحہ نمبر۔۲۴۰۔۲۳۹

[۵] یحییٰ ہاشم باوانی۔ تحریک آزادی اور میمن برادری صفحہ نمبر۔۱۴۲۔۱۴۳

[۶] اشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔ ۲۶۲۔۲۶۳

[۷] A Short History of Pakistan Book Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi.Pg.880-881.

[۸] مسلم گجرات۔ شمارہ ۱۰، اگست ۱۹۴۵ء۔

[۹] مسلم گجرات۔ شمارہ ۱۷، اگست ۱۹۴۵ء۔

[۱۰] یحییٰ ہاشم باوانی۔ اسپیچ اینڈ رائٹنگ آف مسٹر جناح صفحہ نمبر۔۲۶۹۔۲۶۷۔

[۱۱] مسلم گجرات۔ شمارہ ۲، نومبر ۱۹۴۵ء۔

[۱۲] مسلم ہاتمتر۔ شمارہ ۳۰، اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

[۱۳] میمن عالم۔ شمارہ ۵۰۰، مارچ ۲۰۰۰ء

[۱۴] اُشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔ ۲۶۳-۲۶۴

[۱۵] مسلم گجرات۔ شمارہ۵، اپریل ۱۹۴۶ء۔

[۱۶] نواب صدیق علی خان۔ بے تیغ سپاہی صفحہ نمبر ۳۰۱۔

[۱۷] ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ مطالعہ پاکستان صفحہ نمبر۔ ۲۳۱

[۱۸] عمر عبدالرحمٰن کھاتانی ''میمن شخصیات'' جلد اول صفحہ نمبر۔ ۷۷-۷۸

[۱۹] عمر عبدالرحمٰن کھاتانی ''میمن شخصیات'' جلد اول صفحہ نمبر۔ ۷۹-۸۰

[۲۰] رپورٹ ہلکی میمن جماعت میگزین آل انڈیا ہلکی میمن فیڈریشن ورلڈ کانفرنس صفحہ نمبر۔ ۳۴۴

[۲۱] اُشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔ ۳۹۱-۳۹۲

[۲۲] میمن عالم شمارہ۔ دسمبر ۱۹۷۶ء۔

[۲۳] ایم۔اے۔ایچ۔اصفہانی۔ قائداعظم ایز اے نیو اہم۔ صفحہ نمبر۔ ۱۳۰-۱۳۲

[۲۴] مسلم گجرات۔ شمارہ ۲۴، فروری ۱۹۴۶ء

[۲۵] رفیق ڈھوراجوی۔ میر کارواں سر آدمجی۔ صفحہ نمبر۔ ۹۱-۹۲

[۲۶] ایم۔اے۔ایچ۔اصفہانی۔ قائداعظم ایز اے نیو اہم۔ صفحہ نمبر۔ ۱۳۳

[۲۷] رفیق ڈھوراجوی۔ میر کارواں سیٹ آدمجی۔ صفحہ نمبر۔ ۹۳-۹۴

[۲۸] دولت ہدایت اللہ ''سوانح عمری سر حاجی عبداللہ ہارون''

[۲۹] مسلم ہاتمر۔ شمارہ ۲۰، فروری۔ ۱۹۴۷ء۔

[۳۰] میمن عالم۔ شمارہ، ۵۰۰، مارچ ۲۰۰۰ء

[۳۱] میمن عالم۔ شمارہ اگست ۱۹۷۶ء

[۳۲] عبدالغنی میگانی۔ معرفانی کی سوانح حیات ۱۹۶۲ء۔

[۳۳] اُشتیاق حسین قریشی "The Struggle for Pakistan" جدوجہد پاکستان صفحہ نمبر۔ ۴۰۵-۴۰۹

پانچواں باب

پاکستان کے ساتھ الحاق جوناگڑھ

اور اُس پر ہندوستان کا قبضہ

پانچواں باب

پاکستان کے ساتھ الحاق جوناگڑھ

اور اُس پر ہندوستان کا قبضہ

ہندوستان کی دیسی ریاستیں۔

تقسیم ہند کے وقت ہندوستان میں کل (۵۷۲) پانچ سو بہتر چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں قائم تھیں، جو برصغیر کے ایک تہائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں اور جو ملک کی ایک چوتھائی آبادی پر مشتمل تھیں۔ ان میں کشمیر، حیدرآباد دکن، میسور، جیسی ریاستیں بھی تھیں جو برطانوی ہند کے کسی بھی صوبے کی آبادی اور رقبہ کے برابر تھیں۔ ان (۵۷۲) پانچ سو بہتر ریاستوں میں سے تقریباً تین چوتھائی ریاستیں بہت چھوٹی تھیں اور ان کے حکمران محدود قسم کے اندرونی اختیارات رکھتے تھے۔ باقی ماندہ ایک سو چالیس (۱۴۰) ریاستیں بڑی تھیں اور ان کے حکمران تاج برطانیہ کے ساتھ مختلف معاہدوں سے منسلک تھے۔ ان معاہدوں کی روح سے دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کی ذمہ داریاں حکومت برطانیہ کے ذمہ تھیں۔ باقی تمام معاملات میں یہ حکمران مکمل طور پر خودمختار ہوتے تھے۔ اور ان بڑی ریاستوں میں برطانوی (ریذیڈنٹ) نمائندے مقرر ہوتے تھے۔ جبکہ چھوٹی ریاستوں کو مختلف گروپوں میں اکٹھا کر کے ان کی ایجنسی بنادی جاتی تھی۔ اور ان پر پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا جاتا تھا۔ [۱]

تقسیم ہند کے وقت جواہر لال نہرو کی دیسی ریاستوں کو دھمکی۔

۳، جون ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی آزادی کے اعلان میں دیسی ریاستوں کی بھی مکمل آزادی کا اعلان کیا گیا، اور اس بات کا فیصلہ ریاستوں پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ انڈین یونین کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا پاکستان سے الحاق کریں۔ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا مطلب بھارت میں شامل ہو جانا تھا۔ اس مذکورہ اعلان کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو نے گوالیار میں آل انڈیا اسٹیٹس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے یہ دھمکی دی کہ آئین ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونے والی ریاست کو ملک کا دشمن قرار دیا جائے گا۔ اور اُسے اس کے فیصلے کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ اس دھمکی نے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں پر کافی اثر ڈالا۔ اور وہ بڑی تعداد میں دیسی ریاستیں آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو گئیں۔ لیکن کسی بھی ریاست نے الحاق کا اعلان نہیں کیا۔ [۲]

ہندوستان کے اُس وقت کے سیاست دانوں نے دیسی ریاستوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیئے ''چانکیہ (CHANAKYA)'' کے سیاسی اصولوں پر بھی بھرپور عمل کیا گیا۔ اس اصول میں ''سام'' یعنی دلائل سے کسی کو سمجھنا۔ ''دام'' کسی کو رشوت اور پیسہ یا دوسری قسم کی لالچ دے کر اپنا ہم خیال بنانا۔ ''بھید'' یعنی کسی کے خفیہ راز کو افشاء کرنے کی دھمکی دینا اور ''ڈنڈ'' یعنی سخت سزا کی دھمکی دینے پر مبنی تھے۔ ان کوششوں میں بھارتی ریاستی امور کے وزیر سردار ولبھ بھائی پٹیل (WALLABH-BHAI PATEL) اور سیکریٹری مسٹر وی پی مینن

نے انتہائی اہم کردار ادا کیا، اوران کو اُس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور بھارتی حکومت کی پشت پناہی بھی حاصل تھی ۔اس طرح بھارت کے یوم آزادی ۱۵، اگست تک سوائے چند ایک کے تمام ریاستیں بھارت کے ساتھ الحاق کر چکی تھیں ۔ [۳]

تین اہم ترین ریاستیں۔

اس طرح حکومت بھارت کے اپنے علاقے سے منسلک تمام ریاستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد اب صرف تین ریاستیں باقی رہ گئی تھیں، جو اپنی خصوصی حیثیت رکھتی تھیں ۔ یہ تین ریاستیں حیدرآباد دکن، کشمیر اور جوناگڑھ کی تھیں، اوران ریاستوں کے واقعات اکثر مقامات پر ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھیں ۔

ریاست حیدرآباد دکن پر بھارت کا قبضہ۔

ریاست حیدرآباد دکن کا رقبہ بیاسی (۸۲) مربع میل اور آبادی ایک کروڑ سات لاکھ افراد پر مشتمل تھی ۔ اٹھارہویں صدی میں نظام الملک کی قائم کردہ اس ریاست کی آبادی میں ہندوؤں کی اکثریت تھی ۔ برصغیر کی آزادی کے وقت نظام میر عثمان علی نے آزاد رہنے کے فیصلے کا اعلان کیا تھا، اور حکومت بھارت نے ریاست حیدرآباد کے لیئے اپنا ایجنٹ کے طور پر مسٹر کے ایم منشی کا تقرر کیا تھا۔جس کے بعد بھارت نے ریاست میں مداخلت کے لیئے مختلف حیلے بہانے سے مسائل شروع کردیئے۔

جون ۱۹۴۸ء میں لارڈ ماونٹ بیٹن ہندوستان سے رخصت ہوئے ۔اس کے فوراً بعد بھارت نے حیدرآباد کی اقتصادی ناکہ بندی کردی اور جنگی چڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں ۔ ۱۱، ستمبر ۱۹۴۸ء کے روز قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا، اوراس کے دوسرے دن ہی بھارت نے ریاست حیدرآباد دکن پر حملہ کردیا۔پانچ دن کے مقابلے کے بعد ریاست کی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے۔جس کے بعد حیدرآباد دکن کی ریاست کے ٹکڑے کرکے انہیں اردگرد کے بھارتی صوبوں کے ساتھ منسلک کردیا گیا ۔ [۴]

ریاست کشمیر کی متنازعہ حیثیت۔

کشمیر برصغیر کی سب سے بڑی دیسی ریاست تھی ۔اس کا رقبہ چوراسی ہزار چار سو اکہتر (۸۴،۴۷۱) مربع میل تھا۔جس کی سرحد تبت، چین اور افغانستان تک پھیلی ہوئے تھی، جس کے چند ہی میل کے فاصلے پر روس کی سرحد واقع ہے ۔اس کی چالیس لاکھ آبادی میں سے ستتر (۷۷) فیصد مسلمان تھے ۔اس کے تمام زمینی راستے پاکستانی علاقوں سے منسلک تھیں ۔اور جس کی وجہ سے تمام تر تجارت پاکستانی علاقے کے ذریعے ہوتی تھی ۔کشمیر کے مسلمان مذہبی، تہذیبی اور سماجی اعتبار سے پاکستانی علاقے کے مسلمانوں کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے تھے۔۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے جموں وکشمیر کا پورا علاقہ ڈوگرا سردار گلاب سنگھ کو پچھتر لاکھ روپے کے عوض بیچ دیا تھا۔ ایک صدی یہ ڈوگرا دور حکومت میں رہا۔ ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کے حکمران تھے ۔کشمیر میں غیر مسلم حکمراں اور مسلمان آبادی کے برعکس حیدرآباد اور جوناگڑھ میں مسلم حکمراں اور غیر مسلم رعایا تھی ۔ [۵]

کشمیر کے راجہ نے اپنی رعایا کی مرضی کے خلاف جس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کا اعلان

کردیا۔ جس پر وہاں کی عوام سراپا احتجاج بن گئے۔ اور جس کا مظاہرہ ہم آج تک کشمیر میں حق خودارادیت کی جنگ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ اور اُس میں وہاں کے نہتے عوام کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے کرسکتیں ہیں۔ جس میں ہزاروں لوگ شہید ہو چکے ہیں۔

اُس کے برعکس جوناگڑھ جس کے حکمران مسلمان تھے اور وہاں پر آبادی کی اکثریت ہندوں عوام پر مشتمل تھی۔ اُس کے لیئے وہاں پر ہندوستان کی حکومت تمام ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے اپنا تسلط قائم کرلیا۔

ریاست جوناگڑھ کی تاریخی حیثیت۔

ریاست جوناگڑھ برصغیر کے جنوبی ساحل پر واقع جزیرہ نما کاٹھیاواڑ میں واقع تھی۔ برطانوی دورحکومت میں اس کا شمار اوّل درجہ کی ریاستوں میں ہوتا تھا۔ اس کے نواب کو گیارہ توپوں کی سلامی کا اعزاز حاصل تھا۔ ۱۹۴۷ء میں اس کا رقبہ تین ہزار تین سو سینتیس (۳۳۳۷) مربع میل تھا۔ اس کی آبادی سات لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، جس میں اکیاسی فیصد (۸۱) ہندو آباد تھے۔ ریاست میں چھوٹے بڑے تقریباً آٹھ سو چھیاسٹھ (۸۶۶) شہر اور گاؤں واقع تھے۔ جوناگڑھ کئی صدیوں سے کاٹھیاواڑ کی تاریخ کا اہم ترین مرکز رہا۔ اس کا شمار ترقی یافتہ اور خوشحال ریاستوں میں ہوتا تھا۔ اس کے مغرب اور جنوب میں بحر عرب واقع تھا۔ ریاست کا سمندری ساحل چوراسی (۸۴) میل طویل تھا جو ہندوستان کی کسی بھی ریاست کے سمندری ساحل کے مقابلے میں طویل ترین تھا۔ اس پر چھوٹی بڑی سولہ (۱۶) بندرگاہیں واقع تھیں۔ جس میں ہر موسم میں کارآمد رہنے والی ''ویراول''(VIRAVAL) کی بندرگاہ بھی شامل تھی۔

پندرویں صدی میں جوناگڑھ کے ''مانڈلیک''(Mandlik) سوئم نے کاٹھیاواڑ کے ہندوٹھاکروں کو شکست دے کر حاصل کی تھی۔ جس کے بعد اُس نے کاٹھیاواڑ میں واقع گجرات کے سلاطین کی چند سرحدی چوکیاں ضبط کرلیں اور مسلمانوں کو ہراساں کرنا شروع کردیا۔ اس وجہ سے ''سلطان محمود بیگڑا'' نے جوناگڑھ پر چڑھائی کی۔ اوپرکوٹ کے قلعے کے دوسالہ محاصرے کے بعد مانڈلیک نے شکست قبول کرلی۔ اُس کو قید کرکے احمدآباد لے جایا گیا جہاں پر وہ مسلمان ہوگیا۔ اور اس نے اپنی بقیہ زندگی احمد آباد ہی میں بسر کی۔ جوناگڑھ کی فتح کے بعد کاٹھیاواڑ کی دیگر ریاستوں میں بھی محمود بیگڑا کی حاکمیت تسلیم کرلی گئی اور اسے خراج دیئے جانے لگے۔ خراج کی رقومات جوناگڑھ میں وصول کی جاتی تھیں۔ اس طرح سلطانی دورحکومت میں جوناگڑھ مہاراشٹر کا دارالحکومت بن گیا۔ [۲]۔

بابی خاندان کی حکومت۔

''بابی'' افغانستان کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ مغل بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کے بعد سولہ برس تک دربدر کی خاک چھانتا رہا اور ۱۵۵۶ء میں ایران سے ہندوستان واپس لوٹا تو یوسف زئی قبیلے کا ''عادل خان'' نامی سردار اس کے ساتھ دلی آیا اُسے اور اُس کے بیٹے عثمان خان کو بادشاہ کی شاندار خدمات کے صلے میں مغلیہ فوج میں بلند منصب عطا کئے گئے۔

عثمان خان کا بیٹا ''شیر خان'' عہد شاہجہانی میں ایک نامور سردار کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔ شاہجہاں نے اپنے تیسرے بیٹے شہزادہ مراد کو گجرات کا صوبیدار مقرر کیا اور شیر خان کو اس کے ہمراہ احمد آباد بھیجا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلیہ حکومت کمزور ہونے لگی

اور گجرات اور کاٹھیاواڑ میں مراٹھوں کی لوٹ مار اور خون ریزی کی وجہ سے گجرات کے متعدد علاقوں پر مغلیہ دور کے مقرر کردہ صوبیداروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ شیر خان نے بھی بہادر خان کے نام سے ۱۷۴۸ء میں ریاست جوناگڑھ میں بابی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی۔

۳، جون ۱۹۴۷ء پلان میں دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو غیر مشروط طور پر یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ اپنی ریاستوں کا الحاق کر سکتے ہیں۔ یا خود مختار رہ کر اپنی مرضی کے مطابق کوئی متبادل انتظام کر سکتے ہیں۔ جوناگڑھ کے بابی حکمران نواب مہابت خانجی سوئم ایک مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے فطری طور پر اپنی ریاست کو پاکستان کے ساتھ الحاق کی خواہش رکھتے تھے۔ جبکہ ریاست جوناگڑھ سوائے سمندری سمت کے تین اطراف سے ہندو ریاستوں کے درمیان گھری ہوئی تھی، اور جو سب کی سب بھارت سے الحاق کرنے والی تھیں۔ اس کے علاوہ ریاست جوناگڑھ کی بیشتر آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی، اور انہیں دی جانے والی متعدد مراعات کے باوجود اس معاملے میں ان کو بہ آسانی مشتعل کیا جا سکتا تھا۔ [۷]

تقسیم ہند کے وقت کاٹھیاواڑ کی سیاسی صورت حال۔

تقسیم ہند کے وقت کاٹھیاواڑ کی سیاسی میدان میں ہندووں کے مقابلے میں مسلمان اقوام میں میمن قوم جو وہاں پر دیگر مسلم برادریوں کے مقابلے میں زیادہ ہونے کی بنا پر سیاسی معاملات میں بہت زیادہ فعال کردار ادا کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ یہ قوم وہاں پر معاشی میدان میں بھی بہتر پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے وہ وہاں پر معاشرتی، سماجی اور سیاسی میدان میں قائدانہ کردار ادا کر رہی تھی۔ اس بات کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مسلم لیگ کے قیام سے لے کر قیام پاکستان تک وہاں پر قائم ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے اہم عہدوں پر ہمیشہ میمن آقابرین ہی اپنی خدمات انجام دیتے رہے، اور یہ ہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۸ء راجکوٹ میں گاندھی جی کی ''پرجامنڈل'' کی تحریک کے وقت وہاں کے مسلمان سیاسی لیڈروں میں اکثریت میمن آقابرین کی تھی۔ جس کا مکمل ذکر پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔

ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق۔

راجکوٹ کے سیاسی محاذ پر شکست کے بعد ہندو سیاسی لیڈروں کے دلوں میں وہاں پر آباد مسلمانوں کے خلاف شدید غم وغصہ کے جذبات پائے جاتے تھے، اور خصوصاً میمن قوم کے بارے میں اُس نفرت آمیز جذبات کی شدت زیادہ تھی۔ برصغیر میں تحریک آزادی کی جدوجہد اور دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں انگریزوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب ہندوستان پر ان کا تسلط کو مزید طول دینا ان کے مفاد میں نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیئے دو الگ ریاستوں کے حق کو تسلیم کر لیا۔ اس سلسلے میں ۳، جون ۱۹۴۷ء کو برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ اس اعلان میں دیگر تمام اہم امور کے ساتھ ہی ہندوستان میں قائم دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو غیر مشروط طور پر یہ اختیار دیا گیا، کہ اگر وہ چاہئیں تو بھارت یا پاکستان کے ساتھ اپنی ریاستوں کا الحاق کر سکتے ہیں یا وہ خود مختار رہ کر اپنی مرضی کے مطابق کوئی متبادل انتظام کر سکتے ہیں۔

ان تمام حالات کے تناظر میں جوناگڑھ کے بابی حکمران نواب مہابت خانجی نے ریاست جوناگڑھ کے مستقبل کے فیصلہ کی مشاورت

کے لیئے ریاست کے دیوان سرشاہنواز بھٹو کو قائداعظم سے مشورہ لینے کے لیئے نئی دہلی روانہ کیا جہاں پر انہوں نے ۱۶، جولائی ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ طویل ملاقات کی جس میں قائد نے اُن کو یقین دہانی کرائی کہ

> ''پاکستان کسی طاقت کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ آپ کو فاقہ کشی پر مجبور کرے، یا آپ کو ظلم وتشدد کا شکار بنائے۔ ہم ضرور آپ کی امداد کریں گے۔ ویراول کی بندرگاہ کراچی سے زیادہ دور نہیں۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ آپ ۱۵، اگست تک ہر معاملے سے علیحدگی اختیار کریں۔'' [۹]

اس کے ساتھ ہی نواب صاحب، جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے اعلان سے قبل مزید مشاورت کے لیئے جناب اسماعیل ابراہانی (جو ریاست میں وزیر تعلیم کے عہدے پر فائز تھے) کو قائداعظم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیئے کراچی بھیجا، تاکہ کسی بھی قسم کے اعلان سے قبل تمام صورت حال کا باریک بینی سے جائزہ لیا جا سکے۔ اس سلسلے میں جناب اسماعیل ابراہانی نے ۱۱، اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی، اور جس میں انہوں نے جوناگڑھ کی تمام صورت حال سے قائد کو آگاہ کیا۔ مختلف امور پر مشاورت اور رہنمائی کے بعد آپ واپس جوناگڑھ پہنچ کر ریاست جوناگڑھ کی ایڈوائزری کونسل کی میٹنگ میں قائداعظم کے ساتھ ہونے والے تمام امور اور اُن سے ہونے والی گفتگو کی تفصیلات بتائیں۔ جس کے بعد کونسل نے اتفاق رائے سے جوناگڑھ کا پاکستان سے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کیا۔ [۱۰]

جوناگڑھ کے بابی حکمران نواب مہابت خانجی نے ۱۶، اگست ۱۹۴۷ء کو جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پورے ہندوستان اور خاص کر کاٹھیاواڑ میں کانگریس نے زبردست مخالفت شروع کی۔ جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو وہاں پر آباد مسلمانوں پر ڈالتے تھے، جس میں اکثریت میمن قوم کی تھی۔

الحاق کا اعلان۔

ریاست جوناگڑھ کی طرف سے باقاعدہ ریاست جوناگڑھ کی پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان، جو کچھ یوں تھا۔

> ''گذشتہ کچھ عرصے سے حکومت جوناگڑھ کے سامنے یہ پیچیدہ اور سنگین مسئلہ غور وخوص کا مرکز بنا ہوا تھا، کہ ریاست کا الحاق بھارت سے کیا جائے یا پاکستان سے، حکومت نے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ آخری فیصلہ کرتے وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ ریاست کے عوام کی خوشحالی اور فلاح کس بات پر منحصر ہے اور ریاست کی انفرادیت اور سالمیت کس طرح برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو پر غور وفکر کرنے کے بعد ''ریاست جوناگڑھ'' کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ حکومت کو اُمید ہے کہ رعایا اس فیصلے کا دل وجان سے خیر مقدم کرے گی۔'' [۱۱]

مخالفت کی ابتداء۔

جونا گڑھ کے نواب صاحب کی طرف سے ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے اعلان کے ساتھ ہی وہاں کے ہندوؤں لیڈروں نے بھرپور مخالفت کا سلسلہ شروع کردیا، اور اس سلسلے میں انہوں نے ۲۱ اگست کو بمبئی کی ''پوپٹ واڑی'' میں شامڑ داس گاندھی کی زیر صدارت میں بمبئی میں مقیم جونا گڑھ کے شہریوں کا ایک جلسہ عام منعقد کیا۔ اس اجلاس میں شامڑ داس گاندھی نے جونا گڑھ کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اسی اجلاس میں ہندو رہنما مسٹر ڈھیبر جو ہمیشہ امن اور اہنسا کی باتیں کرتے تھے انہوں نے بھی جنگ کی زبان استعمال کرنا شروع کردی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ

> '' جونا گڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کو کاٹھیا واڑ کے لوگ بلکہ حکومت بھارت بھی
> اسے تسلیم نہیں کرے گی۔ اور ویراول کی بندرگاہ کے ذریعے پاکستان کی کسی بھی قسم کی

مداخلت کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا، اور جوانان جوناگڑھ ویراول کی بندرگاہ پر
اپنا سر کٹانے کے لیئے تیار رہیں گے۔'' [۱۲]

۱۶، ستمبر ۱۹۴۷ء کو شامڑ داس گاندھی نے اپنے اخبار ''وندے ماترم'' میں ریاست جوناگڑھ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوا ایک نہایت ہی سخت قسم کا اداریہ ''جئے سومناتھ'' کے عنوان سے شائع کیا جس میں انہوں نے ریاست جوناگڑھ پر حملے کی حکمت عملی بھی بتائی تھی کہ کن قریبی ریاستوں سے افواج کی مدد لینی چاہیئے۔ اور کس فوج کو کہاں سے حملہ کرنا چاہیئے۔ [۱۳]

عارضی حکومت کا قیام۔

۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی میں گاندھی جی نے ایک ''پراتھنا سبھا'' (عبادتی جلسہ) منعقد کیا، جس میں انہوں نے پاکستان کے ساتھ جوناگڑھ کے الحاق کی کھلے بندوں مخالفت کی اور پاکستان میں جوناگڑھ کی شمولیت کو ایک ''غضبناک بات'' قرار دیا۔ گاندھی جی نے اس اجلاس میں کہا کہ۔

''کاٹھیاواڑ میں ویراول کا بندر بھی ہے۔ لیکن وہ بندر تو جوناگڑھ کا بندر ہے اور وہ
جوناگڑھ تو پاکستان میں چلا گیا۔ جوناگڑھ میں پاکستان کس ریت سے بن سکتا ہے۔'' [۱۴]

۲۵، ستمبر کے اخبارات میں یہ احوال شائع ہوا تو ریاست جوناگڑھ کے خلاف متحد ہونے والی طاقتوں نے اس کو اپنی کاروائیوں کے لیئے گاندھی جی کا آشیرواد سمجھا اور ان میں جوش وخروش کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ اسی شام کو بمبئی میں مادھوباغ میں سیٹھ نہال چند مول چند کی صدارت میں ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا اور جس میں جوناگڑھی اور کاٹھیاواڑ کے ہندوؤں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں جوناگڑھ کی عارضی حکومت کا قیام کا اعلان کیا گیا۔ اور اس عارضی حکومت کے سربراہ کے طور پر شامڑ داس لکشمی داس گاندھی اور نائب صدر کے لیئے دورلھ جی کھیتانی کے ساتھ دیگر چار وزراء کا اعلان کیا گیا۔ جس میں بھوانی شنکر اوزا، سورج بھائی وروُ، منی لال سندر جی دوشی، اور نریندر پراگ جی تھوانی شامل تھے۔ اس اجلاس میں گجراتی کے نامور مصنف کنیالال منشی کا تیار کردہ عارضی حکومت کا منشور بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ [۱۴]

۲۶، ستمبر ۱۹۴۷ء کو عارضی حکومت کے سربراہ اور دیگر رہنما بڑے جوش وخروش کے ماحول میں بذریعہ ''کاٹھیاواڑ میل'' راجکوٹ روانہ ہوئے۔ بمبئی سے راجکوٹ کے سفر کے دوران کئی اسٹیشنوں پر ہندوؤں کے چھوٹے بڑے اجتماعات نے ان کا خیر مقدم کرتے رہے۔ جس کے دوران وہاں پر تقاریر اور گلدستے دینے کا سلسلہ جاری رہا اور ساتھ ہی ریلوے اسٹیشن ''جئے سومناتھ'' کے نعروں سے گونجتے رہے۔ یہ لیڈران راجکوٹ پہنچتے ہی جوناگڑھ کے نواب اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کے قیام کے لیئے صدر میں قائم رہائش گاہ ''جوناگڑھ ہاؤس'' پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح عارضی حکومت کے ہندوؤں رضاکاروں نے ۲، نومبر ۱۹۴۷ء تک ریاست جوناگڑھ کے دورافتادہ (۳۶) چھتیس گاؤں پر قبضہ کرلیا تھا۔ [۱۵]

تین اہم واقعات۔

۲۵، ستمبر ۱۹۴۷ء کے دن ریاست جوناگڑھ سے متعلق تین اہم واقعات رونما ہوئے۔ پہلا واقعہ بمبئی میں جلسہ عام میں ریاست جوناگڑھ کی عارضی حکومت کی تشکیل۔ دوسرا واقعہ حکومت بھارت کی وزارت برائے ریاستی امور کا یہ بیان، جس کے مطابق۔

> ''پاکستان کے ساتھ جوناگڑھ کا الحاق، جوناگڑھ اور اس کے اطراف کی ریاستوں کے درمیان، اور جوناگڑھ اور بھارت کے درمیان ٹکراو کی بنیاد بن سکتا ہے۔ جوناگڑھ کے اطراف میں واقع ریاستوں کے مفاد کا دفاع کرنا حکومت بھارت کی ذمیداری ہے، اور وہ اس ذمیداری کو مکمل طور پر پورا کرے گی۔'' [۱٦]

اور تیسرا بڑا واقعہ پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کا جوناگڑھ کے سلسلے میں بھارت کو شدید انتباہ تھا، جس میں انہوں نے کہا کہ

> ''ہم نے جوناگڑھ کے الحاق کو تسلیم کرنے سے پہلے تقریباً ایک مہینہ غور و فکر کیا تھا کیونکہ ہم ایسے الحاق کی راہ میں آنے والی مشکلات سے باخبر تھے، آخر کار ریاست جوناگڑھ کے نواب کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اور ریاست کی بندرگاہ ویراول سے کراچی آمدورفت کی سہولت کی وجہ سے ہم نے اس الحاق کی پیشکش کو قبول کرلیا۔'' [۱۷]

کاٹھیاواڑ میں بھارتی افواج۔

حکومت بھارت نے ''کاٹھیاواڑ ڈیفنس فورس'' تشکیل دی، اور اُس کے ''کمانڈر بریگیڈیر سردار گرودیال سنگھ'' کو مقرر کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس نے نوانگر، (جام نگر) بھاونگر اور پوربندر کی ریاستوں سے بھی امداد طلب کرلی۔ اس کے ساتھ ہی بھارتی حکومت نے تین بحری جنگی جہازوں جس میں ''کرشنا''، ''کاویری'' اور ''جمنا'' کے علاوہ ایک ٹینک بردار جہاز پوربندر کی بندرگاہ پر روانہ کردیا۔ اس کے ساتھ ہی ''ٹیمپیسٹ'' "TEMPEST" قسم کے طیاروں کا ایک اسکواڈرن بھی وہاں پر بھیج دیا۔ اس کے علاوہ رائل اینڈین انجینیرنگ اور میڈیکل کور کے دستے بھی بذریعہ بحری جہاز جعفر آباد کی بندرگاہ پر پہنچادیئے گئے۔ اس طرح کاٹھیاواڑ کے عوام جو اپنی پوری زندگی میں پہلی بار ٹینک، جنگی طیارے، جنگی جہاز اور دیگر جدید سامان حرب دیکھ رہے تھے۔ اور یہ چیزیں اُن کے لیئے بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں۔ اور جس نے وہاں پر آباد مسلمانوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کردیا کہ اب اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ [۱۸]

جوناگڑھ پر بھارتی فوج کا قبضہ۔

۲، نومبر ۱۹۴۷ء کو بھارتی افواج نے بغیر کسی مزاحمت کے مانگرول، بابریاواڑ، بانٹوا اور سردارگڑھ پر قبضہ کرلیا۔ اسی طرح ۲، نومبر

سے ہی عارضی حکومت کے رضا کاروں نے ریاست جوناگڑھ کی حدود میں واقع گاوں پر قبضہ کرنے کی کاروائی شروع کردی، اوراُن کوکسی بھی گاوں میں مذامت کا سامنانہیں کرنا پڑا۔ اس طرح انہوں نے ۲۵، اکتوبر سے ۹، نومبر ۱۹۴۷ء تک (۱۰۲) ایک سو دو گاوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۹، نومبر کی شب کو بھارتی فوج کا ایک دستہ کتیانہ پہنچا، عارضی حکومت کے رہنماوں نے ان کے ساتھ مذاکرات کئے جس کے بعد طے کیا گیا کہ کتیانہ کا تمام انتظام فی الحال عارضی حکومت کے پاس ہی رہے گا۔ اس فیصلہ کا مقصد جوناگڑھ کی خودسپردگی کے باوجود کتیانہ شہر پر پہلے سے تیارکردہ حملے کے پروگرام کوعملی جامہ پہنانا تھا۔ [۱۹]

نواب صاحب کی جوناگڑھ سے روانگی۔

کاٹھیاواڑ کے حالات دن بدن سنگین صورت اختیار کرتے جارہے تھے۔ مانا وور کے حکمران شیخ غلام محی الدین کوقید کرلیا گیا تھا۔ جبکہ حکومت پاکستان کی طرف سے بھی کسی قسم کی امداد اور رہنمائی کا فقدان تھا۔ اُدھر کشمیر میں بھارتی افواج اُتارنے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ ریاست جوناگڑھ چاروں اطراف سے بھارتی افواج اور عارضی حکومت کے دستوں کے درمیان محصور ہوکر رہ گئی تھی۔ ایسے حالات میں نوابی خاندان کے لیئے جوناگڑھ میں رہنا کسی صورت میں بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ لہذا ۲۷، اکتوبر کی شام نواب مہابت خانجی اوران کے اہل خاندان جوناگڑھ کے قریب واقع ''کیشوڈ'' سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچے۔ اسی دوران نواب صاحب نے کراچی سے شاہنواز بھٹو کوایک پیغام کے ذریعے انہیں حالات کوپیش نظر رکھتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ [۲۰]

جوناگڑھ کے آخری ایام۔

۸، نومبر ۱۹۴۷ء کوشاہنواز بھٹو نے حکومت پاکستان کو آخری ٹیلیگرام ارسال کیا، جس میں انہوں نے حالات کی سنگینی کا ذکر کیا، جس کے مطابق،

> ''عارضی حکومت نے بیس ہزار مسلح سپاہیوں اور ٹینکوں کے ذریعے ہمیں کچل ڈالنے کی دھمکی دی ہے، کہ اگر ہم نے عارضی سرکار کی تابعداری قبول نہ کی تو اس کے سنگین نتائج بھگتنے ہونگیں۔ ریاست کوختم کردیا جائے گا۔ ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے راجکوٹ میں مقیم علاقائی کمشنر جوبھارتی حکومت کے نمائندے ہیں انہیں کہا ہے کہ متعلقہ مسائل کے پُرامن حل کے لیئے اور نظم وضبط کے تحفظ کے لیئے اور خونریزی کوروکنے کے لیئے مدد کریں۔'' [۲۱]

اس ٹیلیگرام کوارسال کرنے کے بعد سر شاہنواز بھٹو نے ریاست جوناگڑھ کی انتظامی کونسل کے آخری اجلاس کے دعوت نامے ممبران کوارسال کئے۔ اس دعوت نامے پر ویراول سے جمعیت کے صدر جناب بادشاہ میاں، نائب صدور جناب حاجی یوسف مکلائی اور جناب عثمان کھانڈ والا اورسیکریٹری جناب اختر ایل، ایل، بی شامل تھے۔ ۸، نومبر دوپہر بذریعہ کار جوناگڑھ کی جانب روانہ ہوئے ویراول سے

جوناگڑھ (۵۰) پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔انہوں نے راستے میں دیکھا کہ سرشاہنواز بھٹوکیشوداہیر پورٹ سے پاکستان جانے والے آخری پاکستانی جہاز کے ذریعے کراچی جارہے تھے۔

جوناگڑھ کونسل کی وہ آخری میٹنگ شام کوشروع ہوئی جس میں جمعیت کے صرف ویراول شاخ کے نمائندے آئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جمعیت کے جوناگڑھ شہر کے چند رہنما جن میں قاضی اختر، ابابا جوہ، ترک نورمحمد کاپڑیا، سیٹھ محمد نورمحمد کھتری اور گابا کے دربار سید عبداللہ، جناب محمد پاڈیلا اور کیشود کے دومیمن رہنما شامل تھے۔کونسل کے سرکاری ممبران میں سے صرف میجر ہاروے جونز کے علاوہ ریاست کی طرف سے جناب اسماعیل ابراہانی، وزیر قانون اور پولیس کے سربراہ جناب عبدالمجید خان نقوی اور چند انتظامی امور کے افسران شامل تھے۔ابراہانی اور نقوی کے سوا تمام اعلیٰ حکام اور افسران بشمول نواب مہابت خانجی کے اس سے قبل ہی جوناگڑھ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ [۴۲]

آخری کاروائی۔

جوناگڑھ کونسل کی آخری میٹنگ بعد مغرب شروع ہوئی، اور اُس میں حالات کا مزید ایک بار تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ریاست جوناگڑھ کے تمام انتظامی امور بھارتی یونین کے سپرد کر دیئے جائیں۔اس دوران شاہنواز بھٹو جوناگڑھ سے کراچی پہنچ گئے، اور وہاں پہنچتے ہی نواب مہابت خانجی جو پہلے سے ہی کراچی پہنچ چکے تھے اُن سے ملاقات کر کے انہیں ریاست کے سنگین حالات سے آگاہ کیا۔جس کے بعد نواب صاحب نے کراچی سے وائرلیس کے ذریعہ جوویراول کی بندرگاہ پر اُس وقت لنگرانداز جہازوں ''نرمدا اور، گوداوری'' کے ذریعہ آخری پیغام بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ،

''میں اپنے عوام کی خونریزی نہیں چاہتا اور ریاست جوناگڑھ کو
احتجاج کے ساتھ بھارتی یونین کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔'' [۴۳]

یہ پیغام ویراول کی بندرگاہ سے بذریعہ جیپ فوری طور پر جوناگڑھ پہنچایا گیا۔جس کے بعد کونسل کی میٹنگ میں اب صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا، کہ سرشاہنواز بھٹو کے اُس خط کی منظوری دینا تھا جو انہوں نے نیلم بُچ کے نام لکھا تھا، جس میں بھارتی یونین کو ریاست کے امور سنبھال لینے کے کہا گیا تھا۔جس کے بعد مسٹر ہاروے جونز اور جناب عبدالمجید خان نقوی نے ضروری دستاویزات تیار کیں اور اس پر میٹنگ میں تمام شرکاء کے دستخط لیئے گئے۔جس کے بعد اُن دستاویزات کو مسٹر ہاروے جونز اپنے ساتھ راجکوٹ لے گئے۔اس کے ساتھ ہی ریاست جوناگڑھ کی بابی خاندان کی یہ آخری میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔ [۴۴]

۹، نومبر ۱۹۴۷ء کی شام بھارت کے فوجی دستے ٹینکوں کے ساتھ گرنار دروازے سے جوناگڑھ شہر میں داخل ہوئے۔اس سے قبل ائیر فورس کے چند طیارے شہر کی فضا میں چکر لگاتے رہے۔سب سے پہلی ٹینک پر مسٹر ہاروے جونز کے ہمراہ کاٹھیاواڑ کے ریجنل کمشنر مسٹر نیلم بُچ اور کاٹھیاواڑ کے لیئے بھارتی فوج کے کمانڈر بریگیڈیر گرودیال سنگھ سوار تھے۔فوجی دستوں کے ساتھ شامڑداس گاندھی اور ڈھیبر بھی شامل تھے۔ دروازے کے نزدیک ریاست کے پارسی سیکریٹری مسٹر ایس پی گھی والا نے ریاست جوناگڑھ کو باقاعدہ طور پر مسٹر نیلم بُچ کے سپرد کیا۔ [۴۵]

ویراول پر بھارتی فوج کا قبضہ۔

ریاست جوناگڑھ کے الحاق پاکستان کی جد وجہد میں ویراول کوانتہائی کلیدی اہمیت حاصل رہی تھی کیونکہ الحاق کی صورت میں صرف ایک راستہ رہتا تھا جس کے ذریعہ جوناگڑھ سے کراچی سے رابطہ ممکن تھا۔اور وہ تھی ویراول کی بندرگاہ جہاں سے سمندری راستے کے ذریعے ہی پاکستان سے رابطہ ممکن تھا۔ویراول میں آباد مسلمان قیام پاکستان کے سلسلے میں جوناگڑھ کے دیگر مسلمانوں کی طرح بہت ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا۔ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شہر کے چوک میں پاکستان کا نقشہ تک بھی بنایا تھا۔اس کے علاوہ مسلم لیگ کے اعلان شدہ مختلف پروگراموں میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔اس جوش وخروش اور کراچی تک مسلمانوں کے لیئے محفوظ علاقہ تصور کرتے ہوئے جوناگڑھ پر عارضی حکومت کی چڑھائی سے قبل راجستھان کے ''الور'' (ALWAR)، بھرت پور اور دیگر ریاستوں سے ہزاروں خستہ حال مسلمان مہاجرین پورے شمالی گجرات اور کاٹھیاواڑ کو عبور کر کے ویراول پہنچے تھے۔چونکہ اس وقت تک جوناگڑھ کے نواب صاحب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر چکے تھے۔ان مہاجرین کو وہاں پر قائم میمن جماعت خانہ، پٹنی جماعت خانہ اور دیگر مقامات پر پناہ دی گئی۔اور اس کے ساتھ ہی ان کے لیئے خوراک اور دیگر سہولیات کا بندوبست کیا گیا تھا۔ان میں سے کئی خاندانوں کی پاکستان روانگی کے لیئے وہاں پر چھوٹے جہازوں سے لے کر ان کے وہاں سے روانگی کے وقت خوراک اور دیگر انتظامات تک کے سلسلے میں وہاں پر آباد مسلمانوں نے مثالی خدمات انجام دیں۔

۹، نومبر ۱۹۴۷ء میں جوناگڑھ پر بھارتی افواج کے قبضہ کے بعد، اگلے روز ۱۰، نومبر کو ویراول پر قبضہ کر لیا۔۱۳، نومبر کو شامڑ داس گاندھی، سردار پٹیل اور جام صاحب سومناتھ کے درشن کرنے آئے۔اس وقت ویراول کے تمام مسلم رہنماؤں کو ابراہیم وکیل کے دفتر میں اور پربھاس پاٹن کے مسلم رہنماؤں کو ''ادریس شاہ'' کے کمپاؤنڈ میں بند کر دیا گیا۔ریاست میں بھارتی حکومت کے قبضہ کے بعد ویراول میں کافی کشیدگی پھیل گئی تھی اور وہاں پر ہندو بلوائیں نے مسلمانوں کی کئی دوکانیں لوٹ لی۔اس صورت حال کی وجہ سے وہاں پر آباد مسلمانوں میں خوف وہراس پھیل گیا اور جو بعد میں وہاں سے بڑی تعداد میں مسلمانوں کی پاکستان میں ہجرت کا سبب بنا۔بھارتی یونین کی طرف سے مقرر کردہ نئی انتظامیہ نے ویراول سے کراچی کی جہازوں کے سلسلے کو بند کر دیا۔جس کی وجہ سے یراول میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمان خاندان اور ویراول کی مسلم آبادی کی ایک بڑی تعداد ''اوکھا'' سے بذریعہ چھوٹے جہاز سمندری راستے سے کراچی ہجرت کرنے کے ساتھ ساتھ بذریعہ ٹرین بمبئی کے راستے کراچی کا سفر کیا۔اور کچھ خاندان اس ہجرت کے دوران بمبئی میں بھی مستقل سکونت اختیار کر لیا۔ [۲۶]

سر شاہنواز بھٹو اور اسماعیل حاجی محمد ابراہانی کی الحاق کے سلسلے میں انتھک کاوشیں۔

جوناگڑھ کی پاکستان کے الحاق میں جن دو اشخاص نے اہم ترین کردار ادا کیا ان میں سے ایک سر شاہنواز بھٹو تھے۔اور دوسرے اسماعیل حاجی محمد ابراہانی (ABRAHANI) کی شخصیت تھی۔سر شاہنواز بھٹو ان دنوں جوناگڑھ میں دیوان کے عہدے پر فائز تھے اور ابراہانی اس وقت وزیر تعلیم کا منصب سنبھالے ہوئے تھے۔

مرد آہن اسماعیل حاجی محمد ابراہانی۔

ریاست جوناگڑھ پر بھارت کے قبضہ کے بعد وہاں کی انتظامیہ نے وہاں پر سرکردہ مسلم رہنماؤں، انتظامیہ پولیس افسران کو جوناگڑھ کی جیل میں قید کردیا۔اُن میں جناب اسماعیل ابراہانی بھی شامل تھے۔دورانِ اسیری اُن کے ساتھ انتہائی توہین آمیز سلوک رواں رکھا گیا۔لیکن اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی ابراہانی پہلے کی طرح پاکستان کے زبردست حامی تھے۔دسمبر ۱۹۴۷ء میں شمرداس گاندھی جوناگڑھ کی جیل کے دورے پر آئے، تب انہوں نے ابراہانی کی کوٹھری پر جاکر طنزاً کہا

''کیوں ابراہانی پاکستان یاد آتا ہے ؟ جانا ہے پاکستان؟''

ابراہانی نے فوراً جواب دیا۔

''کون کہتا ہے کہ یہ پاکستان نہیں ہے؟ جوناگڑھ قانونی
طور پر پاکستان کے ساتھ شامل ہے۔آج اور اس وقت بھی
یہ پاکستان ہی ہے جان لیناکہ جسم میں جان ہے تب تک
ابراہانی جوناگڑھ کا پاکستان ہرگز چھوڑنے والا نہیں۔''

جوناگڑھ کے اس مردِ آہن کو دو سال بعد رہا کیا گیا۔لیکن انہوں نے اپنی پوری بقایا زندگی میں جوناگڑھ کو نہیں چھوڑا۔کیونکہ ان کے لیئے تو جوناگڑھ ہی ان کا پاکستان تھا۔ [۴۷]

سر شاہنواز بھٹو۔

جوناگڑھ کی پاکستان کے ساتھ الحاق میں دوسری اہم ترین شخصیت میں جناب سر شاہنواز بھٹو کا اہم کردار رہا۔آپ اُن دنوں وہاں پر دیوان (وزیراعظم کی پوزیشن) کے عہدے پر فائض تھے۔آپ کو آبائی علاقہ سندھ تھا۔مئی ۱۹۴۷ء میں دیوان عبدالقادر کے علاج کے سلسلے میں ولایت روانگی کے بعد آپ قائم مقام جوناگڑھ کے دیوان مقرر ہوئے۔آپ کی پیدائش ۱۸۸۸ء میں ضلع لاڑکانہ کے زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک بمبئی لیجسلیٹیو اسمبلی کے رکن رہے۔مور لے منٹو اصلاحات کے سلسلے میں منعقد کی گئی امپریل کانفرنس میں انہوں نے سندھ کی نمائندگی کی تھی۔۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۶ء تک وہ صوبہ بمبئی کی کابینہ میں شامل رہے اور سندھ کی علیحدگی کے معاملے میں قانونی مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔آپ لندن کی گول میز کانفرنسوں میں بھی شریک رہے۔انہیں ان کی خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ کی طرف سے ''سر'' کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔۱۹۳۶ء میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بعد صوبہ کے قیام کے وقت آپ کو گورنر کا مشیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔اس کے بعد آپ تقریباً ایک دہائی تک بمبئی سندھ سروس کمیشن کے رکن کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے۔۱۹۴۶ء کے آخر میں انہوں نے ریاست جوناگڑھ کے دیوان کی دعوت قبول کرتے ہوئے جوناگڑھ کی کابینہ میں شمولیت اختیار کی، اور اس طرح انہوں نے برصغیر کے اہم ترین تاریخ ساز دور میں سیاست کے میدان میں اپنی سیاسی کارکردگی کا دوبارہ آغاز کیا۔ [۴۸]

جونا گڑھ کا پاکستان سے الحاق اور کتیانہ کے حالات۔

کتیانہ کو کاٹھیاواڑ اور خصوصی طور پر ریاست جونا گڑھ میں ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ وہ جونا گڑھ شہر کے بعد ریاست کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کے ساتھ ہی کتیانہ کو دولت مند مسلمانوں کی جائے رہائش بھی تصور کیا جاتا تھا۔ کاٹھیاواڑ میں مسلم لیگ کا سب سے مضبوط گھر کتیانہ کو ہی سمجھا جاتا تھا۔

ریاست جونا گڑھ میں جو اُس وقت کشیدہ ماحول تھا۔ اس میں کانگریسی اخبارات کے اُکسانے پر بڑے پیانے پر خون خرابے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ جونا گڑھ کے مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم "جمیعت المسلمین" نے آزادی کے دن مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی جلوس یا جلسہ نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اور صرف چراغاں اور دعاؤں کی اجازت دی گئی تھی۔ اور اس چراغاں اور سجاوٹ میں کتیانہ سب سے سرفہرست تھا۔

کتیانہ شہر کی آبادی میں غالب اکثریت میمنوں کی تھی، جو سب مسلم لیگ کے پُر جوش حامی تھے۔ انہوں نے عیدالفطر کے موقع پر پاکستان کے قیام اور جونا گڑھ کی اُس کے ساتھ الحاق کی تہری خوشیاں بڑے جوش وخروش سے منائی، اور جلسے جلوس کی بندش کی وجہ سے، وہاں کے لوگوں نے چھوٹی چھوٹی پارٹیاں اور قوالی کی محفلیں منعقد کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اُس دن فقراء بھی موقع کی مناسبت سے اس قسم کی صدائیں لگا رہے تھے کہ

"دے دے مائی باپ! پاکستان کی خوشی میں اللہ کے واسطے کچھ دے دے"

عارضی حکومت کے قیام اور جونا گڑھ کی سرزمین پر اُس کی چڑھائی کے آغاز کے ساتھ ہی کتیانہ کے قرب وجوار کے گاؤں کے متعدد مسلمان خاندانوں نے کتیانہ میں پناہ لی، کیونکہ اُن کو ہندو بلوائیوں کے حملے کا خطرہ تھا۔ کتیانہ شہر میں مسلمانوں نے ان مہاجرین کی امداد کے لیئے ایک "ریلیف کمیٹی" تشکیل دی تھی اور جناب عمر فاضل فاروق کو اُس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ [۲۹]

کتیانہ میں عارضی حکومت کا کنٹرول اور لوٹ مار کی ابتداء۔

کتیانہ کے تین اطراف میں ہندو ریاستیں ہونے کی وجہ سے نومبر ۱۹۴۷ء کے آغاز تک پورے علاقے کی ہندو بلوائیوں کی طرف سے سخت ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ ۸ ، نومبر کو ہندوؤں کا "دھن تیرس" کا تہوار تھا۔ اُس روز کتیانہ کے اسٹیشن "سراڈیا" (SARADIYA) پر ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں۔ تار ٹیلیفون کے کھمبے اکھاڑ دیئے گئے۔ ایک ریلوے انجن اور چند بوگیوں کو بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کتیانہ شہر کے ارد گرد محاصرہ تنگ کر دیا گیا۔ ان تمام واقعات کو دیکھ کر کتیانہ کے مسلمانوں میں ڈر و خوف مسلسل بڑھ رہا تھا۔ ان حالات میں ۹ ، نومبر کی شب بھارتی ریڈیو سے اس خبر کے بعد کہ جونا گڑھ کا کنٹرول بھارتی افواج نے سنبھال لیا ہے۔ جس کی وجہ سے کتیانہ میں آباد مسلمانوں نے سُکھ کا سانس لیا کہ اب عارضی حکومت کی "لوک سینا" کے حملوں کا خدشہ ٹل گیا۔

۹ ، نومبر ۱۹۴۷ء کی شام بھارتی یونین کی افواج نے قبضہ کر لیا، اور خلاف توقع دوسرے دن صبح سویرے عارضی حکومت کی "لوک سینا" کے آدمیوں نے کتیانہ پر حملے شروع کر دیئے۔ شہر میں جگہ جگہ زبردست مقابلہ ہوا۔ کیپٹن غوث محمد کی زیر قیادت کئی گھنٹوں مقابلہ کیا گیا۔ بعض

مقامات پر زبردست فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ جمعیت المسلمین کی کتیانہ شاخ کے صدر قاضی تاج الدین، حسین میاں، پولیس فوجدار ہاشم خان کھوکھر اور کچھ دیگر افراد اس مقابلہ میں ہلاک ہوئے اور بعد میں بہت سے افراد کو گرفتار کرلیا گیا۔ کھوکھر برادری کے بزرگ نتھو کھوکھر کو ان کے اپنے کھیت میں قتل کر دیا گیا۔ جس کے فوراً بعد کتیانہ میں خون آلود لوٹ مار کا آغاز شروع ہوگیا۔ [۴۰]

لیکن اگلے روز یعنی ۱۰، نومبر کو دیوالی کے موقع پر صبح سویرے کتیانہ پر ہندو بلوائیوں کی طرف سے شدید حملوں کا آغاز کر دیا گیا۔ لوک سینا کے رہنماؤں کو ۸، نومبر کی شب ہی یہ خبر مل چکی تھی کہ ریاست جوناگڑھ نے "بھارتی یونین" سے پناہ طلب کرلی ہے۔ اور کسی بھی وقت ہتھیار ڈالنے کا اعلان متوقع ہے۔ اس کے باوجود بھی کتیانہ پر حملے کے پروگرام میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا گیا۔ اگلے روز یعنی ۹، نومبر کی شب کو بھارتی فوج کا ایک دستہ کتیانہ پہنچا اور عارضی حکومت کے رہنماؤں کو بتایا کہ جوناگڑھ کی اطاعت کی درخواست منظور کرلی گئی ہے۔ لہٰذا اب وہ کتیانہ کا انتظام ان کے حوالے کردیں۔ عارضی حکومت کے رہنماؤں نے ان کے ساتھ مذاکرات کئے اور جس کے بعد یہ طے کیا گیا کہ کتیانہ کا تمام انتظام وقتی طور پر عارضی حکومت کے پاس ہی رہیں گے۔ [۴۱]

ریاست جوناگڑھ کی بھارتی یونین کے حوالے کرنے کے باوجود کتیانہ شہر کو عارضی حکومت کے پاس رہنے دینا ثابت کرتا ہے کہ اُن کی طرف سے پہلے سے تیار کردہ کتیانہ پر حملے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے کتیانہ پر لوٹ مار سے ثابت کر دیا۔

کتیانہ میں پہلی لوٹ۔

۱۰، نومبر ۱۹۴۷ء کو کتیانہ میں مقابلہ ختم ہوتے ہی وہاں پر وسیع پیانے پر مسلمانوں کی گرفتاریاں شروع کردی گئیں۔ اُن میں ''جمعیت المسلمین'' کی کتیانہ شاخ کے اعزازی سیکریٹری حاجی عبدالغنی، عثمان بھائی، انجمن اسلام کے اعزازی سیکریٹری جناب نور محمد گیگا پردیسی، مسلم اسٹوڈنٹس یونین کے صدر جناب محمد حسین پردیسی وغیرہ شامل تھے۔ جبکہ کتیانہ کے سرگرم کارکن جناب عمر فاضل فاروق کا مکان بوسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ چاروں اطراف سے اونچے مکانات میں گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے اُن کو وہاں سے نکلنے کا موقعہ مل گیا۔ اور وہ وہاں سے نکل گئے۔ اُس وقت کے وہاں کے ہندو رہنماوں کی طرف سے پولیس فوجدار جناب ہاشم خان کھوکھر، جمعیت المسلمین کے صدر قاضی تاج الدین، جناب حُسین میاں، جناب عمر فاضل فاروق، جناب حاجی موسیٰ رنگیلا، جناب نور محمد گیگا پردیسی اور یوسف مانڈویا کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم تھا۔ [۴۲]

ہندووں رہنماؤں کی طرف اس اطمینان کے بعد کہ اب کتیانہ میں ان سے مقابلے اور مزاحمت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا اور اُن میں سے کچھ رہنما مارے گئے تھے اور کئی رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے ہیں تو اس کے بعد انہوں نے اپنے انتہا پسند ہندؤ بلوائیوں کو کھلی چھوٹ دے دی۔ جس کے بعد انہوں نے شہر کے بازار کو لوٹنا شروع کر دیا اور دوکانوں کو لوٹنے کے بعد وہ انہیں نذر آتش کرتے جاتے تھے۔ دوسری طرف انتہا پسند ہندوؤں کا ایک بڑا گروپ ہاتھوں میں لاٹھیاں، کلہاڑیاں اور چھرے لے کر تلاشی کے بہانے پورے کتیانہ میں مکانات کے دروازے کھلوا کر اندر گھس جاتے اور سب سے پہلے تجوریوں اور بکسوں کی چابیاں حاصل کر کے اُس میں سے رقم سونے چاندی کے زیورات اور دیگر گھریلوں قیمتی اشیا لوٹ کر لے جاتے۔ اور منع کرنے یا مزاحمت کرنے پر اسلحہ کے زور پر مار پیٹ کرتے اور گھر کے افراد کو زخمی کر دیتے جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے تھے۔ اس لوٹ مار کے دوران ان بلوائیں نے وہاں پر

چھ افراد کو ہلاک کر دیا۔جس میں سے چار مرد ایک عورت اور ایک بچہ بھی شامل تھا۔اس کے علاوہ وہاں پر سینکڑوں افراد زخمی بھی ہوئے۔اُن ہندؤ بلوائیوں نے وہاں پر گھروں سے قیمتی سامان کو لوٹنے کے ساتھ ہی گھر کے مردوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے۔ایک بھارتی مورخ کے مطابق اُن (۲۴) چوبیس گھنٹوں کے دوران تقریبا ایک ہزار افراد کو گرفتار کیا گیا تھا۔اس کے ساتھ ہی وہاں پر قائم تعلیمی ادارے،فلاحی انجمنوں کے دفاتر اور مساجد میں بھی لوٹ مار اور توڑ پھوڑ کی گئی۔اور ان اداروں کے تمام ریکارڈ تک کو جلا دیا گیا۔چار روز بعد بھارتی یونین کے فوجی دستوں نے عارضی حکومت سے کتیانہ کا انتظام سنبھال لیا۔بھارتی حکومت نے کتیانہ کے ایڈمنسٹریٹر کے طور پر ''مسٹر ڈھلر رائے'' اور پولیس کے سربراہ کے طور پر ''دولت سنگھ'' کا تقرر کیا۔کتیانہ میں ۱۰ نومبر کی لوٹ مار کے فورا بعد، وہاں سے کئی خاندانوں نے ہجرت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔کتیانہ پر قبضہ کے کچھ عرصے بعد سکھ رجمنٹ وہاں سے واپس چلی گئی اور اُس کی جگہ گوالیار کے راجپوت رجمنٹ کے سپاہیوں کا ایک دستے نے پوزیشن سنبھال لی۔اس دستے کے سپاہی کسی بھی گروپ کو بدامنی نہیں کرنے دیتے تھے۔جس کی وجہ سے وہاں پر مسلمانوں کو اس بات کا اطمینان ہونے لگا کہ اب شہر میں مزید لوٹ مار کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ [۴۳]

کتیانہ میں دوسری لوٹ۔

کتیانہ میں کچھ عرصہ سکون رہنے کے بعد ایک واقعہ کی وجہ سے وہاں پر آباد پھر سے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔واقعہ کچھ یوں تھا کہ ۲۵، دسمبر ۱۹۴۷ء کی نصب شب وہاں کے مسجد چوک کے پاس بھارتی یونین کی طرف سے مقرر کردہ راجپوت رجمنٹ کے تین سپاہیوں کو قتل کر دیا۔اور اس واقعہ کی پوری ذمیداری مسلمانوں پر ڈال دی گئی۔جس کے بعد تو وہاں پر پہلے سے موجود ہندؤ بلوائیوں اور پولیس مسلمانوں کے متعدد محلوں پر ٹوٹ پڑے۔اور یہ ہی وجہ تھی کہ اس بار کی لوٹ مار میں کسی بھی مسلمان کا گھر نہ بچ سکا۔اور اس لوٹ مار کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کے پاس رہی سہی اشیا بھی لوٹ لی گئی۔[۴۴] کتیانہ میں اس دوسری لوٹ کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی اس کے علاوہ اُن دنوں کولمبو سے کتیانہ میں آئے ہوئے ایک تاجر جناب عبداللطیف فقیر محمد نگریا اور اُن کے لڑکے احمد کو چھرے مار کر ہلاک کر دیا گیا جس کے بعد رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔جس کے بعد تو وہاں پر رہنا کسی طرح بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔اور اب صرف ہجرت ہی واحد راستہ رہ گیا تھا۔اس دوران چند میمن رہنماؤں نے پڑوسی ریاست پور بندر کے حکمران ''رانا نٹور سنگھ جی'' سے رابطہ کیا۔انہوں نے کتیانہ کے مسلمانوں کو ہجرت کے دوران پور بندر میں پناہ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔جس کے بعد وہاں سے مسلمانوں نے براستہ پور بندر پاکستان میں ہجرت کی۔اُس وقت کتیانہ میں آباد مسلمانوں کی تعداد (۱۳،۰۰۰) تیرا ہزار افراد پر مشتمل تھی جس میں سے اکثریت کتیانہ کی میمن برادری سے تعلق رکھتی تھی۔[۴۵]

کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی پور بندر اور اوکھا بندر سے پاکستان میں ہجرت۔

جونا گڑھ پر بھارت کے قبضہ اور کتیانہ و کاٹھیاواڑ کے دیگر کئی علاقوں میں خونریز لوٹ مار کی وجہ سے وہاں پر آباد مسلمان خوفزدہ ہو کر پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔اُس وقت کاٹھیاواڑ سے باہر جانے کے لیئے صرف دو ہی محفوظ ترین راستے تصور کیئے جاتے تھے،

اُن میں سے ایک راستہ نزدیکی ریاست پور بندر کا، اور دوسرا راستہ اوکھا بندر کے علاقے کا تھا۔ کیونکہ کتیانہ پور بندر سے نزدیک واقع ہونے کی وجہ سے کتیانہ کے اکثر خاندانوں نے پاکستان ہجرت کے لیئے پور بندر کا راستہ اختیار کیا۔ پور بندر میں وہاں پر قائم پور بندر سوریا واڈ میمن جماعت اور والنٹیر کور نے ان مہاجرین کو ہر ممکن سہولیات کی فراہمی میں اپنا بھر پور کردار ادا کیا۔ پور بندر کے پولیس کمشنر شری پرتھوی سنگھ کی مسلمان مہاجرین کے ساتھ اعلیٰ اور انسانیت آمیز سلوک کی وجہ سے کئی بزرگ اُن کو آج بھی اچھے نام سے یاد کرتے ہیں۔ [۳۶]

بمبئی کی راحت کمیٹی کی کارگذاری۔

پور بندر اور اوکھا بندر سے ملنے والی سمندری سفر کی سہولیات مہاجرین کی بہت بڑی تعداد کے لیئے ناکافی تھیں۔ جس کی وجہ سے کاٹھیاواڑ اور گجرات سے ہزاروں مہاجرین بذریعہ ٹرین بمبئی پہنچنے لگے۔ اس سلسلے میں بمبئی میں حاجی ہاشم موسیٰ اسماعیل پالا والا کے سربراہی میں میمن چیمبر آف کامرس کے زیر انتظام لاکھوں روپے کا فنڈ اکٹھا کیا گیا۔ اس سلسلے میں بمبئی میں آنے والے اُن مہاجرین کے رہنے اور خوراک کے علاوہ ان کی کراچی تک کے سفری انتظامات کی انجام دہی کے امور جس میں جہازوں پر سفری اخراجات اور ساتھ میں دیگر روزمرہ کی اشیا کی فراہمی شامل تھی۔ اس راحت کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے جناب محمد ولی چنائی اور اعزازی سیکریٹری جناب عبداللطیف عبدالرحیم فاضل نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے بعد اس راحت کمیٹی کی سرگرمیوں میں جناب عمر فاضل فاروق کتیانہ میں لوٹ مار کے بعد وہاں سے بچتے بچاتے بمبئی پہنچ گئے اور انہوں نے یہاں آتے ہی راحت کمیٹی کے سیکریٹری کی ذمیداریاں سنبھال لیں۔

بمبئی میں قائم راحت کمیٹی کے پلیٹ فارم پر بمبئی میں آنے والے ان مہاجرین کی رہائش کے انتظام کے لیئے ''قیصر باغ'' اور بمبئی میں قائم مختلف میمن برادریوں کے جماعت خانوں (کمیونٹی سینٹرز) میں مہاجرین کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اُن مہاجرین کو ریلوے اسٹیشنوں سے ان جماعت خانوں پر لایا جاتا اور پھر اُن کے سفری انتظامات مکمل ہوتے ہی اُن کو جہازوں کے ذریعے کراچی کے لیئے روانہ کردیا جاتا تھا۔ بمبئی میں نومبر ۱۹۴۷ء سے لیکر مارچ ۱۹۴۸ء تک پانچ ماہ کے دوران ان مہاجرین کے لیئے بیس (۲۰) بحری جہاز اور آٹھ ہوائی جہاز چارٹرڈ کرائے گئے تھے۔ [۳۷]

الحاق جونا گڑھ اور بانٹوا کی صورت حال۔

بانٹوا میں بسنے والے مسلمانوں میں اکثریت میمن خاندانوں کی تھی اور جو پاکستان کے حامی تھے۔ اس کے باوجود بانٹوا میں ہندو آبادی کو کبھی بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔ جبکہ وہاں پر قائم میمن تاجروں کے صدر دفاتر میں مہتاجی (منیجر) اور حساب کتاب رکھنے والا (اکاؤنٹنٹ) اور اس کے علاوہ مختلف انتظامی امور کی انجام دہی میں بھی ہندو بڑی تعداد میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے کام کاج جس میں دھوبی، حجام، نائی، لوہار اور دیگر کاریگر بھی ہندو ہوا کرتے تھے۔

بانٹوا پر بھارتی یونین کی جانب سے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے آخر میں بلا مقابلہ قبضہ کرلیا اور وہاں پر مسٹر جے سکھ لال بُچ (JAISUKH LAL BUCH) کو وہاں کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کردیا۔ مگر بھارتی یونین کی بانٹوا پر قبضہ کے بعد وہاں کی صورت حال بگڑنے لگی۔ ریاست جوناگڑھ

میں عارضی حکومت کی پیش قدمی اور بھارتی افواج کی موجودگی سے ہندو بلوائیوں کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ اور انہوں نے پاکستان کے حامیوں کو مختلف طریقوں سے پریشان کرنا شروع کردیا۔ [۳۸]

بانٹوا میں جھنڈا وندن کا واقعہ۔

۹، نومبر ۱۹۴۷ء کو جونا گڑھ پر بھارتی یونین کے قبضہ کی خبر کے ساتھ ہی بانٹوا میں ہندوں کی جانب سے وہاں پر ایک جلوس نکالا گیا۔ جس میں وہاں پر مسلمانوں کے خلاف شدید نعرہ بازی کی گئی۔ اور وہاں پر مسلمانوں کی قائم دکانوں پر جاکر وہ ہندو بلوائیوں نے اُس کے مالکوں کو ہراساں اور پریشان کرنا شروع کردیا۔ جلوس کے اختتام پر بانٹوا میں واقع جیل کے قریبی میدان میں ''جھنڈا وندن'' (پرچم کشائی) کی تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر شہر کے متعدد مسلمان رہنماؤں کو بھی مدعو کیا گیا، اور انہیں بھارتی جھنڈے کو ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر سلام کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس موقع پر ایک اہم واقع پیش آیا، جو بعد میں بانٹوا میں لوٹ کی بنیاد بھی بنا۔ میمن بزرگ رہنما سیٹھ حسین قاسم دادا نے جھنڈے کے سامنے سر جھکانے سے صاف انکار کردیا۔ انھوں نے اُس موقع پر بلاخوف کہا کہ۔

> ''ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کا سر صرف خدائے واحد کے سامنے ہی جھک سکتا ہے۔
> اس کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں۔''

حسین سیٹھ کا یہ جواب سن کر تقریب پر سناٹا چھا گیا۔ اُن کے دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ثابت قدم رہے اور کسی نے بھی جھنڈے کو ''نمن'' (سلام) نہیں کیا۔ اس منظر کو دیکھتے ہوئے ایک سکھ سپاہی مشتعل ہو کر حسین سیٹھ کے سامنے اپنی بندوق تان لی اس موقع پر بانٹوا کے ایڈمنسٹریٹر ''مسٹر بُچ'' درمیان میں پڑ کر اُسے کوئی حرکت کرنے سے روک دیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی تقریب کو ختم کردیا گیا۔ [۳۹]

بانٹوا میں لوٹ مار۔

۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو جونا گڑھ پر قبضہ کے بعد اور اُس کے اگلے دن کتیانہ میں خون ریزی اور لوٹ مار کے بعد بانٹوا کے اطراف میں واقع گاؤں کے ہندوؤں بلوائیوں نے میمنوں کی اس ''دھن نگری'' کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ جونا گڑھ پر قبضہ کے پورے ایک ہفتہ کے بعد یعنی ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کی شب بانٹوا میں اچانک کرفیو نافذ کردیا گیا۔ اور اس کے اطراف کے گاؤں سے اکٹھے ہونے والے بلوائیوں نے اپنی کاروائی شروع کردی۔ بڑے بازار کی دکانوں اور چند دیگر مقامات کو نذر آتش کرنے کے بعد، یہ بلوائی ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے وہاں کے مکانات میں گھس کر، وہاں پر میمنوں کی سالہا سال کی محنت سے جمع کی گئی دولت اور قیمتی اشیاء کے خاصے بڑے حصے کو ایک ہی رات میں لوٹ لیا۔ اور خوفزدہ میمن خاندان اپنے اُن قیمتی اثاثوں کو خاموشی سے لٹتا دیکھتے رہے گئے۔ کیونکہ ہتھیاروں کے آگے وہ بے بس تھے، اور ویسے بھی میمن قوم ہمیشہ سے ہی امن پسند رہی ہے۔ [۴۰]

بانٹوا سے میمن قوم کی ہجرت۔

بانٹوا میں ہندؤوں بلوائیوں کی اس لوٹ مار کی وجہ سے وہاں پر آباد میمن خاندان اب بانٹوا میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا صبح کرفیو اٹھتے ہی بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے اجتماعی ہجرت شروع کردی۔ یہ ہجرت کرنے والے خاندان صرف اتنے کپڑے اور دیگر سامان جسے وہ خود اٹھا سکتے تھے ساتھ لے کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہونے لگے۔ اس دوران ان لوٹے پٹے قافلوں کو راستے میں جگہ جگہ ان کے سامان کی تلاشی لی گئی اور بہت سی اشیاء چھین لی گئیں۔ اسٹیشن اور بعد میں ٹرین میں سوار ہونے تک بھی ان کو کافی جگہوں پر پریشان کیا گیا۔ ان خاندانوں کی ہجرت کا سلسلہ پندرہ روز تک مسلسل جاری رہا۔ بانٹوا سے ہجرت کرنے والے خاندانوں نے ''اوکھا'' کی بندرگاہ کے راستے کراچی پہنچے۔ اس سلسلے میں ان خاندانوں کے سفر اور طعام اور رہائش کے انتظامات اوکھا میں قائم اوکھائی میمن جماعت نے خصوصی طور پر کئے تھے۔ اور ان مہاجرین کو جلد سے جلد کراچی پہنچانے کے لیئے وہاں پر خصوصی طور پر لانچوں (چھوٹے جہازوں) کا انتظام کیا تھا۔ اسی طرح کراچی میں آباد اوکھائی میمن برادری نے اوکھائی میمن جماعت کے پلیٹ فارم پر ان مہاجرین کی رہائش، طعام اور دیگر ضروریات کا مکمل انتظام کیا تھا۔ [۴۱]

کتیانہ اور بانٹوا کی لوٹ مار اور میمن قوم کے تاجروں کی طرف سے اسی (۸۰) کروڑ روپے کی پاکستان منتقلی۔

جوناگڑھ میں ہندووں بلوائیوں کی اس لوٹ مار کی نے قیام پاکستان کے لیئے بہت مثبت معاشی حالات پیدا کر دیئے۔ تقسیم ہند کے تین سال بعد (۱۹۵۰ میں) سردار ولبھ بائی پٹیل کو جناب وی۔ ایچ۔ اے غنی جوان ڈوں ڈھا کہ اسٹاک ایکسچینج کے صدر تھے۔ انہوں نے کلکتہ میں سردار ولبھ بائی پٹیل کو ایک ملاقات میں اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ کتیانہ اور بانٹوا میں لوٹ مار کے ایک ماہ کے دوران کاٹھیاواڑ اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمان تاجروں نے بھارت سے حبیب بنک کی معرفت اسی (۸۰) کروڑ روپے کی رقومات پاکستان منتقل کی تھیں۔ جس نے پاکستان کے ابتدائی معاشی مسائل کے حل میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ [۴۲]

پاکستان کے ساتھ الحاق جوناگڑھ کے بعد وہاں پر ہندؤوں بلوائیوں کی طرف سے ہونے والی لوٹ مار کی وجہ سے کاٹھیاواڑ سے میمن قوم کی ہجرت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور اس تجارتی قوم کی پاکستان میں آمد نے تعمیر پاکستان کے لیئے بنیاد فراہم کرنے میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ جس کی تفصیل اگلے باب میں دی گئی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت ہندوستان کا کل سرمایہ (۴) چار ارب روپے تھا۔ پاکستان نے جب اپنے ایک چوتھائی حصے (ایک ارب) روپے کا مطالبہ کیا تو ہندوستان نے (۲۰) بیس کروڑ سے زیادہ دینے سے انکار کر دیا۔ ایسی صورت حال میں ایک نو زائیدہ ملک کو چلانے کے لیئے کس قدر مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اور اسے نامساعد حالات میں کاٹھیاواڑ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والی ان تجارتی برادریوں کی طرف سے (۸۰) اسی کروڑ روپے کی پاکستان میں منتقلی ملک کے قیام کے وقت ابتدائی مسائل کے حل میں انتہائی کلیدی اہمیت کے حامل رہے تھے۔ جس کی زندہ ثبوت حبیب بینک پلازہ کی وہ عالیشان عمارت ہے جو تقسیم ہندوستان کے وقت وہاں سے حبیب بینک کے ذریعے پاکستان میں بھیجی جانے والی رقوم جن کا کوئی دعویدار نہ ہونے کے بعد اس فنڈ سے اس عالیشان عمارت کو تعمیر کیا گیا ہے۔ [۴۳]

یوسف مانڈویا کی قلمی جہاد اور بے مثال قربانیاں۔

جناب یوسف مانڈویا میمن قوم کے وہ مرد مجاہد ہیں جن کو جوناگڑھ پر ہندوستان کے قبضہ کے خلاف آواز بلند کرنے اور حق بات کہنے کی

پاداش میں ہندوستان کی حکومت نے قیام پاکستان کے بعد ساڑھے تین سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند رکھا۔اُن دنوں آپ کتیانہ سے رسالہ ''مجاہد'' شائع کرتے تھے۔ ریاست جوناگڑھ کی اقتصادی ناکہ بندی کے بعد کاٹھیاواڑ سے جو چند مسلم اخبارات وجرائد شائع ہوتے تھے۔ان تمام پر ریاست میں پابندی عائد کردی گئی۔اور جبکہ ہندو ملکیت کے اخبارات کو کھلی چھٹی دی گئی تھی،اور وہ بڑے زور وشور سے مخالفانہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔اس نقار خانے میں یوسف مانڈویا مردِ آہن کی طرح پاکستان کی حمایت کی صور پھونکنے میں مصروف عمل تھے۔اس سلسلے میں جوناگڑھ سے ''مجاہد'' جو ہر دوسرے روز شائع ہوتا تھا۔اس اخبار میں مانڈویا عارضی حکومت کے پروپیگنڈہ اور سازشوں کو اپنے قلم کے ذریعے بےنقاب کرتے تھے،اور اپنے مضامین کے ذریعہ عوام میں پاکستان کی حمایت کے لیئے اُن کے حوصلے بلند رکھنے میں اپنا بھر پور کردار ادا کر رہے تھے۔ [۴۴]

''مجاہد'' مانڈویا کا نجی اخبار تھا۔مگر وہاں کے ہندو رہنماء پاکستان کی حمایت کی پالیسی کی وجہ سے اُس کو حکومت پاکستان کا اخبار سمجھتے تھے۔اور اس اخبار کی کاپیوں کو ریاست جوناگڑھ سے باہر بھیجی جانے والی کاپیوں کو ریاست کی سرحد ختم ہوتے ہی جیتل سر (JETALSAR) ریلوے جنکشن پر نذرِ آتش کردیا جاتا تھا،جس کی وجہ سے وہ جوناگڑھ کے مسلمانوں تک بہت مشکل سے پہنچتا تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ ریاست کے مسلمانوں میں اس کی بڑی مانگ رہتی تھی۔ [۴۵] جس وقت کتیانہ پر عارضی حکومت نے قبضہ کیا تھا،اس وقت سات (۷) افراد کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ان میں قاضی تاج الدین، ہاشم کھوکھر کو قتل کردیا گیا تھا۔اس فہرست میں یوسف مانڈویا کا نام بھی شامل تھے۔مانڈویا کے مکان کو ہندو بلوائیوں نے پہلے دن ہی لوٹ لیا تھا۔ان کی گرفتاری کے بعد ان کے ''اقبال پریس'' کی بھی باقاعدہ ہولی جلائی گئی۔مقامی ہندو رہنماؤں نے فرداً فرداً پریس پر پٹرول کا چھڑکاؤ کیا،اور پوسٹ ماسٹر نے ماچس سے آگ جلائی۔اس ہولی میں دیگر اشیاء کے ساتھ مانڈویا کی اُس وقت تک کی علمی وادبی ریکارڈ جل کر خاکستر کردیا گیا۔مانڈویا کو گرفتار کر کے جیل میں تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔[۴۶] رہائی کے بعد آپ انتہائی خستہ حالت میں کراچی تشریف لائے، جہاں پر جناب عمر فاضل فاروق کی کوششوں سے کتیانہ میمن برادری کے مالی تعاون سے مانڈویا نے ایک پرنٹر، مدیر اور ادیب کی حیثیت سے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ [۴۷]

جناب مانڈویا کی پیدائش ۱۹۱۴ء موربی میں ہوئی.آپ شروع ہی سے صحافتی دنیا سے وابستہ ہوئے ابتداء میں ماہنامہ ''دن'' اور بعد میں ہفتہ وار ''مسلم'' سے وابستہ رہے اور وہاں پر ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۹۳۳ء میں اپنا رسالہ ''چاند'' اور ''میمن'' جاری کیا.۱۹۳۵ء میں راجکوٹ سے ''میمن بلیٹن'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۹۳۷ء میں اپنا ذاتی رسالہ ''انقلاب'' جاری کیا۔آپ نے ۱۹۴۰ء میں ''مسلم لیگ نوا تعاش'' اور ۱۹۴۷ء میں ''ہند پر چوکاڈو'' شائع کیئے اس کے علاوہ کچھ کتابیں بھی لکھی جس میں ''حیات النبی ﷺ'' کو نیشنل ایوارڈ اور ''جیل وتی'' اور ''اقبال'' پر حسین ابراہیم فاؤنڈیشن کی طرف سے انعامات ملے.میمن قوم کی ادبی تاریخ میں آپ ایک مخصوص مقام رکھتے تھے۔ [۴۸]

عارضی حکومت پر کلنک کا ٹیکہ۔

جوناگڑھ پر قبضہ کے بعد میمن برادری کے دو بڑے شہروں کتیانہ اور بانٹوا میں وسیع پیمانے پر جو لوٹ مار کی گئی تھی۔اس کے بارے میں بھارت کے مورخین کی تصانیف میں کہیں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔پھر بھی حکومت ہند کے وزارت ریاستی امور کے خاص آفیسر مسٹر وی۔پی۔مینن کے قلم سے اتنے الفاظ ضرور نکل گئے ہیں۔کہ

’’کتیانہ میں عارضی حکومت کے آدمیوں کا کافی سامنا کیا گیا تھا اور جس کے بدلے میں انہوں نے کچھ لوٹ مار کی تھی اور آگ وغیرہ لگائی تھی۔ عارضی حکومت کے مجموعی طور پر اچھے برتاؤ اور نظم وضبط کے نام پر کتیانہ میں رضاکاروں کا برتاؤ صرف واحد کلنک ہے۔‘‘ [۴۹]

بھارتی حکومت کا کاٹھیاواڑ پر مکمل کنٹرول اور عارضی حکومت کا خاتمہ۔

بھارتی حکومت کا ریاست جوناگڑھ کا انتظام سنبھالنے اور ایک ایڈمنسٹریٹر کا تقرر کرنے کے بعد وہاں پر ایک کونسل تشکیل دی گئی۔ جس کے ممبروں میں مسٹر شامڑ داس گاندھی، مسٹر دیا شنکر دوبے اور شریمتی پشپا بہن مہتا شامل تھیں۔ فروری ۱۹۴۸ء میں کاٹھیاواڑ کی تمام دوسو (۲۰۰) سے زائد ریاستوں کو ختم کر کے سوراشٹر صوبے کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اس موقع پر جام نگر میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی زیر صدارت ایک تقریب منعقد کی گئی، اور جس میں جام صاحب رگو جے سنگھ جی اس نئے صوبے کے پہلے راج پرمکھ (گورنر) اور اُچھرنگ رائے ڈھیبر کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ [۵۰]

جوناگڑھ میں فساد۔

جوناگڑھ شہر میں بھارتی قبضہ کے ایک ماہ تک کوئی کشیدگی کا واقعہ پیش نہیں آیا لیکن بعد میں وہاں پر بھی ہندو مسلم فساد شروع ہوگئے۔ شہر میں ''اوپر کوٹ'' کے قلعہ کی جانب جانے والا راستہ ''ڈھال روڈ'' کے نام سے مشہور تھا۔اور وہاں پر مسلمانوں کی کئی دوکانیں قائم تھیں۔ کچھ ہندوؤں نے ان دکانوں کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔جس کی اطلاع ملتے ہی مسلمان دکاندار بھی مقابلے کے لیئے تیار ہوگئے۔۱۲، دسمبر ۱۹۴۷ء کے دن ہندوؤں نے اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے حملہ کردیا جس پر مسلمانوں نے بھی ان کا مقابلہ کیا۔یہ تصادم کافی دیر تک جاری رہا۔جس کے بعد مسلمانوں نے انتقام کے خوف سے رات ہی کو جوناگڑھ چھوڑ کر وہاں سے پاکستان کے لیئے ہجرت کا فیصلہ کیا۔ [۵۱]

دھوراجی میں کشیدگی۔

کاٹھیاواڑ کی دیگر ریاستوں کی طرح دھوراجی کے مسلمان بھی بھارت کا جشن آزادی منانے میں ہندوؤں کے ساتھ برابر کے شریک رہے تھے۔جشن آزادی کے موقع پر ریاست کے پولیس سربراہ نے وہاں پر پہلے سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں شدید اختلاف اور کشیدگی کی بنیاد بننے والے (گوشت بندی) کے مسئلہ کو چھیڑ دیا، کہ وہ دھوراجی میں اس پر پابندی عائد کردیں گے۔(ماضی میں بھی اس مسئلہ کی وجہ سے دھوراجی میں ہندو مسلم میں شدید اختلافات اور کشیدگی رہی تھی۔اور سب سے اہم بات یہ کہ ہندوستان کی تاریخ کی پہلی ہڑتال (۱۸۵۸ء میں) یہاں پر اسی مسئلہ کے لیئے ہوئی تھی، جس کا مکمل ذکر ''جلد سوئم میمن قوم کی دھن نگریاں'' دھوراجی میمن برادری کے باب میں ہوچکا ہے) جس کی وجہ سے وہاں پر کشیدگی اور اشتعال پھیل گیا، اور وہاں پر دونوں گروپوں میں آمنے سامنے نعرہ بازی کا سلسلہ شروع کردیا۔اسی دوران ایک مسلم نوجوان فقیر قاسم میاں نے جوش میں آکر وہاں پر قائم مانڈوی بازار ایسوسی ایشن کی عمارت پر پاکستانی پرچم لہرانے کی کوشش کی جس کے مالک تو مسلمان تھے۔لیکن اس بلڈنگ میں ہندو کرایہ دار رہتے تھے۔اس پر وہاں عمارت کے ہندو چوکیدار نے قاسم میاں کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔جس کی وجہ سے دھوراجی میں کشیدگی میں اضافہ ہوگیا اور دوسرے روز ایک ہندو پوسٹ مین ہری رام کو قتل کردیا گیا۔ [۵۲]

جس کی وجہ سے وہاں کے حالات انتہائی کشیدہ ہوگئے۔جس کے بعد وہاں پر آباد ہندو لکھی برادری کے پانچ سو افراد نے مسلمانوں کے مکانات پر حملہ کردیا۔جس میں دو مسلمان ہلاک ہوگئے، اور متعدد افراد زخمی ہوئے۔ایسی کشیدہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کی نمائندہ ادارہ دھوراجی میمن جماعت نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ عید کی نماز کے لیئے عیدگاہ نہ جائے اور شہر کے اندر ہی مختلف مقامات پر نماز عید ادا کریں۔اس کے ساتھ ہی ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ کردیا۔ [۵۳]

ریاست گونڈل کے حکمران نے جب یہ صورت حال دیکھی تو دونوں طرف کے رہنماؤں کو اپنے یہاں بلا کر بڑی دانشمندی سے اُن کے مسائل کو حل کروانے میں بردباری کا مظاہرہ کیا۔جس کی وجہ سے وہاں پر حالات مزید خراب ہونے سے بچ گئے۔جب کے کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں میں ہندوؤں مسلم فسادات کا اثر دھوراجی میں کچھ زیادہ نہیں پڑا تھا۔لہذا ہم آج بھی ہندوستان میں آباد میمن قوم پر نظر دوڑائیں تو ہمیں بمبئی

کے بعد میمن قوم کی سب سے زیادہ آبادی دھوراجی میں نظر آتی ہے۔اس کے باوجود دھوراجی سے کچھ خاندان اپنے بہتر مستقبل کے لیئے پاکستان میں ہجرت کی۔ اور ماشااللہ وہ آج کراچی میں کاروبار اور تجارت میں نمایاں کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں، اور اُن میں سے چند خاندان (جس میں پاکولا والا" تیلی" خاندان، رنگون والا خاندان، جانو خاندان اور دیگر) تو آج پاکستان میں آباد میمن قوم کے خوشحال ترین خاندانوں میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ [۵۴]

امریلی اور کوڈینار۔

ریاست جوناگڑھ کے مخدوش سیاسی حالات کی وجہ سے وہاں کے کئی سیاسی کارکنوں نے قریبی ریاست بڑوڈہ کے قریبی علاقوں امریلی اور کوڈینار میں پناہ حاصل کی۔امریلی میں کانگریس کے رہنماء راجیہ رتن جناب جوسف (یوسف) ابراہیم موتی والا اور دیگر میمن معززین نے ان مہاجرین کی کافی مدد کی۔اس دوران اُن مہاجرین میں سے کئی خاندان چھ ماہ تک وہاں پر قیام کرنے کے بعد وہاں سے کراچی ہجرت کی۔ جس سے امریلی میں ان مہاجرین کے ساتھ وہاں پر آباد مسلمانوں کے تعاون کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کوڈینار میں جناب قاضی احمد میاں اختر اور اُن کے دیگر ساتھیوں سمیت کوڈینار کے ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع "دیو" کے جزیرے پر پناہ لی تھی اور وہاں پر طویل عرصے قیام کرنے کے بعد ایک لانچ کے ذریعے کراچی پہنچنے میں کامیاب ہوسکے۔ [۵۵]

مانگرول سے ہجرت۔

ریاست جوناگڑھ کے مغرب میں سمندر کے کنارے مانگرول ایک چھوٹی سی مسلم ریاست تھی۔ جو پچھلے پانچ صدیوں سے وہاں پر قائم تھی۔ جوناگڑھ میں بابی دورِ حکومت کے دوران کئی دہائیوں سے حکومت مانگرول کے چند اعلیٰ عدالتی اور انتظامی اختیارات جوناگڑھ کے ماتحت تھے۔مانگرول کے حاکم فطری طور پر ان باتوں سے مطمئن نہ تھے۔تقسیم ہندوستان کے ساتھ ہی مانگرول کے حکمران شیخ نصیرالدین نے ۱۵، اگست ۱۹۴۷ء کو اپنی ریاست کی آزادی کا اعلان کر دیا۔جس کے بعد بھارتی یونین کے رہنماء وی پی مینن راجکوٹ میں شیخ نصیرالدین سے ملاقات کر کے ریاست مانگرول کی بھارت سے الحاق کے دستاویز پر دستخط کروا لیئے۔راجکوٹ سے واپسی پر شیخ نصیرالدین جوناگڑھ آئے تو اُن کو ریاست جوناگڑھ کے رہنماؤں نے ریاست مانگرول کا الحاق پاکستان سے کرنے کے لیئے سمجھایا۔جس کے بعد انہوں نے ایک ٹیلیگرام دہلی میں بھیجا جس میں اپنی ریاست کا الحاق بھارت سے مسترد کر دیا۔جس کے جواب میں بھارتی حکومت نے اس الحاق کو مسترد کرنے سے انکار کر دیا۔جس کے بعد یکم، نومبر کو بھارت نے مانگرول پر قبضہ کر لیا۔اس سلسلے میں بھارت نے مانگرول پر قبضہ کرنے کے لیئے دو جنگی جہاز بھیجے۔ ان میں سے لینڈنگ کرافٹ کے ذریعے بحریہ کے جوان کنارے پر اتارے گئے، اور اس طرح ریاست مانگرول پر قبضہ کر لیا گیا۔جس کے بعد ریاست کے دیوان جناب الطاف حسین، نائب دیوان عبدالقادر زین الدین اور پولیس کے سربراہ مولوی محمد میاں کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔اور اس کے ساتھ ہی شیخ نصیرالدین کو طویل عرصے کے لیئے نظر بند کر دیا گیا۔ [۵۶]

مانگرول پر بھارتی قبضہ کے بعد وہاں پر مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے ساتھ وہاں پر سرکاری ملازمت پر فائز مسلمانوں کو اُن کی ملازمتوں سے بھی فارغ کر دیا گیا۔بگڑتے حالات کی وجہ سے مانگرول میں آباد مسلمان خاندانوں نے کراچی میں ہجرت کی۔اور کچھ خاندان بمبئی

کی طرف نکل گئے۔

کیشود میں کشیدگی۔

کیشود گاؤں سے تین میل کے فاصلے پر ریاست جوناگڑھ کا واحد ایئر پورٹ واقع تھا۔جس کی وجہ سے وہاں پر بھارتی افواج کے سپاہی بڑی تعداد میں تعینات کیے گئے تھے۔جوناگڑھ پر بھارتی قبضہ کے بعد کیشود کے اطراف آباد"میر"، "آئیر"، اور"رباری" ہندو برادریوں کے لوگوں نے کیشود پر حملہ کردیا۔اور وہاں پر گُڑ بازار، اور لیمڑا چوک میں مسلمانوں کی دو دکانوں کو لوٹ لیا۔کوئی بھی مسلمان اُن کو نہیں روک سکا اور نہ ہی کسی بھی سپاہی نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ جب وہ بلوائی لوٹا ہوا مال لے کر اپنے گاؤں پہنچے تو ان کے دوسرے ساتھیوں کو اس لوٹ مار میں شریک نہ ہونے کا افسوس ہونے لگا۔اور وہ لوگ ایک بڑے گروہ کی صورت میں دوبارہ لوٹ مار کرنے کے لیئے کیشود کی جانب روانہ ہوئے۔

کیشود کے مسلمان وہاں پر ان کی دو دکانوں کی لوٹ مار اور دوسرے حالات کا جائزہ لینے کے لیئے ایک مکان کی پہلی منزل پر جمع ہوئے تھے۔جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ ایک اور گروہ لوٹ مار کے سلسلے میں گاؤں کی جانب آ رہا ہے۔تو اس پر تمام حاضرین نے زور سے"اللہ اکبر" کے نعرے لگانا شروع کردیا۔وہاں پر متعین بھارتی فوج کے سپاہی"اللہ اکبر" کے نعرے سُن کر یہ سمجھے کہ کیشود کی جانب بڑھنے والا گروہ مسلمانوں کا ہے۔جسکی وجہ سے انہوں نے اندھیرے میں ان پر فائرنگ شروع کردی،جس سے بہت سے بلوائی مارے گئے اور باقی فرار ہو گئے۔ فوج نے احتیاطٗ وہاں پر کرفیو لگادیا، جو دو دن تک جاری رہا۔اس کشیدہ صورت حال میں مسلمانوں کا وہاں پر مزید رہنا کسی طور پر مناسب نہ تھا لہذا اس واقعہ کے بعد مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ [۵۷]

تقسیم ہند اور ریاست راجکوٹ سے ہجرت۔

۱۹۴۶ء کے اواخر میں جب پاکستان کا قیام یقینی ہوگیا،تب کاٹھیاواڑ کے مسلم رہنماؤں کو پاکستان بننے کے بعد کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی مستقبل کی فکر لاحق ہوئی، کہ یہاں پر آباد مسلمان اسی صورت حال میں کیا حکمت عملی اختیار کریں گے ان کو اس صورت حال میں ایک راستہ نظر آتا تھا کہ کسی طرح جوناگڑھ پر دباؤ ڈالا جائے اور اسے پاکستان میں شامل کرنے کی کوشش کی جائیں۔اس مقصد کے لیئے قاضی اختر کی سربراہی میں مسلم لیگ کے رہنماؤں پر مشتمل ایک ایکشن کمیٹی بنائی گئی جو بعد میں جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کا اعلان بھی اسی کمیٹی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔[۵۸] جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق کے اعلان کے بعد وہاں سے ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد راجکوٹ پہنچی اور اس کے ساتھ ساتھ سندھ سے بہت سے ہندو ہجرت کرکے راجکوٹ میں آکر اشتعال انگیز باتیں کرنا شروع کیں،جس سے راجکوٹ میں کشیدگی کے آثار پھیلنے لگے۔اس دوران ایک اہم ترین واقعہ رونما ہوا جو راجکوٹ سے مسلمانوں کی ہجرت کی بنیاد بنا۔

اُن دنوں راجکوٹ میں جناب احمد سوداگر ریاست کچھ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری ہوا کرتے تھے۔ان کے وہاں پر واقع جوبلی سینما کے متصل ہی ایک ہندو خاندان آباد تھا جو انتہائی پکے کانگریسی تھے،ان کے ایک بزرگ عموماً روزانہ شام کو سوداگر صاحب کے پاس بیٹھے رہتے تھے دونوں بزرگوں میں اکثر اُس وقت وہاں سیاست سے متعلق گفتگو رہتی تھی اور اکثر دونوں اپنی مختلف سیاسی وابستگیوں کے باوجود بہت

اچھے دوست تھے۔ جناب احمد سوداگر اکثر راجکوٹ سے جوناگڑھ چلے جانا چاہتے تھےاور اپنے جریدے مسلم بلیٹن کوبھی وہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن اُن کے اُس کانگریسی دوست کے منع کرنے پر وہ راجکوٹ سے ہجرت نہیں کرر ہے تھے۔ جب راجکوٹ میں شدید سیاسی کشیدگی کی صورت حال رونماں ہونے لگی تو ایک شام وہ ہی کانگریسی بزرگ ہانپتے کانپتے آئےاور آتے ہی جناب احمد سوداگر سے کہنے لگے کہ ''بھائی کاٹھیاواڑ کے کسی مسلم لیگی کا، یا مسلم بلیٹن کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ مجھے نہایت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسلم لیگ اور مسلم بلیٹن کے دفتر پر حملہ ہونے والا ہے۔ اور پھر مسلم لیگ کے سارے رہنماؤں پر بھی حملے کیے جائیں گے۔ "آج تک جو شخص شہر چھوڑ کر نہ جانے کا سمجھا رہے تھے وہ خود اب شہر سے فوراً چلے جانے پر اصرار کرر ہا تھا۔ [۵۹]

اس کے علاوہ یہ خبر کے جوناگڑھ میں بھارتی فوج داخل ہوگئی ہےاور نواب صاحب کا اہل خانہ کے ساتھ کراچی روانگی اور ساتھ ساتھ جوناگڑھ کے دیوان سرشاہنواز بھٹو کا پاکستان سے جوناگڑھ واپس نہ آنا اور سب سے بڑھ کر میمن قوم کے خوشحال ترین شہر ''بانٹوا'' اور کتیانہ'' میں ہندوؤں کے ہاتھوں لوٹ مار کی خبروں نے راجکوٹ کے مسلمانوں کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا اور اس طرح راجکوٹ سے کئی مسلم خاندان بذریعہ ٹرین کھوکھراپار کے راستے اور کچھ خاندان پوربندر اور اوکھا بندر کے راستے ہجرت کر کے کراچی پہنچے۔

ریاست موربی ٹنکارہ سے میمن قوم کی ہجرت۔

موربی میں آباد میمن قوم کے زیادہ تر خاندان معاشی طور پر کمزور تھےاور وہاں پر چھوٹے موٹے کام کاج جس میں جیک زری کا کام، چھوٹی کریانہ اسٹور، یا پھر زراعت اور کھیتی باڑی سے وابستہ تھے اور اسی طرح موربی کے کچھ خاندان راجکوٹ میں کام کاج کے لئے منتقل ہوگئے تھے۔ [۶۰] تقسیم ہند کے وقت موربی میں تقریباً 50 / 40 خاندان آباد تھے۔ جوناگڑھ کے واقعات، راجکوٹ میں سیاسی تناؤ، کیونکہ موربی ٹنکارہ میں آباد میمن خاندانوں کا زیادہ تر تعلق راجکوٹ سے بہت ہی زیادہ تھا، اور وہاں سے مسلمانوں اور خصوصاً میمن قوم کی پاکستان میں ہجرت اور جام نگر میں بھی سیاسی تناؤ کے علاوہ اس امید پر بھی ہجرت کی گئی کے پاکستان میں جانے سے ان کے معاشی حالات میں بہتری کی کوئی راہ نکل آئے گی، اور یہ سوچ کر میمن قوم کے خاندان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ پوربندر اور اوکھا بندر کے راستے ہجرت کی جہاں پر اوکھا بندر پر اور یہاں کراچی بندر پر اوکھائی میمن برادری کا ان لوٹے پوٹے قافلوں کے انتظامات مدینے کے انصار و مہاجرین کی یاد تازہ کرواتا تھا۔ [۶۱]

تقسیم ہند کے وقت جام نگر اور ہالار سے ہجرت۔

تقسیم ہند کے وقت سقوط جوناگڑھ اور خصوصاً بانٹوا، کتیانہ کی لوٹ مار کے بعد میمن قوم کی اکثریت کے ساتھ کاٹھیاواڑ کے دیگر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے پاکستان ہجرت کیا۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ اگر جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو جام نگر اور پوربندر بھی پاکستان میں شامل ہوجائیں گے۔ کیوں کہ جام نگر اور جوناگڑھ کے درمیان گذشتہ کئی نسلوں سے گہرے مراسم تھے۔ لیکن جام نگر کے جام صاحب کو بھارت کے وزیر دفاع بنانے کی یقین دہانی کرائی گئی، جس کے بعد ان کے رویئے میں بتدریج تبدیلیاں محسوس کی جانے لگی تھی۔ [۶۲]

تقسیم ہند کے وقت پورے ہندوستان میں ہندو مسلم اقوام میں شدید تناؤ کی سی صورت حال تھی اور اُن دنوں چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی

بڑے فساد کو جنم دے رہا تھا ہالار میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ۔ اُس وقت باڑہ کے علاقے میں حاجی یعقوب کی واڑی کے نام سے ایک باغیچہ تھا جس میں ایک چھوٹا سا مندر قائم تھا جس کے دروازے پر پتھر کا بنا ہوا ایک گائے کا پتلا نصب تھا جسے ''پوٹھیار'' کہا جاتا تھا، ایک رات سخت آندھی اور طوفان کی وجہ سے ''کولی کی واڑی'' (وہاں پر ایک جگہ اس نام سے مشہور تھی) کے کسانوں نے اپنے سامان کو محفوظ کرنے کے لیئے مندر میں رکھنا شروع کر دیا۔ اسی افراتفری میں کوئی وزنی چیز اس گائے کے پتلے سے ٹکرائی اور یہ نازک پتلا ٹوٹ گیا۔ اُس وقت تقسیم ہند کی وجہ سے سیاسی حالات ویسے ہی کشیدہ تھے اور اس واقعہ کی وجہ سے شر پسند عناصر کو موقع مل گیا ۔ اور اس پتلے کے ٹوٹنے کا الزام مسلمانوں پر لگا دیا۔ جس کے بعد وہاں پر ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے میں جام نگر سے پولیس نے آ کر تمام مسلمانوں کے گھروں کا گھیراؤ کر لیا اور مسلسل ایک ہفتہ گھیراؤ کے بعد چار بے گناہ افراد کو گرفتار کر کے لے گئی، اس طرح وہاں پر پشتوں سے آباد ہندوؤں و مسلم گھرانوں کی مثالی بھائی چارگی کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کے بعد وہاں پر مسلمان پاکستان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ وہاں سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں اور خصوصاً علیا باڑہ اسٹیشن کے باہر جانے والے مسلمانوں کی سخت نگرانی کی جانے لگی اور ایک مسافر کو صرف (۱۵) پندرہ روپے نقد اور بستر لے کر جانے کی اجازت تھی ۔ اسی طرح پورے ہالار کے تمام گاؤں سے اجتماعی ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ان تمام خاندانوں کی منزل اوکھا کے راستے کراچی تھی ۔ [۶۳]

تقسیم ہند کے وقت ریاست پور بندر کا مہاجرین کے ساتھ بھرپور تعاون ۔

پور بندر میں کاٹھیاوار کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے وہاں کے حکمران رانا نٹور سنگھ نہایت ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے ۔ اور اُن دنوں انہوں نے جونا گڑھ سے لوٹے ہوئے قافلوں کی بڑی مدد کی ۔ اس کے ساتھ پور بندر میں آباد میمن خاندانوں میں سیٹھ ابوبکر جوہری اور جناب حبیب حاجی شکور باڈیلیا اور دیگر بزرگوں نے ان مصیبت زدہ خاندانوں کی ہر طرح کی مدد کی اور اُن کو کراچی کی بندرگاہ تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے ساتھ اُس وقت پور بندر کے پولیس کمشنر جناب پرتھوی سنگھ جی نے بھی ان مہاجرین کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کرنے کروائے تھے۔ پور بندر میں ان مہاجروں کو کراچی پہنچانے کے لئے سب سے پہلا جہاز ''ایم وی کرنجا'' "M.V. KARANJA" تھا۔ [۶۴]

تقسیم کی وجہ سے پور بندر میں آباد میمن برادری کے تقریباً (۱۵۰) ایک سو پچاس خاندان کراچی میں ہجرت کی، ابتداء میں یہ نیا آباد کھڈہ (لیاری) میں آباد ہوئے۔ بعد میں فیڈرل بی ایریا میں میمن کالونی کے قیام سے آج تک اسی علاقے میں قائم پور بندر کالونی میں پور بندر میمن جماعت کے پلیٹ فارم پر اپنی سماجی خدمات سے سرشار خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ جبکہ کچھ میمن خاندان آج بھی پور بندر میں اپنے سماجی انفرااسٹرکچر کے ساتھ آباد ہیں۔

مہاجرین کے ساتھ ہندو ریاستوں کا تعاون۔

تقسیم ہندوستان کے وقت ہندو مسلمان فسادات اور کشیدگی کے ساتھ کچھ ایسے واقعات (جنہیں انسانی ہمدردی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی شاندار مثال قرار دی جاسکتی ہے) بھی رونما ہوئے کہ جن کا ذکر نہ کرنا تاریخ کے ساتھ زیادتی کرنے کے متعارف ہوگا کیونکہ اس خونریزی کے

حالات میں بھی بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اُس وقت اخلاقی اقدار کا پاس تھا۔ انسانیت زندہ تھی۔ ان شاندار اخلاقی اقدار میں اُس وقت کاٹھیاواڑ کی کچھ ہندو ریاستوں کے حکمران بھی شامل تھے۔ جس میں پوربندر اور بڑوڈہ کے حکمرانوں نے مسلمان مہاجرین کی پاکستان میں ہجرت کے لیئے سہولیات کی فراہمی اور اُن کے سفری امور کی انجام دہی میں بھرپور تعاون کیا۔ ان کے علاوہ بھاونگر، گونڈل اور دیگر ہندو ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنے یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان حالات کو خراب نہیں ہونے دیئے، اور اپنی دانشمندانہ طرزِ عمل سے وہاں پر کسی بھی قسم کی کشیدگی کو جنم نہیں لینے دیا۔ اور پاکستان ہجرت کرنے والے مہاجرین کو سہولیات فراہم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔

مہاجرین کی دیکھ بھال اور سہولیات کے لیئے اوکھائی میمن برادری کی تاریخی خدمات۔

اُس وقت کاٹھیاواڑ سے باہر جانے کے لیئے صرف دو محفوظ راستے تھے ان میں سے ایک راستہ نزدیکی ریاست پوربندر اور کاٹھیاواڑ کے شمال مغرب میں واقع ریاست گائیکواڑ کے ماتحت اوکھا بندر کا تھا۔ جبکہ دوسرا راستہ ٹرین کے ذریعے موناباو کے راستہ کھوکھراپار کا تھا۔ کاٹھیاواڑ سے ہجرت کرنے والے مہاجرین کی بڑی تعداد نے کراچی پہنچنے کے لئے سمندری راستہ کو انتخاب کیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ وہ راستہ زیادہ محفوظ ہونے کیساتھ وہاں پر آباد اوکھائی میمن برادری کی طرف سے ان مہاجرین کو سفری اور دیگر سہولیات کا انتظامات کیا ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی کراچی کی بندرگاہ پر بھی اوکھائی میمن برادری کی طرف سے ان مہاجرین خاندانوں کی امداد کے لیئے شاندار انتظامات کیے ہوئے تھے۔ [۶۵]

تقسیم ہند کے وقت صوبہ گجرات کے شہر گودھرا میں خونریز فسادات کی وجہ سے وہاں کے ہزاروں مسلمان نزدیکی شہر بڑوڈہ میں ہجرت کرر ہے تھے۔ وہاں ان کی امداد کے لیئے ایک ریلیف کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے چیرمین بڑودہ اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر جناب رسول خان پٹھان اور اعزازی سیکریٹری دوارکا میمن بورڈنگ ہاؤس کے سپرینٹنڈنٹ جناب سلیمان عبدالغنی پنجوانی تھے انہوں نے ان کو اوکھا اور بمبئی کے راستے بذریعہ سمندری جہاز کراچی پہنچانے کا انتظام کیا۔ جبکہ اوکھا میں ان مہاجرین کے لیئے امدادی کاروائی اوکھائی میمن جماعت نے سنبھالی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں وہاں پر وسیع شامیانے وغیرہ لگائے گئے تھے اور ان مہاجرین کے کھانے پینے اور سفر کے انتظامات میں اوکھائی میمن برادری کا جذبہ ایثار قابل دید تھا۔ جس میں باغیچہ والا فیملی، جناب لطیف پاستا اور موسیٰ پاستا فیملی، جناب عیسیٰ جمال فیملی اور وہاں پر آباد پوری برادری نے مہاجروں کی دیکھ بھال میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آج بھی بہت سے ایسے بزرگ حیات ہیں جو اکثر میمن برادریوں کے جلسوں میں ان خدمات کا اظہار کرتے ہیں۔ اوکھا بنیادی طور پر معاشی طور پر کمزور علاقہ تھا اور ایسے میں اتنی بڑی تعداد مہاجروں کی آمد اور اُن کی دیکھ بھال کرنا جس کی وجہ سے اُن دنوں اشیاء خوردنی کی شدید قلت پیدا ہوگئی، جو کراچی سے بذریعہ اسپیشل لانچوں سے وہ اشیائے خوردنی اوکھا پہنچائی گئی۔ اسی طرح بمبئی میں آنے والے ان مہاجرین کی امداد وہاں پر قائم راحت کمیٹی نے کی جس میں بمبئی میں نومبر ۱۹۴۷ء سے لے کر مارچ ۱۹۴۸ء تک صرف پانچ ماہ کے دوران ان مہاجرین کے لیئے بیس (۲۰) بحری جہاز چارٹرڈ کرائے گئے تھے اس کے علاوہ کراچی جاتے ہوئے ہر بحری جہاز میں ڈیڑھ دو سو مہاجرین روانہ کر دیئے جاتے تھے۔ جس میں بلاشبہ بمبئی میں آباد کتیانہ میمن برادری کے بزرگوں کی اہم ترین خدمات شامل تھیں۔ [۶۶]

بحری جہاز کے ذریعہ جانے والے مہاجروں کے لیئے ریلیف کمیٹی باقاعدہ ٹکٹیں خریدتی تھی اس کے باوجود بھی کافی تعداد میں مہاجرین

بغیر ٹکٹ کے بحری جہازوں میں سوار ہو جاتے تھے جس کی شکایت جہازوں کے افسران نے جہازوں کے مالکان سے کی حاجی حبیب پیر محمد کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے جہازراں کمپنی کے عہدیداروں سے دریافت کیا کہ بحری جہاز میں کتنے مسافروں کی گنجائش ہوتی ہے انہیں بتایا گیا کہ ایک جہاز میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مسافر سفر کر سکتے ہیں اس پر حاجی حبیب نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ جتنے مسافر جہاز میں سفر کریں ان سے کسی قسم کی بازپرس نہ کی جائے اور ان تمام آدمیوں کے کرایہ کی رقم مجھ سے وصول کی جائے۔ [۶۷]

جناب عیسیٰ جمال کی برادری کے لئے تاریخی خدمت:۔

اوکھامنڈل میں برادری معاشی طور پر غریب، پسماندہ اور مختلف مسائل کا شکار تھی۔اس کے برعکس کراچی میں معاشی طور پر خوشحال تھی جس کی وجہ سے اوکھا سے برادری کے لوگ کراچی آکر آباد ہونا چاہتے تھے لیکن مالی حیثیت ایسی نہ تھی کہ وہ وہاں سے سفر کر کے کراچی آکر آباد ہوں، اس وقت ''موسیٰ ناکھوا'' کے (وارنج) لانچ چلتے تھے اور اس کا کرایہ =/10 روپے ہوتا تھا جو اس وقت بہت سے خاندانوں کی استعداد سے باہر تھا اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے جناب عیسیٰ جمال نے پورے اوکھا منڈل میں اعلان کروادیا کہ جو لوگ بھی پاکستان جانا چاہتے ہیں وہ مجھ سے رابطہ قائم کریں وہ ان کے پاکستان جانے کا انتظام اور ایک ہفتہ کا راشن مہیا کریں گے۔

جناب عیسیٰ جمال کے اس اعلان کے ساتھ ہی برادری کے بہت سے خاندانوں نے پاکستان ہجرت کی اور برادری کی یہاں آمد میں اس اعلان نے اہم کردار ادا کیا آپ کے اس اعلان کا علم حکومتی حلقوں کو ہوا تو وہاں کے کمشنر نے بذریعہ سمن جناب عیسیٰ جمال کو اپنے یہاں طلب کیا اور الزام عائد کیا کہ آپ لوگوں کو بہکا رہے ہیں، کہ وہ یہاں سے ہجرت کر کے پاکستان چلے جائیں۔اس پر جناب عیسیٰ جمال نے کمشنر کو بتایا کہ اوکھا میں یہ غریب لوگ معاشی طور پر بہت پریشان ہیں، اور وہ اپنی پریشانی سے نجات اور روزگار کے لیے پاکستان جانا چاہتے ہیں میں ان کی اس پریشانی کو دور کرنے میں مدد کر رہا ہوں تاکہ ان غریبوں کے مسائل حل ہوں آپ ان کو روزگار اور ان کے مسائل حل کر سکتے ہیں تو میں یہ اعلان واپس لے لیتا ہوں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو مہربانی فرما کر ان کو پاکستان جانے دیں تاکہ یہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکیں جس پر حکومتی اہلکار خاموش ہو گئے۔

اکتوبر ۱۹۴۸ء میں دوارکا بورڈنگ ہاؤس میں پڑھنے والے تمام بورڈرز جس میں جناب عیسیٰ جمال خود بھی ان کے ساتھ کراچی آئے۔ اس لانچ کا نام ''ایم ایل مجیٹھیا "M.LMajeethia" تھا۔اس لانچ کے بارے میں کراچی میں مشہور ہو گیا کہ وہ دریا میں ڈوب گئی ہے جس سے یہاں پر برادری میں افراتفری مچ گئی۔جب کہ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی، کیونکہ وہ موٹر مشین لانچ تھی، اور اُن دنوں بادبانی لانچوں کی نسبت زیادہ محفوظ اور سیف سمجھی جاتی تھی۔

دوارکا سے آئے ہوئے اُن تمام بورڈروں کے رہنے کا انتظام موجودہ آدمجی سائنس کالج جو اُس وقت میمن ایجوکیشنل سوسائٹی کے لئے جناب حسین ابراہیم جمال نے رقم کی ادائیگی کے بعد خرید لیا تھا۔اور وہ چاہتے تھے کہ یہ انتظام اُن کی طرف سے ہو لیکن سر آدمجی حاجی داود نے اُس عمارت کی رقم جناب حسین ابراہیم جمال کو واپس لوٹا دی تھی کہ یہ انتظام اُن کی طرف سے ہے۔اور یہ معاملہ میمن ایجوکیشنل سوسائٹی کا ہے۔کراچی میں آئے ہوئے تمام بورڈروں کو پہلے R.P.Rabary اسکول صدر میں داخل کیا گیا، بعد میں اسکول کے تعلیمی معیار مناسب نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو

مدرسہ اسلامیہ اسکول کھارادر میں منتقل کردیا گیا اس کے علاوہ ان بورڈروں کے خاندانوں کوکراچی میں آباد کرنے اور اُن کے مالی اور دوسرے مسائل کے حل میں اہم کردار ادا کیا۔ [۶۸]

کاٹھیاواڑ کے دیگر چھوٹے بڑے شہروں اور گاؤں سے میمن خاندان بڑی تعداد میں پاکستان کی جانب ہجرت کی۔ راستے میں اُن کو مختلف جگہوں پر پریشان کیا گیا۔ مگر مجموعی طور پر اُن میں سے زیادہ تر خاندان پُرامن پاکستان پہنچ گئے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے وہاں پر آباد دیگر مسلم خاندانوں نے بھی اپنی جائیدادیں اونے پونے (سستے داموں) فروخت کرکے پاکستان پہنچنے لگے۔ اسی طرح بمبئی شہر سے بھی بڑی تعداد میں میمن خاندانوں نے پاکستان میں ہجرت کی۔ اور ہجرت کا یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد تقریباً پانچ سالوں تک جاری رہا۔

REFERENCES حوالہ جات

[۱]	وی۔پی۔مینن۔	اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس"	صفحہ نمبر۔۷۵
[۲]	وی۔پی۔مینن۔	اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس"	صفحہ نمبر۔۷۸
[۳]	چوہدری محمد علی۔	ایمرجنس آف پاکستان۔	صفحہ نمبر ۲۳۵۔۲۳۶
[۴]	چوہدری محمد علی۔	ایمرجنس آف پاکستان۔	صفحہ نمبر۔۷۹
[۵]	چوہدری محمد علی۔	ایمرجنس آف پاکستان۔	صفحہ نمبر ۲۸۰ سے ۲۸۱
[۶]	Imperial Gazetter of India 1908 Vol - XIV-		Page No. 236.237
[۷]	حبیب لاکھانی۔	الحاق جوناگڑھ	صفحہ نمبر۔۱۸۔۱۹
[۸]	عبدالستار کوپالی۔	یادوں کی سوغات۔	صفحہ نمبر۔۲۴۰۔۲۳۹
[۹]	ڈاکٹر اسماعیل بیگ	"جوناگڑھ"	صفحہ نمبر ۱۶۳۔
[۱۰]	ڈاکٹر اسماعیل بیگ	"جوناگڑھ"	صفحہ نمبر ۱۶۵
[۱۱]	مسلم بلیٹن	شمارہ۔۲۹، اگست ۱۹۴۷ء	
[۱۲]	موگٹ لال پارکھ:	جوناگڑھ ناری اگن یاترا (جوناگڑھ تیرا آگ کا سفر)	صفحہ نمبر۔۱۱۰
[۱۳]	موگٹ لال پارکھ:	جوناگڑھ ناری اگن یاترا (جوناگڑھ تیرا آگ کا سفر)	صفحہ نمبر۔۱۱۲
[۱۴]	موگٹ لال پارکھ:	جوناگڑھ ناری اگن یاترا (جوناگڑھ تیرا آگ کا سفر)	صفحہ نمبر۔۲۶۔۳۲
[۱۵]	رتو بھائی کوٹھاری:	جوناگڑھ نی لوک کرانتی (جوناگڑھ کا عوامی انقلاب)	صفحہ نمبر۔۴۱
[۱۶]	ہڈسن ایچ۔وی۔	گریٹ ڈیوائیڈ	صفحہ نمبر۔۳۰

[۱۷] ہڈسن ایچ۔وی۔ گریٹ ڈیوائڈ صفحہ نمبر۔۴۳۳۔۴۳۶

[۱۸] رتو بھائی کوٹھاری: جوناگڑھ فی لوک کرانتی (جوناگڑھ کا عوامی انقلاب) صفحہ نمبر۔۴۵

[۱۹] مسلم ہائمتسر ۲۔روزنامہ بمبئی شمارہ۔نومبر ۱۹۴۷ء

[۲۰] وی۔پی۔مینن۔ اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس" صفحہ نمبر۔۱۴۳

[۲۱] ڈاکٹر اسماعیل بیگ "جوناگڑھ" صفحہ نمبر۔۲۹۱

[۲۲] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۴۴،۴۵

[۲۳] وی۔پی۔مینن۔ اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس" صفحہ نمبر۔۱۴۵

[۲۴] وی۔پی۔مینن۔ اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس" صفحہ نمبر۔۱۴۶

[۲۵] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۱۶۴

[۲۶] مسلم گجرات، ہفتہ وار سورت۔ شمارہ۔۱۹، نومبر ۱۹۴۷ء۔

[۲۷] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۲۰۱

[۲۸] حبیب لاکھانی۔ الحاق جوناگڑھ صفحہ نمبر۔۵۵۔۵۶

[۲۹] رتو بھائی کوٹھاری: جوناگڑھ فی لوک کرانتی (جوناگڑھ کا عوامی انقلاب) صفحہ نمبر۔۴۶

[۳۰] عمر فاضل فاروق، کتیانہ نی لوھیا ڑلوٹ "کتیانہ کی خون آلود لوٹ" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۹۴

[۳۱] عمر فاضل فاروق، کتیانہ نی لوھیا ڑلوٹ "کتیانہ کی خون آلود لوٹ" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۹۵

[۳۲] عمر فاضل فاروق، کتیانہ نی لوھیا ڑلوٹ "کتیانہ کی خون آلود لوٹ" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۹۷

[۳۳] عمر فاضل فاروق، کتیانہ نی لوھیا ڑلوٹ "کتیانہ کی خون آلود لوٹ" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۹۷

[۳۵] عمر فاضل فاروق، کتیانہ نی لوھیا ڑلوٹ "کتیانہ کی خون آلود لوٹ" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن کا دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۹۸۔

[۳۶] حبیب حاجی شکور با ڈلیا "کتیانہ سے پوربندر" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۱۰۳۔۱۰۷۔

[۳۷] عبداللطیف عبدالرحیم فاضل "بمبئی کی راحت کارگذاری" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن دس سالہ خصوصی مجلّہ صفحہ نمبر۔۱۰۸۔۱۱۲۔

[۳۸] میمن سماج خاص شمارہ ۱۹۶۱

[۳۹] میمن سماج خاص شمارہ ۱۹۶۱ء

[۴۰] میمن سماج خاص شمارہ ۱۹۶۱ء

[۴۱] میمن سماج خاص شمارہ ۱۹۶۱ء

[۴۲] میمن بلیٹن سردار پٹیل سے ایک ملاقات۔یکم جنوری ۱۹۸۱ء۔الحاق جوناگڑھ۔ صفحہ نمبر۔۱۴۸

[۴۳] میمن بلیٹن یکم جنوری ۱۹۸۱ء

[۴۴] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۲۰۵

[۴۵] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۲۰۶

[۴۶] یوسف مانڈویہ: جیل ویتی۔(جیل بیتی) صفحہ نمبر۔۲۱۰

[۴۷] میمن عالم۔ شمارہ۔۵۰۰ ایڈیشن۔مارچ ۲۰۰۰ء۔

[۴۸] میمن عالم۔ شمارہ۔۵۰۰ ایڈیشن۔مارچ ۲۰۰۰ء۔

[۴۹]	وی۔پی۔مینن۔	اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس"	صفحہ نمبر ۱۳۴
[۵۰]	مسلم گجرات	شمارہ۔۳۰ فروری ۱۹۴۸ء۔	
[۵۱]	مسلم ہاتسر	شمارہ۔۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء۔	
[۵۲]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۲۹ اگست ۱۹۴۷ء۔	
[۵۳]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۳۰، اکتوبر ۱۹۴۷ء	
[۵۴]	مسلم پلیٹن	شمارہ ۲۹، اگست ۱۹۴۷ء۔	
[۵۵]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۳۰، ستمبر ۱۹۴۸ء	
[۵۶]	وی۔پی۔مینن۔	اسٹوری آف انٹی گریشن آف انڈیا اسٹیٹس"	صفحہ نمبر ۱۳۸
[۵۷]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۳۰، ستمبر ۱۹۴۷ء	
[۵۸]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۳۰، اکتوبر ۱۹۴۷ء	
[۵۹]	عبدالستار کو پانی۔	یادوں کی سوغات۔	صفحہ نمبر ۲۷۰۔۲۶۹
[۶۰]	میمن عالم	شمارہ۔۵۰۰ ایڈیشن۔ مارچ ۲۰۰۰ء۔	
[۶۱]	عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا۔	تاریخ وکھائی میمن برادری۔	صفحہ نمبر ۱۹۱۔۱۹۰
[۶۲]	مسلم پلیٹن	شمارہ۔۳۰، اکتوبر ۱۹۴۷ء	
[۶۳]	عبدالستار رفاضلانی	میمن قوم آغاز تا امروز۔	صفحہ نمبر ۱۳
[۶۴]	حبیب حاجی شکور باڈیلیا ۔	"کتیانہ سے پوربندر" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن دس سالہ خصوصی مجلہ	صفحہ ۱۰۳۔۱۰۷۔
[۶۵]	عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا۔	تاریخ وکھائی میمن برادری۔	صفحہ نمبر ۱۹۳۔۱۹۲
[۶۶]	عبداللطیف عبدالرحیم فاضل	"بمبئی کی راحت کارگذاری" کتیانہ میمن ایسوسی ایشن دس سالہ خصوصی مجلہ	صفحہ ۱۰۸۔۱۱۲۔
[۶۷]	عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا۔	تاریخ وکھائی میمن برادری۔	صفحہ نمبر ۱۹۵۔۱۹۴
[۶۸]	عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا۔	تاریخ وکھائی میمن برادری۔	صفحہ نمبر ۱۹۶۔۱۹۵

چھٹا باب

تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار

چھٹا باب

تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار

قیام پاکستان کے بعد کے ابتدائی مسائل۔

پاکستان ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے معرض وجود میں آیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے قیام کے سلسلے میں جو بے مثال قربانیاں دی تھیں، اُن میں سے کچھ کا ذکر ہم پچھلے بابوں میں کر چکے ہیں۔ لیکن منزل کے حصول کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔ اور پاکستان کے قیام ساتھ ہی اُسے کئی سنگین مسائل سے دو چار ہونا پڑا۔ ان مسائل میں

۱۔ سرحدوں کا تعین۔

۲۔ ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ۔ (جس کا تفصیلی ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں)

۳۔ مسلم کش فسادات۔

۴۔ مالی اثاثوں کی تقسیم۔

۵۔ افواج اور دفاعی اثاثوں کی تقسیم۔

۶۔ نہری پانی کا تنازعہ۔

لیکن ان میں سب سے اہم اور سنگین ترین مسائل ہیں۔

☆ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ۔

☆ معاشی اور ملک کے انتظام کو چلانے کے لیئے مالی مسائل۔

مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ۔

قیام پاکستان کے ابتدائی مشکلات میں سب سے اہم ترین مسئلہ مہاجرین کی آباد کاری کا تھا۔ برصغیر کی آزادی کے وقت بہت قلیل عرصے میں بہت بڑی تعداد میں جو ہجرت ہوئی، اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی، ''لاسٹ ڈیز آف برٹش راج'' کے مصنف کیونارڈ مسلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ۔

> ''آزادی کے ابتدائی نو ماہ میں پاکستان اور ہندوستان میں مسلمان، ہندو اور سکھوں کی ہجرت تقریباً ایک کروڑ چالیس لاکھ سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ افراد کی تھی۔'' [۱]

کراچی میں مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں ''میمن قوم'' کی خدمات۔

قیام پاکستان کے وقت پورے ہندوستان سے مسلمان مہاجرین کی کثیر تعداد کراچی میں ہجرت کر کے تشریف لائی، کیونکہ کراچی اُن دنوں پاکستان کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اس پر مہاجرین کا دباؤ زیادہ تھا، اور دوسری وجہ سمندری راستہ اُس وقت زمینی راستوں کی نسبت زیادہ محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جوناگڑھ کے نواب کی طرف سے ریاست جوناگڑھ کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنے کے اعلان کے بعد وہاں کے کشیدہ حالات جس میں ہندوؤں بلوائیوں کی طرف سے وہاں پر فسادات اور لوٹ مار کے بعد (جس کا تفصیلی ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے) کاٹھیاواڑ کی مختلف ریاستوں سے آئے ہوئے ان مہاجرین کی کراچی میں آمد نسبتاً زیادہ محفوظ اور نزدیک ہونے کی وجہ سے آسان تھی۔ اور یہ ہی وجہ تھی کہ آج ہم پاکستان میں میمن قوم کی آبادی پر نظر دوڑائیں تو ہمیں بہت بڑی تعداد کراچی میں ہی نظر آتی ہے۔ اور پاکستان میں ہجرت کر کے آنے والے ان خاندانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی آبادکاری کا تھا۔ اس سلسلے میں کراچی میں پہلے سے آباد او کھائی میمن جماعت کی طرف سے اُس وقت کے میونسپل کونسلر جناب قاسم سلیمان ویانی کی سربراہی میں ایک ریلیف کمیٹی تشکیل دی تھی۔ جس نے مہاجرین کو امداد فراہم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ لیکن اُس وقت مہاجرین کی آمد نے ایک سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جب کہ ریلیف کمیٹی کے دائرہ کار اور اُس میں مالی طور پر صاحب حیثیت تجارتی شخصیات کو شامل کیا گیا۔ اس سلسلے میں میمن قوم کے اکابرین نے ریلیف کمیٹی کے تحت کراچی میں واقع جوڑیا بازار کے کنڈا گلی میں ملبہار ٹریڈنگ کمپنی کے دفتر میں حاجی ولی محمد قاسم دادا کی زیر صدارت ایک میٹنگ طلب کی، جس میں مہاجرین کی بہتر منصوبہ بندی اور وسیع پیمانے پر امدادی کاروائی کرنے کے لیئے میمن قوم کے تمام اکابرین کے تعاون سے جلسہ عام کا انعقاد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد میمن قوم کا اجتماعی طور پر پہلا اجلاس۔

پاکستان کی سرزمین پر منعقد کئے جانے والے میمن قوم کا پہلا جلسہ وسط نومبر ۱۹۴۷ء میں بھاونگر اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر جناب عبدالقادر موسیٰ لاکھانی کے زیر صدارت کراچی کے بمبئی بازار (کھارادر) کے بڑے چوک پر منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں سر آدمجی حاجی داود نے بحری اور بری راستوں سے مہاجرین کے سیلاب سے پیدا شدہ سنگین حالات کا جائزہ لیا۔ انہوں نے میمن قوم کی انسانیت کے لیئے ماضی کی خدمات اور خصوصاً بہار اور کوئٹہ کے زلزلوں کے دوران میمن ریلیف کمیٹی کلکتہ کی تاریخی خدمات یاد دلائیں۔ انہوں نے پاکستان جیسے نوزائیدہ ملک کے سامنے پیش آنے والے ان سنگین حالات سے ملک کو نکالنے کے لیئے ایک ایسی ہی میمن ریلیف کمیٹی قائم کرنے کی اپیل کی۔ جس کی بعد میں جلسہ کے دیگر تمام مقررین نے ان کی تائید کی۔ میمن ریلیف کمیٹی کے قیام کے وقت حاجی ولی محمد قاسم دادا کو اس کا صدر، جناب عثمان عیسیٰ بھائی ایڈوکیٹ اور جناب عبداللطیف آربی موتی والا کو نائب صدر، حاجی عبداللطیف ابراہیم باوانی کو خزانچی، اعزازی سیکریٹری کی ذمیداری جناب عبدالقادر لاکھانی کو اور جوائنٹ سیکریٹری کی حیثیت سے جناب سلیمان آدم غازیانی اور عبدالغفار چھوٹانی کو مقرر کیا گیا۔ [۴]

مہاجرین کی سہولیات فراہم کرنے میں میمن ریلیف کمیٹی کی خدمات۔

میمن ریلیف کمیٹی کی تشکیل کے فوراً بعد ہی کھوکھراپار اسٹیشن پر امدادی کاروائی شروع کی گئی۔ کیونکہ کراچی کی بندرگاہ پر اوکھائی میمن برادری کی طرف سے پہلے سے ہی مہاجرین کی سہولیات کے لیئے ایک ریلیف کمیٹی کے ذریعہ انتظامات کا سلسلہ جاری تھا۔ جبکہ کھوکھراپار کی سرحد پر مہاجرین کی سہولیات کے لیئے ایسا کوئی بھی انتظام موجود نہیں تھا، لہذا اس بات کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے میمن ریلیف کمیٹی نے سب سے پہلے اُس جانب توجہ دی۔

کھوکھراپار، سندھ راجستھان کی سرحد پر پاکستان کے علاقے میں تین میل کے فاصلے پر واقع پہلا ریلوے اسٹیشن ہے۔ جب کے اس کے اطراف میں ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ جبکہ بھارتی ٹرینیں ان مہاجرین کو سرحد تک چھوڑ کر چلی جاتی تھیں، جہاں سے وہ اپنے سامان اور بال بچوں کے ساتھ چلچلاتی دھوپ میں پیدل چل کر اسٹیشن تک پہنچتے تھے۔ جبکہ اُس پورے علاقے میں کوئی سواری یا جانور تو درکنار پانی تک میسر نہیں ہوتا تھا۔ وہاں پر دو چار دنوں میں ایک ٹرین حیدرآباد سے آکر ان مہاجرین کو لے جاتی تھی۔ ان حالات میں بے آب وگیاں ریگستان جہاں پر زہریلے حشرات الارض سے بھرے ہوئے کھوکھراپار اسٹیشن پر مہاجرین کو شدید مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔

ان تمام مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے میمن ریلیف کمیٹی نے سب سے پہلے ان مہاجرین کو شدید دھوپ سے بچانے کے لیئے کھوکھراپار اسٹیشن پر ایک وسیع وعریض سائبان تعمیر کروایا۔ اس کے ساتھ ہی روزانہ تقریباً ایک ہزار مہاجرین کو کھانے کی اشیاء کی فراہمی کے سلسلے میں وسیع پیمانے پر انتظامات کیئے۔ اس کے علاوہ کمیٹی نے کھوکھراپار سے اگلے اسٹیشن ''چھوڑ'' (CHHOR) سے بذریعہ ریلوے ٹینکر پانی منگوانے کا بھی بندوبست کروایا۔ اور اس کے ساتھ ہی کمیٹی کی کوششوں سے ٹرین جو پہلے دو چار دن میں وہاں پر آتی تھی، اُسے روزانہ سروس کیا انتظام کیئے گئے۔ اس کے علاوہ ٹرین کی آمد میں تاخیر کی صورت میں پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیئے وہاں مٹی کی بڑی ٹنکیاں بنوائی گئی، اس کے ساتھ کسی حادثے کے پیش نظر ابتدائی طبی امداد کے سامان کا بھی انتظام کیا گیا۔ کھوکھراپار پہنچنے والے مہاجرین میں اگرچہ میمنوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، اور زیادہ تر مہاجرین راجستھان، یوپی، بہار اور بھارت کے دیگر صوبوں اور ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن میمن ریلیف کمیٹی کے ممبران نے اپنے آباؤاجداد کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے بغیر کسی امتیاز کے تمام مہاجرین کی بھرپور خدمات دینے میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ جس کا اعتراف آج بھی بہت سی دیگر برادریوں کے بزرگوں کی زبانوں سے ہمیں سننے کو ملتے ہیں جو اُس وقت کے چشم دید گواہ رہے ہیں، جو ہمیں تاریخ اسلام کی انصار اور مہاجرین کے واقعات کی یاد دلاتے ہیں۔ جو بلاشبہ میمن قوم کے سنہری ابواب میں سے ایک باب رہیگا۔ [۴]

کراچی میں میمن ریلیف کمیٹی کی طرف سے کراچی میں مختلف مقامات پر (۱۱) گیارہ کیمپ قائم کیئے گئے تھے۔ کھوکھراپار سے آنے والے مہاجرین کو ان کیمپوں میں پہنچایا جاتا تھا۔ اور وہاں پر ان کو کھانے پینے کی اشیاء اور رہن سہن کی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ اسی طرح سمندری راستہ سے کراچی کی بندرگاہ پر پہنچنے والے مہاجرین کو اوکھائی میمن اسکول، مدرسہ اسلامیہ اسکول نمبر ۱ اور اسکول نمبر ۲، آغا خان اسکول کھارادر (جو اُس وقت الیگزنڈریا اسکول کے نام سے مشہور تھا۔) عیدگاہ کے علاقہ میں واقع سیتارام بلڈنگ، نانک واڑہ کی کچھ عمارتوں میں ریلیف کیمپ قائم کیئے تھے۔ ان تمام کیمپوں میں بیک وقت (۲۰) بیس سے (۲۵) پچیس ہزار مہاجرین کو سہولیات فراہم کی جاتی تھیں۔ ان تمام کیمپوں کا انتظام سنبھالنے کے لیئے ایک والنٹیر کور پس تشکیل دی گئی تھی۔ جس کے کپتان گجراتی کے معروف شاعر جناب رفیق حمیدانی تھے۔ میمن ریلیف کمیٹی کی کارکردگی کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے پہلے سال تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کیئے گئے تھے۔ جس میں مہاجرین کی تعداد میں

اضافہ کے ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا، اور آخری سالوں میں یہ خرچ سالانہ (۴) چار سے (۶) چھے لاکھ تک پہنچ گیا، اور یہ تمام تر اخراجات کمیٹی کے ارکان اور میمن برادری کے مخیر حضرات کے تعاون سے پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کمیٹی کو کبھی بھی دیگر افراد سے امداد مانگنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

سرکاری سطح پر میمن ریلیف کمیٹی کی خدمات کا اعتراف۔

سرکاری سطح پر میمن ریلیف کمیٹی کو بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جس کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ کمیٹی کے عہدیداران ایک وفد کی صورت میں امدادی کام کا جائزہ لینے کے لیئے کھوکھراپار تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حکومت کی طرف سے میرپورخاص کی دو بوگی پر مشتمل ایک اسپیشل ٹرین کمیٹی کے ممبران کو فراہم کی گئی تھی۔

کھوکھراپار کے راستہ آنے والے مہاجرین کے لیئے تمام تر امدادی سامان کراچی سے بذریعہ ٹرین کھوکھراپار پہنچایا جاتا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں کراچی سے ٹرینوں کی آمدورفت میں بدنظمی پیدا ہوگئی، جس کی وجہ کھوکھراپار میں امدادی سامان کی بروقت ترسیل میں رکاوٹوں کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیش آنے لگی۔ اس بدنظمی کے خاتمہ کے لیئے ریلیف کمیٹی کی طرف سے حکومت کو کئی بار گزارشات بھیجی گئیں، جس پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے کمیٹی نے کھوکھراپار میں اپنا ریلیف کیمپ بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کی خبر اخبارات میں شائع ہوتے ہی اُس وقت کے مہاجرین کی وزارت کے کمشنر جناب عزیز اللہ، میمن ریلیف کمیٹی کے سیکریٹری جناب عبدالعزیز دانہ والا کی رہائش گاہ زینب منزل واقع گاڑی احاطہ (موجودہ لائٹ ہاوس سائیکل مارکیٹ) پر رات گیارہ بجے پہنچے، اورانہوں نے اُس وقت کے پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد کا پیغام پہنچایا کہ کھوکھراپار کا ریلیف کیمپ بند نہ کیا جائے، اور اس کے ساتھ ہی ایک ٹیلیگرام کے ذریعے تمام متعلقہ اداروں کو میمن ریلیف کمیٹی سے ہر ممکن تعاون کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ اس کے ساتھ ہی اگلے روز سے کھوکھراپار کے لیئے وقت کی پابندی کے ساتھ باقاعدہ ریلوے سروس بحال ہوگئی۔ جس کے بعد وہاں پر امدادی سامان اور پانی کی رسد باقاعدہ طور پر شروع کردی گئی۔ اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے ریلیف کمیٹی کو خوراک کی سہولیات فراہم کرنے کے لیئے (۵۰) پچاس ہزار من گندم بھی فراہم کی گئی۔ [۴]

میمن ریلیف کمیٹی کا سلسلہ کراچی اور کھوکھراپار میں مہاجرین کی امدادی خدمات کا سلسلہ ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ اس دوران کمیٹی کی خدمات سے (۲۵) پچیس سے (۳۰) تیس لاکھ مہاجرین فیضیاب ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے میمن ریلیف کمیٹی کو ایک تعریفی خط ارسال کیا تھا۔ جبکہ وہ لاکھوں مہاجرین جو بھارت سے بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آئے تھے، آج تک ''میمن ریلیف کمیٹی'' کو تشکر کے ساتھ یاد کرتے ہیں جس نے انہیں پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حسن سلوک اور ضروری امداد کی فراہمی کے ساتھ اس نئے وطن میں خوش آمدید کہا تھا۔

مہاجرین کی آبادکاری میں جناب احمد ای ایچ جعفر کی خدمات۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آمد اور اُن کی آبادکاری میں سرکاری سطح پر جناب احمد ابراہیم ہارون جعفر کی وسیع خدمات رہی

ہیں۔ تقسیم ہند کی وجہ سے پاکستان میں بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد اور اُس کی آبادکاری کے لیئے سرکاری طور پر ایک بورڈ تشکیل دیا گیا تھا۔آپ کو اُس بورڈ کا چیرمین منتخب کیا گیا۔ کیونکہ مہاجرین کی آبادکاری اُس وقت سب سے بڑا مسئلہ تھا۔اس سلسلے میں ستمبر ۱۹۴۸ء میں مہاجرین کی آبادکاری کے لیئے ایک باقاعدہ وزارت قائم کی گئی۔ جناب احمد ای جعفر نے اس سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں میں کئی مہاجرین بستیاں قائم کیں۔اور وہاں پر ان مہاجرین کو رہائشی سہولیات فراہم کی گیں۔

جناب احمد ای ایچ جعفر ۱۹۰۹ء پونا میں پیدا ہوئے۔آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسپورٹس کی سرگرمیوں میں ہمیشہ نمایاں رہا کرتے تھے۔آپ کے بزرگوں کے قائم کردہ مختلف فلاحی اور تعلیمی ادارے جس میں اسلامیہ ٹرسٹ کے زیر انتظام اسلامیہ ہائی اسکول، ہسپتال اور جعفر ہال جس کے تحت وقتاً فوقتاً کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا تھا، اور جس میں آپ بھرپور کردار ادا کرتے تھے۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا ہے کہ ۱۹۳۴ء میں آپ بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے سب سے کم عمر ممبر منتخب ہوئے۔اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال سے بھی کم تھی۔قائداعظم نے آپ کو بمبئی اسمبلی میں مسلم لیگ کے ڈپٹی وہیپ کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعہ پر استقبالیہ کمیٹی کا چیرمین مقرر کیا گیا تھا۔اُس کانفرنس کی صدارت اُس وقت بنگال کے وزیر اعلیٰ جناب مولوی فضل الحق نے کی تھی۔

تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے پورے خاندان کے ساتھ کراچی میں تشریف لے آئے۔اور قیام پاکستان کے بعد یہاں کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔اس کے علاوہ پاکستان میں کھیلوں کے فروغ اور اُس کی ترقی کے لیئے بھی آپ نے کئی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کا خاندان تجارتی میدان میں بھی پاکستان کے ممتاز تجارتی اور کاروباری گروپس میں شمار ہوتا ہے۔قیام پاکستان کے ساتھ ہی آپ پونا میں قائم اپنے خاندان کی تجارتی سلطنت کو سمیٹ کر کراچی تشریف لے آئے، اور اسی شان وشوکت سے یہاں پر اپنی تجارتی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جو پورے پاکستان میں "جعفر برادرز" کے نام سے ملک کی معاشی ترقی میں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔سیاسی اور سفارتی میدان میں آپ کو بین الاقوامی پذیرائی حاصل ہوئی۔آپ کو کئی ممالک نے پاکستان میں اپنے ملک کا کمیشنر مقرر کیا۔آپ کی ان خدمات کے صلے میں کئی ممالک نے آپ کو کئی اعزازات سے نوازا جن میں برطانیہ، اسپین، برازیل اور اوردن شامل ہیں۔آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو حکومت پاکستان نے "ستارہ پاکستان" کے اعزاز سے نوازا۔پاکستان کی گولڈن جوبلی کی تقریبات کے اہتمام کے سلسلے میں آپ کو حکومت کی طرف سے کچھ ذمیداریاں سونپی گئی تھیں۔آپ اُس کی انجام دہی کے دوران حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اُس وقت آپ کی عمر (۸۱) اکیاسی سال تھی۔ [۵]

پاکستان کی چھ ماہ میں معاشی طور پر ختم ہو جانے کی پیشن گوئی۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد دو کتابیں تصنیف کی گئیں جن میں سے ایک کتاب کے مصنف بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد تھے جبکہ دوسری کتاب ڈاکٹر امبیڈکر نے لکھی تھی۔ ''ڈاکٹر بیڈکر نے' بھارت کا آئین بھی تحریر کیا ہے دونوں مصنف نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ پاکستان زیادہ عرصے قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس کے علاوہ مسٹر جواہر لال نہرو (بھارت کے پہلے وزیراعظم) نے بھی اس بات کی پیشنگوئی کی کہ پاکستان کبھی بھی معاشی اور اقتصادی طور پر مستحکم نہیں ہو سکے گا، اور بالآخر اسے بھارت کے ساتھ الحاق پر مجبور ہونا پڑے گا۔ شاید اسی خواب وخیال کے تحت بھارت نے قیام پاکستان کے وقت پاکستان کے حصے کے (۵۵) پچپن کروڑ روپے روک لئے تھے۔ یہ حصہ برطانوی ہندوستان میں پاکستان کے اثاثوں کا تھا جو پاکستان کو ملنا چاہیے تھے۔ [٦]

اسٹیفنس آر لوئس اپنی کتاب ''پاکستان کی صنعتی اور تجارتی پالیسیاں'' میں لکھتا ہے:۔

''یہ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ ابتدائی برسوں میں پاکستان کی معیشت مکمل طور پر برقرار رہی۔ یہ کیوں اور کس طرح ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور و معروف ماہر مسلم تجارتی برادریاں اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر پاکستان آ گئی تھی، ان میں تجربہ کار اور اقتصادی طور پر ماہر میمن برادری بھی شامل تھی۔ جس کی وجہ سے پاکستان اس بحران کے وقت اپنے آپ کو معاشی واقتصادی طور پر مستحکم رکھا۔ اس کا سارا کریڈٹ میمنوں کو جاتا ہے یہ وہ چیز تھی جس کی کسی نے بھی پیش گوئی نہیں کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں پاکستان میں ایک بات بہت عام ہو گئی کہ ہر شخص اس پر شاکی نظر آتا ہے کہ، پاکستان کی تجارتی حلقوں پر میمنوں کی اجارہ داری قائم ہو گئی ہے یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ اگر اس طرح کی اجارہ داری اور غلبہ میمن برادری ملکی اقتصادیات پر حاصل نہ کرتی تو پاکستان کی معیشت کو نہ ترقی ملتی اور نہ استحکام نصیب ہوتا۔'' [٧]

قیام پاکستان کے بعد ملک کے انتظامی امور کی انجام دہی مختلف مسائل۔

آزادی کے وقت ہندوستان کا کل سرمایہ (۴) چار ارب روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اور جس میں پاکستان کو ایک چوتھائی حصے ایک ارب روپے ملنا تھا۔ پاکستان نے جب پنے حصے کی رقم کا ہندوستان سے مطالبہ کیا تو اُس نے (۲۰) بیس کروڑ سے زیادہ دینے سے انکار کر دیا۔

کافی کوششوں کے بعد پاکستان کا حصہ (۷۵) پچھتر کروڑ مختص کیے گئے۔جس میں (۲۰) بیس کروڑ روپے کی ادائیگی کے بعد ہندوستان نے مزید (۵۵) پچپن کروڑ روپے کی اقساط روک لیں۔

قیام پاکستان کے بعد حکومت کو مالی پریشانی کے ساتھ اُس وقت سب سے بڑا مسئلہ (۷۰) لاکھ مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔جو انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے حکومت کو ان کی خوراک، رہائش اور آبادکاری پر کروڑوں روپے خرچ کرنے پڑے۔جبکہ مسلمان مہاجرین کی اکثریت زراعت پیشہ یا کم رتبے والے پیشوں سے منسلک تھی۔اس کے مقابلے میں ہندوؤں اور سکھوں کے حالات کاروبار، تجارت اور مختلف پیشوں سے وابستہ ہونے کی وجہ سے وہ اقتصادی طور پر مسلمانوں سے بہتر حالت میں تھے۔اس صورت حال کی وجہ سے پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اقتصادی اور معاشی حالات بے حد خراب تھے، اور ملک معاشی بدحالی کا شکار نظر آرہا تھا۔اس موضوع پر پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کے پرائیویٹ سیکریٹری اور مدبر سیاستدان نواب صدیق علی خان نے اپنی مشہور کتاب ”بے تیغ سپاہی“ میں لکھتے ہیں۔

”اقتصادیات کے ہندو ماہرین نے مجوزہ ملک پاکستان کے قیام کے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ ہندو جاتی کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ نیا ملک ایک دن سے زیادہ قائم نہیں رہ سکے گا، اور یہ ثابت کرنے کے لیئے اعداد و شمار پیش کیے۔تحقیقاتی رپورٹیں پیش کی گئیں۔الحاصل ہر وہ چیز پیش کی گئی جس سے اس امر کو تقویت پہنچے کہ پاکستان ایک مٹی کا گھروندہ ہے جو خودبخود ٹوٹ جائے گا۔یا جس وقت چاہیں گے اس کو پیروں تلے رگڑ دیں گے۔دوسرا یہ بھی گھمنڈ تھا کہ تجارت کی منڈیوں پر مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کا ابھی بہت کچھ قبضہ ہے اور بعد میں تو پورا پورا قبضہ ہوجائے گا۔پھر مسلمان کیسے پنپ سکیں گے۔تیسرے وہ اس غرور میں سڑرہے تھے کہ مسلم علاقوں سے ہندوؤں تاجروں کا فوراً انخلا کر کے پاکستان کو مفلوج کر دیں گے، وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ کچھی اور میمن بھائی جنہوں نے ہندوستان میں کروڑہا روپیہ کا سرمایہ تجارت اور املاک میں لگادیا ہے۔وہ ہندوستان کو کبھی چھوڑ کر پاکستان نہیں جائیں گے۔میں سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ قیاس بالکل درست تھا، کیونکہ ہمارے تاجر بھائی اپنا کاروبار اور مال ومتاع ہندوستان میں چھوڑ کر نہ آتے۔لیکن اللہ بھلا کرے سردار ولبھ بھائی پٹیل کا جنہوں نے دھوراجی میں مسلم تاجروں کو دھمکی دی اوران سے توہین آمیز سلوک کیا۔ہم اس موقعہ پر سابق صدر کانگریس اچاریہ کرپلانی کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔انہوں نے بلاوجہ ہمارے صوفی ملفش سندھی ہندؤ بھائیوں پر اپنا ذاتی اثر ڈال کر اور ڈراؤنے خواب دکھلا کر راجہ داہر کے ملک کو چھوڑنے پر مجبور کردیا۔اللہ کا احسان ہے کہ اس خلا کو جنوبی وسط ہند اور راجستھان سے آنے والے مسلمانوں نے پر کیا۔ہمارے ہندو بھائی بغیر کسی روک ٹوک کے پاکستان سے دھن دولت یہاں تک کہ طوطے کا پنجرا اور سل بٹہ تک لے کر بھارت ماتا کے چرنوں میں بیٹھنے کے لیئے چلے گئے، وہ تو بغیر کسی روک ٹوک کے اس طرح گئے جیسے کوئی ایک ہی شہر میں ایک محلے سے دوسرے محلے میں منتقل ہوتا ہو۔قائداعظم کی سخت تاکید تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی چھیڑ خانی نہ ہو اور انہیں آنے جانے اور اثاثوں کو لے جانے کی مکمل آزادی ہو، اور اس لیئے ہی روزانہ گدھے اور اونٹ گاڑیوں کا بندرگاہ تک ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ جانے والے جو ورغلائے اور گمراہ کیے گئے تھے۔حسرت ویاس سے اپنے وطن عزیز کو آخری بار دیکھتے ہوئے ہمیشہ کے لیئے رضاکارانہ طور پر چھوڑ رہے تھے۔ان کے جانے سے ہمارے ملک میں ایک عرصہ تک بے رونقی رہی اور اقتصادی زندگی بھی چند دنوں کے لیئے متاثر ہوگئی۔جس کے بعد میمن بھائیوں، دہلی کے سوداگروں اور دیگر مسلم تاجروں نے بجلی کی سرعت سے کام کر کے ملک کے اقتصادی نظام کو ایسا سنبھالا کہ عقل حیران رہ گئی۔ [۸]

میمن قوم کے تاجروں کی طرف سے اسی (۸۰) کروڑ روپے کی پاکستان منتقلی۔

جیسا پچھلے باب میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ جناب وی۔ایچ۔اے غنی جوڑھا کہ اسٹاک ایکسچینج کے صدر رہے ہیں۔انہوں نے ۱۹۵۰ء میں کلکتہ میں سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ایک ملاقات میں اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ کتیانہ اور بانٹوا میں لوٹ مار کے ایک ماہ کے دوران کاٹھیاواڑ اور متحدہ ہندوستان کے علاوہ افریقہ، برما اور دنیا کے مختلف ممالک سے مسلمان تاجروں نے حبیب بنک کی معرفت اسی (۸۰) کروڑ روپے کی رقومات پاکستان منتقل کی تھیں۔جس نے پاکستان کے ابتدائی معاشی مسائل کے حل میں انتہائی کلیدی کردار ادا کیا۔ [ب۔۸]

پاکستان کے ساتھ الحاق جونا گڑھ کے بعد وہاں پر ہندوؤں بلوائیوں کی طرف سے ہونے والی لوٹ مار کی وجہ سے کاٹھیاواڑ سے میمن قوم کی ہجرت کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، اور اس تجارتی قوم کی پاکستان میں آمد کے بعد تعمیر پاکستان میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔تقسیم ہند کے وقت ہندوستان کا کل سرمایہ کا تخمینہ (۴) چار ارب روپے لگایا گیا تھا۔پاکستان نے جب اپنے ایک چوتھائی حصے (ایک ارب) روپے کا مطالبہ کیا تو ہندوستان نے (۲۰) بیس کروڑ سے زیادہ دینے سے انکار کردیا۔ایسی صورت حال میں ایک نوزائیدہ ملک کو چلانے کے لیئے کس قدر مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ایسے نامساعد حالات میں کاٹھیاواڑ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والی ان تجارتی برادریوں کی طرف سے (۸۰) اسی کروڑ روپے کی پاکستان میں منتقلی ملک کے قیام کے وقت ابتدائی مسائل کے حل میں انتہائی کلیدی اہمیت کے حامل رہے تھیں۔جس کا زندہ ثبوت حبیب بینک پلازہ کی وہ عالیشان عمارت ہے جو تقسیم ہندوستان کے وقت حبیب بینک کے ذریعے پاکستان میں بھیجی جانے والی رقوم جن کا بعد میں کوئی دعویدار نہ ہونے کے بعد اس فنڈ سے اس عالیشان عمارت کو تعمیر کیا گیا۔ [۹] یہاں پر اس بات کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا ہوگا کہ اُن (۸۰) کروڑ روپے میں وہ تمام رقوم شامل ہیں جو اُن دنوں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اور پوری دنیا میں آباد مسلم تاجر برادریوں نے پاکستان میں بھیجی تھی۔جس میں خصوصاً افریقہ، سیلون (موجودہ سری لنکا) برما اور دیگر ممالک بھی شامل تھے۔جس نے بعد میں تعمیر پاکستان میں کلیدی کردار ادا کیا۔

یہ تجارتی برادریاں ماہر تاجر، صنعت کار، بزنس مین، سوداگر اپنے ساتھ انڈیا سے اپنا سرمایہ تو لائے ہی تھے، اس کے ساتھ ہی وہ تاجرانہ سوجھ بوجھ اور کاروباری لیاقت وتجربہ بھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، اور ان سب کو یکجا کر کے انہوں نے پاکستان کی اقتصادی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لئے شب وروز مصروف عمل ہوگئے۔ابتداء میں اُن تجارتی شخصیات نے بے شمار کاروباری اداروں کا قیام عمل میں لایا۔اس طرح مختلف شعبوں میں صنعتیں قائم کرنے کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔

سر آدمجی حاجی داود کا قائداعظم کو انتظامی امور کی انجام دہی کے لیئے ''بلینک چیک'' دینا۔

سر آدمجی حاجی داود کی تحریک پاکستان میں خدمات اور اُن پر قائداعظم کا بھرپور اعتماد کا ذکر پچھلے باب میں کیا جاچکا ہے۔آپ مسلم لیگ اور قائد کے ہمیشہ دست راست رہے۔درحقیقت انہوں نے مسلم لیگ کے لیئے ہر مشکل گھڑی میں کافی مالی اعانت فرماتے تھے۔جناب حاتم علی علوی جو قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔اور آپ پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے ڈائریکٹر

بھی رہ چکے تھے۔ اُن کے بقول۔

قیامِ پاکستان کے بعد ملک مالی مشکلات سے دوچار تھا۔ ایسے نازک حالات میں قائدِاعظم نے وزیرِ خزانہ غلام محمد کے ذریعے سر آدمجی حاجی داؤد کو کلکتہ سے کراچی میں پہنچنے کا پیغام بھیجا۔ جس پر وہ کراچی میں تشریف لے آئے۔ جس کے بعد قائد، وزیرِ خزانہ غلام محمد اور سر آدمجی کی ایک میٹنگ ہوئی، جس میں خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد قائد نے سر آدمجی کو بلانے کا مقصد بتایا، کہ ملک کو چلانے کے لیئے شدید مالی مسائل کا سامنا ہے۔ جس پر سر آدمجی نے خوش گوار لہجے میں پوچھا کہ اس وقت کتنی رقم کی ضرورت ہے۔ جس پر قائد نے فرمایا کہ غلام محمد کہتے ہیں کہ ملک کے لیئے اس وقت کروڑوں بھی ناکافی ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری جگہ سے بھی رقم کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ حکومت پاکستان کو آپ زیادہ سے زیادہ کتنی رقم ''لون'' دے سکتے ہیں۔ جس پر سر آدمجی نے کہا کہ۔

''میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب پاکستان کا ہے۔''

آدمجی کے اس جواب سے قائدِاعظم پاکستان کے بارے میں ان کی اس غیر معمولی محبت کو محسوس کر کے بے حد متاثر ہوئے۔ آدمجی قائدِاعظم کے بلاوے کا مقصد سمجھ کر تیار ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت قائدِاعظم محمد علی جناح کو ایک کورا چیک پیش کیا کہ آپ اس میں جتنی رقم چاہے بھر لیں۔'' [۱۰]

اس بات کی حقیقت کا اندازہ ہم پاکستان کے قیام کے وقت کے وفاقی وزیر جناب غلام محمد کی اُس تقریر کے اقتباس سے کر سکتے ہیں۔ جو انہوں نے ۱۷ فروری ۱۹۶۷ء میں میمن انٹرنیشنل کلب کی جانب سے بیچ لگژری ہوٹل میں کی تھی۔ آپ نے کہا کہ

''میں اور مرزا احمد اصفہانی کلکتہ میں کئی بار آدمجی کے ساتھ مسلم کمرشیل بینک، اورینٹ ایئرویز اور مسلم لیگ وغیرہ سے متعلق گفتگو کرتے تھے۔ قائدِاعظم کو مکمل یقین اور اعتماد تھا کہ آدمجی کی شخصیت پاکستان کے لیئے جب بھی ضرورت پڑے گی، اُسی لمحہ کورا چیک پیش کر دیں گے، اور قائدِاعظم آدمجی سے جتنی رقم حاصل کرنا چاہئیں اتنی رقم حاصل کر لیں گے۔ حقیقت میں آدمجی نے کئی بار کورے چیک دیئے تھے۔''

جناب غلام محمد نے اسی تقریر میں مزید کہا کہ۔

''جب کسی بھی قسم کے پریشان کن حالات پیش آتے اس وقت آدمجی مدد اور رحمت کے ساتھ ہمیشہ صفِ اول میں نظر آتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ زیادہ عرصے زندہ رہتے تو پاکستان کی قسمت کچھ اور ہی ہوتی اور اقتصادی ترقی مزید تیز رفتاری سے ہوتی۔'' [۱۱]

قیامِ پاکستان کے وقت سر آدمجی حاجی داؤد کا قائدِاعظم کو ملک کے انتظامی امور کو چلانے کے لیئے ''کورا چیک'' پیش کرنے کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ میمن قوم کے آکابرین قیامِ پاکستان اور تعمیرِ پاکستان کے لیئے کس قدر قربانیاں دیں ہیں، اور آج بھی اُن کی اولاد ملک کی بقاء اور سالمیت کے لیئے ہر وقت اسی جذبہ سے سرشار ہیں۔ جس کا عملی مظاہرہ گذشتہ (۶۳) تریسٹھ سالوں میں ملک کو درپیش ہر قسم کے چیلنجوں اور مشکل حالات میں بے مثال قربانیوں سے ثابت ہوتا ہے۔

سر آدمجی حاجی داؤد کی تحریک و تعمیرِ پاکستان میں بے لوث خدمات۔

سر آدمجی حاجی داؤد میمن قوم کی ایک عظیم شخصیت جو نا صرف تعمیرِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا، بلکہ اُن کی کاوشوں سے میمن قوم میں

انقلابی تبدیلیاں بھی رونماں ہوئیں۔ اور آج اس قوم کو جدید ترقی یافتہ شکل دینے میں اُن کا کلیدی کردار رہا ہے۔ آپ عوام الناس کے دلوں میں بالعموم اور میمنوں کے دلوں میں بالخصوص اپنی بے لوث اور بے غرض خدمات کی وجہ سے باوقار مقام رکھتے ہیں۔ آدمجی حاجی داود، ۱۸۸۰ء جیت پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام ''آدم'' تھا، مگر ان کو والدین پیار سے ''آدمجی'' کہہ کر پکارتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو مستقل طور پر اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ تعلیم کے معاملے میں آپ بھی برادری کی اسی روایت کا شکار ہوئے جو صدیوں سے رائج تھی یعنی ''تعلیم سے عدم توجہی''۔ آپ نے ورنا کلر کی بہ مشکل دو کلاسیں پڑھیں اور ابتدائی انگلش کے تقریباً ۱۵ سبق پڑھنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ اُس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی معمولی تعلیم حاصل کرنے والا بچہ تعلیم کے میدان میں، ایک انتہائی معتبر ترین مقام حاصل کرلے گا کہ میمن قوم انہیں ''بابائے تعلیم'' کے نام سے یاد کرے گی۔

آدمجی کے والد محترم جناب داود بیگ محمد اپنے کام کاج کے سلسلے میں برما گئے۔ جس کے بعد ۱۸۹۵ء میں انہوں نے اپنے بیٹے آدمجی کو بھی برما میں بلا لیا اور صالح محمد غازیانی کی فرم میں =/25 روپے ماہانہ پر نوکری پر آپ کو کام پر لگا دیا۔ آپ نہایت دیانت داری اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے اور اپنی مدد آپ کے تحت اپنا کام خود کرتے، یہاں تک کے اپنے کپڑے تک خود دھوتے۔ تین سال وہاں پر کام کرنے کے بعد آپ شادی کے سلسلے میں جیت پور تشریف لائے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد دوبارہ برما تشریف لے گئے۔ اور یہاں پر والد صاحب کے بروکری کے کام کاج سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہاں پر گجراتی ٹیلی گراموں کا انگلش میں ترجمہ بھی کرنے لگے۔ اس معمولی کام کا ان کو ایک آنہ معاوضہ ملتا تھا۔ اور یہ ہی وہ وقت تھا جب آدمجی کو اپنی کم علمی اور تعلیم کی اہمیت کا احساس ہوا۔ جس کے بعد آپ کو ایک خوجہ فرم کے منیجر وشرام ابراہیم نے جوٹ کی بوریوں کی تجارت کا مشورہ دیا اس طرح ''جوٹ کے بادشاہ'' کے جوٹ کی بوریوں کی صرف ایک گانٹھ سے اپنا ذاتی کاروبار کا آغاز کیا۔ ۱۸۹۹ء میں انھوں نے کلکتہ سے جوٹ کی بوریوں کی 25 گانٹھیں درآمد کیں اس طرح عملی تجارت میں داخل ہوئے۔

۱۹۰۱ء میں سر آدمجی نے کلکتہ میں ''حاجی داود بیگ محمد'' نامی فرم قائم کی۔ کاروبار میں ترقی اور کامیابی کی وجہ سے وہ وہاں کی بڑی کاروباری کمپنیوں میں شمار ہونے لگی۔ جنگ عظیم اول سے چند سال قبل آپ نے رنگون میں ایک فرم ''اے۔ ایس آدمجی اینڈ کمپنی'' کے نام سے اپنے بھائی عبدالستار حاجی داود کی پارٹنر شپ میں شروع کی۔ جس کے بعد ۱۹۱۴ء میں کلکتہ میں ''میسرز آدمجی حاجی داود اینڈ کمپنی'' نامی ذاتی فرم کا قیام عمل میں لایا۔ جس نے بین الاقوامی تجارت میں بڑا نام کمایا اور بڑی برآمد کنندہ Exporter کمپنی کے طور پر پہچانی جانے لگی۔ ۱۹۱۸ء میں آپ واپس جیت پور تشریف لائے۔ جہاں پر دو بیٹیوں کی شادی کا فریضہ سرانجام دیا۔ اُن دنوں آپ اپنے کاروبار کو ترقی دینے کے ساتھ تعلیم کے شعبہ میں بھی خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ اس سلسلے میں مسلم طلبہ کو اسکالرشپ کی فراہمی میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ طبیہ کالج کے لیئے چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں حکیم اجمل خان نے رنگون کا دورہ کیا۔ سر آدمجی نے اُن کو کالج کے لیئے بڑی رقم کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے یونیورسٹی آف برما کو بھی بڑی رقوم عطیہ کے طور پر فراہم کیں۔ آپ کی تعلیمی شعبہ میں دلچسپی کی بنیادی وجہ آپ کے چچا جناب عبدالغنی بیگ محمد کی شخصیت تھی، جس سے آپ بہت زیادہ متاثر تھے۔ جنہوں نے کاٹھیاواڑ میں مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا جس کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں۔

۱۹۲۰ء میں آدمجی سیٹھ نے (۵۰) لاکھ روپے کے سرمائے سے اپنی قائم کردہ کمپنی کو ایک لمیٹڈ کمپنی میں بدل دیا آپ رنگون الیکٹرک ٹرام

وے کمپنی، سندیا اسٹیم نیوی گیشن کمپنی اور برما فائر اینڈ انشورنس کمپنی کے ڈائریکٹر بنے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے ایشیا کی سب سے بڑی ماچس فیکٹری قائم کی جو برما کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کے والد حاجی داود رحلت فرما گئے۔ جیت پور میں آپ کے والد محترم کے نام پر ایک ڈسپنسری قائم کی تھی۔ جو وہاں کے لوگوں کی پہلے سے خدمت کر رہی تھی۔ آپ نے والد کے انتقال کے بعد اُس کو ایک جدید ہسپتال میں تبدیل کر دیا۔ ۴، دسمبر ۱۹۲۷ء کو انھوں نے کلکتہ میں عالمی شہرت یافتہ مل ''آدمجی جوٹ ملز لمیٹڈ'' جو (۸۰) لاکھ روپے کی خطیر سرمائے سے قائم کی جہاں پر ہزاروں افراد کام کرتے تھے۔ آپ کو لوگوں سے کام لینا آتا تھا، اور زندگی کے ابتدائی حصے میں ہی وہ ''تنظیم'' سے واقف ہو چکے تھے۔ انھیں قیادت اور رہنمائی کا فن آتا تھا۔ اور آپ اس ہنر سے بخوبی واقف تھے کہ لوگوں سے کس طرح کام لیا جاتا ہے۔

سر آدمجی حاجی داود نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کو سماجی فلاح و بہبود کے شعبوں میں بھر پور انداز میں استعمال کیا، اور بہت جلد پوری میمن قوم کو متحرک اور بیدار کر دیا۔ یہ آپ کی پر جوش سرگرمیوں اور فعال کوششیں ہی تھیں کہ ۱۹۳۱ء میں راجکوٹ میں منعقدہ آل انڈیا میمن کانفرنس نے میمن قوم کو انقلابی تبدیلیاں روشناس کیں، اور ان کو اجتماعی پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ آپ قوم کے ہر بچہ کو اپنی فیملی کا ممبر سمجھتے تھے۔ آپ کی دور اندیش نظروں نے آنے والے وقتوں میں تعلیم کی اہمیت اور اس کی افادیت کو سمجھتے ہوئے اس پر زور دیا۔ اس سلسلے میں ۱۹۳۲ء کلکتہ میں ''میمن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی'' قائم کی، جو آج تک ہندوستان اور پاکستان میں لاکھوں بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر چکی ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ اس کے علاوہ، آدمجی حاجی داود کی دیگر کئی سماجی خدمات بھی رہی ہیں۔ جن میں ۱۹۳۵ء بہار میں اور کوئٹہ میں آنے والے زلزلہ میں آپ کی طرف سے قائم کردہ ریلیف کمیٹیوں کی شاندار کارکردگی اور دیگر شاندار سماجی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۳۸ء میں حکومت برطانیہ نے آپ کو ''سر'' کے خطاب سے نوازا۔

تحریک وتعمیر پاکستان میں آپ کی خدمات کا تفصیل سے ذکر پچھلے بابوں میں ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں میں درپیش مسائل کے حل کے لیئے سر آدمجی حاجی داود نے مالی ومعاشی اور تجارتی خدمات انجام دیں ہیں وہ تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کی نمایاں ترین خدمات میں سے قائد اعظم کو ملکی مالی مسائل کے حل کے لیئے ''کورا چیک'' دینا۔ ہندوستان میں بسنے والی مسلم تجارتی برادریوں کے اپنے مالی اثاثوں کا پاکستان میں منتقل کروانا، پاکستان میں معاشی سرگرمیوں کو روانی سے جاری رکھنے کے لیئے اقدامات کرنا، جس میں بنکاری کے ذریعے ملک کے لیئے مالی مسائل کے حل کے اقدامات، ملکی شپنگ، ہوائی، انشورنس، اور صنعتی ترقی کے مسائل کے حل کے اقدامات شامل تھے۔ پاکستان میں مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلے میں قائم کمیٹی کے لیئے مالی وسائل کی فراہمی، اور ہندوستان سے آئے ہوئے ان مہاجرین کی آباد کاری کے لیئے اقدامات کرنا شامل تھیں۔

۱۹۴۸ء میں حکومت پاکستان نے آدمجی کو خصوصی طور پر کراچی تشریف لانے کی دعوت دی، تا کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے قیام کے سلسلے میں ان کے مشوروں سے استفادہ حاصل کیا جائے۔ آپ ۲۵، جنوری کو کلکتہ سے کراچی پہنچے اور ۲۶، جنوری کو دوران میٹنگ ان کو دل کا دورہ پڑا جو ان کے لیئے جان لیوا ثابت ہوا، اور اگلے دن ۲۷، جنوری ۱۹۴۸ء کو اس عظیم اور خدا ترس انسان نے ہمیشہ کے لیئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ آج بھی سر آدمجی حاجی داود کی فیملی پاکستان کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہے۔ جبکہ آپ کی فیملی کے پاکستان کی معیشت وتجارت

میں اس وقت بھی (16) پروجیکٹ نمایاں طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی خدمات اور میمن قوم میں انقلابی لیڈر شپ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ ایک الگ باب ہے۔ آپ کی شخصیت ناصرف میمن قوم کے لیئے بلکہ ان کو پاکستان کے محسن قوم کی حیثیت سے پہچانے جانے والی شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس پر بلا شبہ میمن قوم فخر کرسکتی ہے۔ [۱۲]

پاکستان میں میمن قوم کی طرف سے مختلف انڈسٹریز کا قیام۔

میمن قوم کو پورے پاکستان میں یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ اُس کے فرزند جناب حاجی ہاشم بنگالی اور محمد علی رنگون والا فیملی مشترکہ طور پر ''بنگال آئل مل'' کے نام سے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سب سے پہلی انڈسٹری قائم کی تھی جس کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں ۱۹۴۸ء میں انجام پایا۔ اس مل میں کھانے کے تیل کی تیاری کے ساتھ وہاں پر صابن بنانے کا پلانٹ بھی نصب کیا گیا تھا۔[۹] اس کے بعد ۳، مارچ ۱۹۵۰ء کو مدن گنج، مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں باوانی فیملی کی طرف سے ''باوا جوٹ ملز'' کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور ۱۵، مارچ ۱۹۵۰ء کو سر آدمجی فیملی کی جانب سے دنیا کی سب سے بڑی جوٹ مل ''آدمجی جوٹ ملز'' کا سنگ بنیاد جناب عبدالواحد آدمجی کے ہاتھوں رکھا گیا۔

جنوبی مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی پیپر مل ''داؤد'' گروپ نے قائم کی تھی۔ اسی گروپ نے دنیا میں ریشم کے دھاگے کا پہلا پلانٹ لگایا تھا اس میں بانس سے ریشم نکالا جاتا تھا۔ داؤد نے ہی پہلی یوریا فرٹیلائز ر فیکٹری قائم کی تھی۔ داؤد گروپ آف انڈسٹریز نے پاکستان سے سب سے زیادہ برآمدات کر کے نہ صرف دنیا بھر میں نام کمایا بلکہ پہلی صدارتی ٹرافی برائے برآمدات بھی حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے میمن قوم کی تجارتی گروپس اور کمپنیز نے اپنے اپنے شعبوں میں مختلف اشیاء برآمد کر کے سب سے زیادہ برآمدات کرنے پر ایکسپورٹ ٹرافیاں حاصل کیں۔ بعد کے عشرے میں یونس برادرز نامی گروپس (ٹبا فیملی گروپ) ابھر کر سامنے آیا۔ یہ زیادہ معروف نام نہ تھا اس نے ٹیکسٹائل برآمدات کے شعبے میں مسلسل سات سال تک فیڈریشن کی ایکسپورٹ ٹرافیاں حاصل کیں اور سب سے زیادہ برآمدات کا ریکارڈ قائم کیا۔ اور اس وقت سیمنٹ کے شعبے میں (لکی سیمنٹ) اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ [۱۳]

موجودہ دور میں پاکستان کی معاشی ترقی میں سرگرم کاروباری گروپس۔

آدمجی گروپ آف کمپنیز۔

۱۔ آدمجی سیرینا ٹیکسٹائل لمیٹیڈ۔
۲۔ آیڈن کون انجینیرنگ لمیٹڈ۔
۳۔ انڈس ماس ٹرانسٹ لمیٹڈ۔
۴۔ آدمجی انشورنس کمپنی لمیٹڈ۔
۵۔ آدمجی فارماسیوٹیکل لمیٹڈ۔
۶۔ آدمجی انجینیرنگ لمیٹڈ۔
۷۔ شالامار کارپٹ لمیٹڈ۔
۸۔ آدمجی ڈیزل انجینیرنگ پاکستان لمیٹڈ۔
۹۔ آدمجی ڈیورابلٹ لمیٹڈ۔
۱۰۔ آدمجی پولی کرافٹ لمیٹڈ۔

۱۱۔ آدمجی انٹرنیشنل لمیٹڈ۔

۱۲۔ انیمیسل انڈسٹریز لمیٹڈ۔

۱۳۔ پیسفک ٹریڈنگ لمیٹڈ۔

۱۴۔ ملٹی لینک لمیٹڈ۔

۱۵۔ بادلی ٹریڈنگ کمپنی۔

۱۶۔ آدمجی فاونڈیشن۔

memon Books

تیلی گروپ ۔ پاکولا والا گروپ آف کمپنیز۔

۱۔ گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۲۔ گلوب مینجمنٹ (گارمنٹ)

۳۔ اقبال ابراہیم کمپنی۔

۴۔ ایکسل اوپن اینڈ پلانٹ۔

۵۔ ڈیلیل پلانٹ۔

۶۔ گل احمد انرجی پلانٹ۔

۷۔ گلوب ٹیکسٹال ملز لمیٹڈ۔

۸۔ گلوب اوپن اینڈ انڈسٹریز۔

۹۔ مہران بوٹلرز (پاکولا ۔ ببل اپ)

۱۰۔ موڈی فیلڈ اوپن اینڈ انڈسٹریز۔

۱۱۔ نقش بندی انڈسٹریز۔

۱۲۔ ناز ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۱۳۔ پاکستان بیوریج لمیٹڈ۔

۱۴۔ چیلیا پیپر بورڈ۔

۱۵۔ اینگلو آئس کریم۔

۱۶۔ عمران کراؤن کارک۔

۱۷۔ ستار لمیٹڈ۔

۱۸۔ گل ایجنسی۔

۱۹۔ فائبر پلانٹ پریمیشن۔

۲۰۔ الکرم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۲۱۔ زمان ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۲۲۔ ڈابھے جی سالٹ ورکس۔

۲۳۔ فروٹوز فیکٹری۔

۲۴۔ فقو زملز۔

۲۵۔ حاجی تار محمد تیلی ٹرسٹ۔

باوانی گروپ آف کمپنیز۔

۱۔ فاران شوگر ملز لمیٹڈ۔

۲۔ لطیف جوٹ ملز لمیٹڈ۔

۳۔ باوانی ایئر پروڈکٹ لمیٹڈ۔

۴۔ سندھ پارٹیکل بورڈ لمیٹڈ۔

۵۔ پائیونیر کیبل لمیٹڈ۔

۶۔ باوانی فاروکا وامیٹلر لمیٹڈ۔

۷۔ پیراماونٹ انڈسٹریز لمیٹڈ۔

۸۔ آل آصف شوگر ملز لمیٹڈ۔

۹۔ ریلائنز انشورنس لمیٹڈ۔

۱۰۔ بی ایف موڈاربا کمپنی۔

۱۱۔ گلف ڈائنگ۔

۱۲۔ لطیف باوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۱۳۔ اورنگ زیب امپیکس۔

۱۴۔ واکلس گارمنٹس۔

۱۵۔ عائشہ باوانی ٹرسٹ۔

داود گروپ آف کمپنیز۔

۱۔ داود کاٹن ملز۔

۲۔ بورے والا ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۳۔ داود ہرکولیس کیمیکلز لمیٹڈ۔

۴۔ داود کارپوریشن لمیٹڈ۔

۵۔ لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۶۔ ڈائیلون لمیٹڈ۔

۷۔ سینٹرل انشورنس کمپنی لمیٹڈ۔

۸۔ سائج انٹرنیشنل لمیٹڈ۔

۹۔ ڈی جی مضاربہ مینجمنٹ لمیٹڈ۔

۱۰۔ داود ہرکولیس انجینیرنگ گروپ۔

۱۱۔ داود فاونڈیشن۔

فیکٹو گروپس آف کمپنیز۔

۱۔ بابا فرید شوگر ملز لمیٹڈ۔

۲۔ فیکٹو شوگر ملز لمیٹڈ۔

۳۔ برہان پرنٹرز اینڈ پیکیج۔

۴۔ فیکو آرینٹ پرائیویٹ لمیٹڈ۔

۵۔ سپریم انجینئرنگ ورکس پرائیویٹ لمیٹڈ۔

۶۔ لیمیفیک لمیٹڈ۔ ۷۔ فیکو سیمنٹ لمیٹڈ۔

۸۔ فیکو بالاروس ٹریکٹرز۔ ۹۔ غلام محمد فیکو فاونڈیشن۔

ٹاگروپس آف کمپنیز۔

۱۔ میسرز یونس برادرز۔ ۲۔ لکی ٹیکسٹائل لمیٹڈ۔۱

۳۔ لکی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔۲ ۴۔ فیشن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۵۔ فضل ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔ ۶۔ گدون ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ۔

۷۔ لکی سیمنٹ۔ ۸۔ حاجی عزیز فاونڈیشن۔

النور گروپس آف کمپنیز۔

۱۔ النور شوگر ملز لمیٹڈ۔

۲۔ شاہ مراد شوگر ملز لمیٹڈ۔

۳۔ نوری ٹریڈنگ کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹڈ۔

۴۔ فرسٹ النور مضاربہ۔

۵۔ النور ایم ڈی ایف جی انڈسٹریز لمیٹڈ۔ ۶۔ النور فرٹیلائزر انڈسٹریز لمیٹڈ۔ [۱۴]

حسین گروپ آف کمپنیز۔

۱۔ حسین انڈسٹری لمیٹڈ۔ ۲۔ حسین ابراہیم ایجنسی لمیٹڈ۔

۳۔ پاکستان مینجمنٹ کارپوریشن۔ ۴۔ جمال انٹرپرائزز۔

۵۔ حسین ڈویلپرز۔ ۶۔ اے۔ آر (A.R) بلڈرز۔

۷۔ ایل۔ ای۔ جے ریئل اسٹیٹ کمپنی۔ ۸۔ ایچ۔ ای۔ جے (H.E.J) فاونڈیشن۔

جعفر برادرز۔

حاجی ہاشم گروپس آف کمپنیز۔

۱۔ مہران شوگر ملز لمیٹڈ۔ ۲۔ پاکستان مولاسیس۔
۳۔ مغل ٹوبیکو۔ ۴۔ عثمان میموریل فاونڈیشن۔

ان کے علاوہ لگ بھگ ایک درجن میمن خاندان یا گروپ اور بھی ہیں جو متوسط میمن صنعت کاروں پر مشتمل ہیں جو یا تو پاکستان میں کسی کے ساتھ پارٹنر (شریک) ہیں یا پھر کسی غیر ملکی کمپنی کے ساتھ مل کر کاروبار کر رہے ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے صنعت و تجارت میں نمایاں اور مستحکم پوزیشن حاصل کر لی ہیں ان خاندانوں کے نام ہیں۔

معاشی و صنعتی اداروں میں کلیدی کردار

صنعت و تجارت کو مستحکم کرنے کے لئے میمن قوم نے ایسے ادارے بھی قائم کئے جو ترقی پذیر معیشت کے لئے ناگزیر تھے۔ کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی سربراہی ایک کے بعد دوسرے میمن کے حصے میں آتی رہی۔ جناب یوسف اے ہارون، جناب محمد علی رنگون والا جناب اے کے سومار، جناب احمد عبداللہ، جناب اے رحمٰن حاجی حبیب، جناب قاسم عثمان کانڈا والا اور جناب اے مجید باوانی یکے بعد دیگرے چیمبر کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج کی داغ بیل جناب یوسف اے ہارون نے ڈالی اور اس کے پہلے صدر ہوئے۔ ان کے بعد جناب قاسم دادا، جناب لطیف اے جمال، جناب بشیر جان محمد اور دوسرے کئی اہم شخصیات اس عہدے پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ فیڈریشن آف چیمبر آف کامرس (وفاق ہائے ایوان تجارت) کی صدارت پر بھی کئی میمن حضرات جن میں جناب محمد علی رنگون والا، جناب لطیف ابراہیم جمال رہے ہیں۔ میمن تاجروں اور صنعت کاروں نے آر۔سی۔ڈی چیمبر آف کامرس اور انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس کی تشکیل میں بھی متحرک کردار ادا کیا۔ جس میں لطیف ابراہیم جمال کو ایک کلیدی حیثیت حاصل رہی تھی۔

مالیاتی اداروں میں ان کی خدمات۔

حکومت پاکستان ابتداء ہی سے میمن تاجروں اور صنعت کاروں کی تاجرانہ سوجھ بوجھ، لیاقت اور تجربے سے بخوبی آگاہ تھی۔ ۱۹۶۰ء کے اوئل میں جو پہلا یونٹ ٹرسٹ "نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ" (یونٹ) قائم کیا گیا اس ٹرسٹ کے بانی چیئرمین کی حیثیت سے جناب احمد داؤد کو منتخب کیا گیا جو معروف و ممتاز صنعت کار تھے۔ انہوں نے کئی سال تک اس عہدے پر عمدگی سے کام کیا۔ بالکل اسی طرح جناب عبدالواحد آدم جی کو پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن کا چیئرمین مقرر کیا گیا جسے عام طور سے پبلک PICIC کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں واحد ترقیاتی بینک یا مالیاتی ادارہ تھا مذکورہ بالا دونوں اداروں نے ہی ملک کی صنعتی ترقی میں قابل ذکر اور اہم کردار ادا کیا۔ جب تک ان دونوں اداروں کی سربراہی میمن صنعت کاروں کے ہاتھوں میں رہی اس وقت تک ان اداروں کی مالی پوزیشن نہایت مضبوط اور مستحکم رہی اور ان اداروں کو ملک کے اندر بھی اور بیرون ملک بھی نہایت اہم ادارے سمجھا جاتا رہا۔ مگر جیسے ہی ان اداروں کی سربراہی بیوروکریٹس کے پاس آئی۔ ویسے ہی ان کے زوال کی علامات نظر آنا شروع ہو گئی۔

بنگلہ دیش کا قیام اور نیشنلائزیشن پالیسی

بنگلہ دیش کے قیام اور مشرقی پاکستان کے زوال نے میمن قوم کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ آدم جی ملز، کرنافلی پیپر ملز، آدم جی پارٹیکل بورڈ پلانٹ ،داؤد جوٹ ملز داؤد شپنگ کمپنی، احمد باوانی ٹیکسٹائل ملز اور دوسری بے شمار صنعتوں کو بغیر کوئی معاوضہ ادا کئے قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ دوسری جانب اپنے ہی گھروں میں یعنی مغربی پاکستان میں مسلم کمرشل بینک، آدم جی اینڈ سینٹرل لائف انشورنس کمپنیز، داؤد پیٹرولیم لمیٹڈ اور دوسرے بے شمار اداروں کو حکومت نے قومی ملکیت میں لے لیا۔

''گستار ایف پاپ نیک'' ایک امریکی محقق ہے جو پاکستان پر متعدد کتب لکھ چکا ہے۔ یہ کتب ہارورڈ یونیورسٹی شائع کر چکی ہے۔ گستار نے ۱۹۵۵ء میں ایک سروے کا اہتمام کیا تھا جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کی مسلم فرموں میں میمنوں کا حصہ 26.5 فیصد ہے جب کہ وہ پاکستان کی آبادی کا محض 0.16 فیصد ہیں۔

اپنی کتاب Enterprising Philanthropists میں جناب اے ستار پاریکھ نے لکھا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں کراچی اسٹاک ایکسچینج میں درج شدہ Listed کمپنیز میں میمن انویسٹمنٹ (سرمایہ کاری) 48.33 فیصد تھا، دوسری گجراتی برادریوں کی سرمایہ کاری کی شرح 17.7 فیصد تھی اور باقی کی شرح محض 17.7 فیصد تھی۔

''میمنوں نے بزنس، صنعت اور تجارت سے جو بھی منافع کمایا اسے ایک بار پھر پاکستان میں نئی فرمیں اور تجارتی ادارے کھولنے میں صرف کر دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء تک میمنوں کی مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری اس طرح تھی۔

☆ انشورنس 13 فیصد	☆ بینکاری 13 فیصد	☆ کاٹن ٹیکسٹائل 26 فیصد
☆ اونی ٹیکسٹائل 72 فیصد	☆ سینتھیٹک ٹیکسٹائل 50 فیصد	☆ جوٹ 33 فیصد
☆ سیمنٹ 45 فیصد	☆ کیمیکلز 45 فیصد	☆ کاغذ گتہ 29 فیصد
☆ بناسپتی تیل 18 فیصد	☆ متفرق 27 فیصد [۱۵]	

سوویت مصنف سرجی لیون نے میمنوں کے کردار اور خدمت کو اپنی کتاب ''سوویت اسکالرز ویو ساؤتھ ایشیا'' میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں پر میں پاکستان کی اقتصادی ترقی میں میمن قوم کے کردار کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے مذکورہ سوویت مصنف کی کتاب سے عبارت کا اقتباس نقل کر رہا ہوں۔

> ''۱۹۴۷ء میں پاکستان کی آزادی کے بعد لاکھوں میمنوں نے اس نومولود مملکت کی طرف ہجرت کی، ساتھ ہی یہ لوگ ہندوستان سے دوسروں ملکوں کی طرف بھی گئے اور اپنے ساتھ اپنا سرمایہ بھی لے گئے'' [۱۶]

فی الوقت پاکستان میمن قوم سے تعلق رکھنے والے ماہر تاجروں اور صنعت کاروں کی تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا ہے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں لگ بھگ 2,50,000 میمن یا یوں کہہ لیجئے کہ کم و بیش اپنی برادری کی نصف تعداد اس ملک میں آباد تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس وقت

میمن پاکستان میں کل آبادی کا 0.16 فیصد تھے مگر پاکستان کے متوسط طبقے میں بالخصوص اعلیٰ متوسط طبقے میں ان کا تناسب خاصا بلند تھا۔ پاکستان میں ہر چوتھی فیکٹری یا پلانٹ میمنوں کا ہی تھا۔[۱۷] میمن قوم کی پاکستان میں معاشی خدمات کی مکمل تفصیل جاننے کے لیئے دیکھئے مصنف کی تصنیف میمن قوم تاریخ کے آئینے میں (جلد چہارم) ''تجارت اور معیشت میں میمن قوم کا کردار''۔

کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے میمن صدور۔

۱۔	جناب محمد علی رنگون والا۔	۱۹۵۹ء
۲۔	جناب احمد عبداللہ۔	۱۹۷۰۔۷۱ء
۳۔	جناب عبدالرحمن حاجی حبیب۔	۱۹۷۱۔۷۲ء
۴۔	جناب قاسم عثمان کانڈا والا۔	۱۹۷۰۔۷۵ء
۵۔	جناب عبدالجبار خیسانی۔	۱۹۷۸۔۷۹ء
۶۔	جناب عبدالمجید سلیمان باوانی۔	۱۹۷۸۔۷۹ء
۷۔	جناب حاجی رزاق جانو۔	۱۹۸۱۔۸۳ء
۸۔	جناب عبدالکریم راجکوٹ والا۔	۱۹۸۵۔۸۶ء
۹۔	جناب محمد یونس بندوکڑا۔	۱۹۸۸۔۸۹ء
۱۰۔	جناب عبدالعزیز حاجی یعقوب۔	۱۹۹۱۔۹۲ء
۱۱۔	جناب احمد اے ستار۔	۱۹۹۴۔۹۵ء
۱۲۔	جناب محمد حنیف جانو۔	۱۹۹۷۔۹۸ء
۱۳۔	جناب زبیر موتی والا۔	۲۰۰۰۔۰۱ء
۱۴۔	جناب سراج قاسم تیلی۔	۲۰۰۳۔۰۴ء
۱۵۔	جناب مجید عزیز۔	۲۰۰۶۔ [۱۸]

کراچی اسٹاک ایکسچینج کے میمن صدور۔

۱۔	جناب یوسف ہارون۔	۱۹۶۱ء	۲۔	جناب قاسم دادا۔	۱۹۶۲۔۶۶ء
۳۔	جناب احمد دادا۔	۱۹۶۷۔۶۸ء	۴۔	جناب قاسم دادا۔	۱۹۷۰۔۷۵ء
۵۔	جناب لطیف ابراہیم جمال۔	۱۹۷۱ء	۶۔	جناب احمد دادا۔	۱۹۷۲۔۷۸ء
۷۔	جناب محمد بشیر جان محمد۔	۱۹۷۹۔۸۰ء	۸۔	جناب محمد بشیر جان محمد۔	۱۹۸۲۔۸۳ء

۹۔ جناب اے عزیز طیب۔ ۱۹۸۴ء

۱۰۔ جناب امین عیسیٰ بھائی۔ ۱۹۸۵ء

۱۱۔ جناب محمد بشیر جان محمد۔ ۱۹۸۸ـ۸۹ء

۱۲۔ جناب عارف حبیب۔ ۱۹۹۲ء

۱۳۔ جناب احمد یاسین لاکھانی۔ ۱۹۹۴ء

۱۴۔ جناب سراج الدین قاسم۔ ۱۹۹۵ء

۱۵۔ جناب عارف حبیب۔ ۱۹۹۶ء

۱۶۔ جناب عارف حبیب۔ ۱۹۹۷ء

۱۷۔ جناب محمد یاسین لاکھانی۔ ۱۹۹۸ء

۱۸۔ جناب محمد یاسین لاکھانی۔ ۱۹۹۹ء

۱۹۔ جناب عارف حبیب۔ ۲۰۰۰ء

۲۰۔ جناب محمد یاسین لاکھانی۔ ۲۰۰۱ء

۲۱۔ جناب سلیم چامڑیا۔ ۲۰۰۲ء

۲۲۔ جناب فیروز الدین اے قاسم۔ ۲۰۰۳ء

۲۳۔ جناب عارف حبیب۔ ۲۰۰۴ء

۲۴۔ جناب محمد یاسین لاکھانی۔ ۲۰۰۵ء [۱۹]

پاکستان کی مرکزی کابینہ کے میمن وزراء۔

	نام	عہدہ	سال
۱۔	جناب غلام نبی میمن۔	وزیر تعلیم	۱۹۶۲ء
۲۔	جناب غلام نبی میمن۔	وزیر قانون	۱۹۶۶ـ۷۰ء
۳۔	جناب محمود اے۔ ہارون۔	وزیر محنت	۱۹۶۵ـ۶۶ء
۴۔	جناب محمود اے۔ ہارون۔	وزیر خوراک	۱۹۶۹ـ۷۰ء
۵۔	جناب محمود اے۔ ہارون۔	وزیر داخلہ	۱۹۷۷ـ۸۴ء
۶۔	الحاج ذکریا کامدار۔	وزیر مملکت امور حج	۱۹۸۱ـ۸۵ء
۷۔	حاجی حنیف طیب۔	وزیر محنت و اوورسیز پاکستان۔	۱۹۸۵ء
۸۔	جناب زین نورانی۔	وزیر خارجہ	۱۹۸۵ء
۹۔	حاجی حنیف طیب۔	وزیر پٹرولیم و قدرتی وسائل	۱۹۸۶ء
۱۰۔	حاجی حنیف طیب۔	وزیر آبادکاری و تعمیرات	۱۹۸۶ء
۱۱۔	جناب نثار اے۔ میمن۔	وزیر اطلاعات و نشریات	۱۹۹۳ء
۱۲۔	جناب نثار اے۔ میمن۔	وزیر اطلاعات و نشریات	۱۹۹۳ء

۱۳۔	جناب عبداللہ جے میمن۔	وزیر برائے پانی وبجلی۔	۱۹۹۷ء	
۱۴۔	جناب عبدالرزاق سلیمان داود۔	وزیر صنعت وتجارت اور پیداوار۔	۱۹۹۹ء	
۱۵۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	وزیر اوورسیز پاکستانی۔	۲۰۰۹ء	[۲۰]

اقوام متحدہ میں میمن قوم کے پہلے سفیر ''زین نورانی'' اور ان کی پاکستان کے لیئے خدمات۔

کچھی میمن برادری کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پوری میمن قوم میں ان کے فرزند جناب زین نورانی اور حسین عبداللہ ہارون نے پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ میں سفیر کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیں ہیں۔

زین نورانی ۲،مئی ۱۹۲۷ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد عبدالقادر تا رمحمد نورانی رئیل اسٹیٹ کے کام سے وابستہ تھے۔ آپ کے نانا بمبئی کی ممتاز شخصیت زکریا نورانی، جنہوں نے بمبئی میں زکریا مسجد تعمیر کروائی تھی۔اور دادا اسماعیل حبیب نے بمبئی میں نورانی مسجد بنوائی اور مسافروں کی رہائش کے لیئے مسافر خانہ قائم کیا تھا، اور نوجوان کی تعلیم اور فلاح و بہبود کے لیئے ''اسماعیل حبیب چیری ٹیبل ایجوکیشنل ٹرسٹ'' قائم کیا۔

زین نورانی کو بچپن ہی سے قائداعظم سے عقیدت تھی۔جب آپ کی عمر تقریباً نو سال کی تھی اُس وقت آپ تھرڈ اسٹینڈر میں زیر تعلیم تھے۔اُن دنوں بمبئی میں قائداعظم ان کے چچا ہارون نورانی کے دیرینہ دوستوں میں سے تھے۔قائد کا ان کے گھر ملنے کے لیئے آنا ہوا۔ زین نورانی کو قائد سے ملنے کو بڑا اشتیاق تھا۔جبکہ اُن کو اُس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔جب قائداعظم واپسی کے لیئے اُس کمرے سے باہر نکلے،تو اُس وقت چھوٹے سے زین نورانی کو آیا لے کر کمرے سے باہر کھڑی تھیں۔جیسے ہی انہوں نے قائداعظم کو دیکھا وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگے اور قائداعظم سے ہاتھ ملایا۔ان کے چچا نے تعارف کرایا، قائداعظم بہت خوش ہوئے،انہوں نے ان سے نام اور اسکول کے بارے میں پوچھا نورانی صاحب نے ادب سے جواب دیا۔وہ مسکرائے اور بولے گھر میں کون سی زبان بولتے ہو۔آپ نے جواب دیا اردو بولی جاتی ہے، بہت خوش ہوئے پھر بولے گجراتی نہیں بولتے ہو،انہوں نے جواب دیا بزرگ بولتے ہیں۔جس کے بعد قائد نے مسکرا کر اپنے کوٹ کی جیب سے پانچ مسلم لیگ کے بیج نکال کر زین نورانی کو دیتے ہوئے کہا۔

" Young Man, you are soldier of Muslim League from today."

(نوجوان! تم آج سے مسلم لیگ کے سپاہی ہو۔)

دوسرے دن انہوں نے بڑی خوشی خوشی وہ پانچ بیج اسکول کے ساتھیوں میں بانٹ دیئے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم سینٹ زویر اسکول میں حاصل کی تھی۔اس کے بعد اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔۱۹۴۴ء میں میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیئے سینٹ زوی کالج میں داخلہ لیا۔۱۹۴۶ء میں انٹر آرٹس کا امتحان پاس کیا۔ آپ اسکول اور کالج کے تعلیمی دور میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔اُن دنوں میں دو بڑے تقریری مقابلے ہوا کرتے تھے جو جناح اور اقبال ٹرافی کے نام سے موسوم تھے۔ان مقابلوں میں اسکول اور کالج کے طلبہ حصہ لیا کرتے تھے۔آپ نے اپنی طالبعلمی

کے دور میں وہ دونوں ٹرافیاں حاصل کی تھیں۔ ۱۹۴۴ء میں آپ بمبئی پرونشل مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کے جوائنٹ سیکریٹری کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔آپ نے کالج میں داخلے کے بعد سوشل سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا۔۱۹۴۵ء میں بمبئی پرونشل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جوائنٹ سیکریٹری، اور ۱۹۴۶ء میں فیڈریشن کے اعزازی جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔

نوجوانی کی عمر میں ہی زین نورانی تقریریں کرتے کرتے انہیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔۱۹۴۶ء میں انٹر آرٹس کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی کے مشہور ہفت روزہ ''اسٹار'' "STAR" میگزین میں اسسٹنٹ ایڈیٹر آپ کی حیثیت سے منسلک ہوگئے۔لیکن اس پر حکومت وقت نے پابندی لگادی۔جس کے بعد زین نورانی نے ۱۹۴۷ء میں بیس سال کی عمر میں بمبئی سے ''ڈائنامائٹ'' نامی انگریزی ہفت روزہ جاری کیا تھا۔اس کے ساتھ ہی ایک روزنامہ جو تین زبانوں (اردو، انگریزی، اور گجراتی میں) جاری کیا جس کا انگریزی نام ''پیٹریٹ'' اور اردو اور گجراتی زبان میں اس کا نام ''مزدور'' تھا۔جس میں وہاں پر مسلمانوں سے متعلق مختلف خبریں شائع کی جاتی تھیں۔جس کے لیئے اُس وقت بمبئی کے ہوم سیکریٹری مرارجی ڈیسائی نے اسمبلی سے اس بات کا اعلان کیا کہ جو شخص ثبوت کے ساتھ مزدور کے ایڈیٹر کا نام بتائے گا اس کو دس ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یہ واقعہ پاکستان بننے سے چند ہفتے پہلے کا ہے۔لیکن مسلمانوں میں اتنا اتحاد تھا کہ یہ راز افشا نہ ہوا۔اسی دوران زین نورانی نے ہفتہ وار میگزین ''ڈائنامیٹ'' میں مرارجی ڈیسائی کے خلاف ایک ایڈیٹوریل "Kick him out" لکھا جس کی مخبری اسسٹنٹ ایڈیٹر ''جے جی پروف'' نے کردی۔جس کے بعد آپ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے، اور پرچے پر پابندی لگادی گئی اور پریس کو سیل کر دیا گیا۔جس کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔

آپ پاکستان میں ''ڈان گروپ'' کے ساتھ وابستہ ہوگئے جسے ہارون فیملی چلاتی ہے۔اس کے ساتھ ہی سیاسی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے۔آپ دوبار اپنے علاقے سے میونسپل کونسلر منتخب ہونے کے بعد مغربی پاکستان کی لیجیسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔آپ کو ان ہی دنوں جسٹس آف پیس کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔آپ ۱۹۸۴ء میں ضیاالحق دور میں وزارت سے وابستہ ہوئے۔اس دوران آپ کو مختلف وزارتوں پر خدمات دینے کا موقعہ ملا، جس میں خارجہ امور کی وزارت خاص کر قابل ذکر رہی ہے، جس میں افغانستان سے روسی فوجوں کا انخلاء اور افغان مہاجرین کی بحالی کے امور کی انجام دہی میں آپ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔آپ کو اقوام متحدہ میں پہلے میمن سفیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ کچھی میمن برادری اور پوری میمن قوم کی یہ قابل فخر شخصیت کا انتقال ۶۵ سال کی عمر میں ۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء کو کراچی میں ہوا۔ [۲۱]

جناب حاجی حنیف طیب کی سیاسی اور سماجی خدمات۔

پاکستان میں میمن قوم کی سیاسی اور سماجی خدمات میں حاجی حنیف طیب کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔آپ کی خدمات کا سلسلہ نا صرف سیاسی و سماجی بلکہ مذہبی اور علمی ادبی حلقوں میں بھی ہے۔آپ ۱۹، نومبر ۱۹۴۷ء کو بانٹوا میں پیدا ہوئے۔جبکہ آپ کے ننھیال جوناگڑھ میں رہتے تھے اور آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ جوناگڑھ میں والدین کے گھر آئی ہوئی تھیں اور وہاں پر آپ کی ولادت ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کے والدین بانٹوا سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم ''غنی ماسٹر اسکول'' بعد میں ''مدرسہ اسلامیہ سیکنڈری نمبر ۲''، سے اور میٹرک ''میری کلاسو'' سے پاس کیا۔انٹرمیڈیٹ ایس ایم کالج سے پاس کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے گریجویشن اور بعد میں ایم۔اے (M.A) اسلامک اسٹڈیز میں اور ''اردو کالج'' سے ایل، ایل، بی (L.L.B.) کا امتحان پاس کیا۔

آپ طالب علمی کے دور سے سماجی خدمات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ آپ اس سلسلے میں اپنے طالب علم ساتھیوں کے مختلف مسائل کے حل کے لیئے ہر وقت کوشاں رہتے۔ اور اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ''انجمن طلباء اسلام'' کی بنیاد رکھی۔ آپ اُس کے فاونڈر ممبران میں شامل ہونے کے ساتھ اس تنظیم کے قیام سے ۱۹۷۲ء تک اُس کے جنرل سیکریٹری کے عہدے پر اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی سلسلے کے تسلسل میں آپ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء تک جمعیت علمائے پاکستان کراچی کے جنرل سیکریٹری کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

سیاسی میدان میں آپ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کی لیبر سیٹ پر کونسلر منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے نظام مصطفیٰ گروپ سے انتخابات میں حصہ لیا، جو غیر جماعتی بنیاد پر منعقد ہوئے اور اُس میں کامیابی حاصل کی۔ آپ کی عمدہ کارکردگی اور عوامی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے حکومت نے آپ کو ۱۰، اپریل ۱۹۸۵ء کو محنت، افرادی قوت اور بیرون ملک پاکستانیوں کی وزارت کا قلمدان سونپا۔ اس عہدے پر آپ ۲۷ جنوری ۱۹۸۷ء تک فرائض انجام دیتے رہے جو کے بعد ۲۸ جنوری ۱۹۸۷ء کو آپ کو وزارت پیٹرولیم اور قدرتی وسائل کی ذمیداری سونپی گئی۔ جس کے بعد ۲۲، دسمبر ۱۹۸۷ء میں آپ کو وزیر ہاوسنگ اور تعمیرات کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

حاجی حنیف طیب ایک سیاسی لیڈر کے ساتھ بہت اچھے سماجی ورکر بھی رہے ہیں۔ آپ کئی سماجی اداروں اور انجمنوں کی سرپرستی کرچکے ہیں۔ آپ دوبار آل پاکستان میمن فیڈریشن کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ کی کوششوں کا ایک اور عملی کارنامہ ''المصطفیٰ ویلفیر ٹرسٹ'' کا قیام ہے، جس کے تحت کئی فلاحی پروگراموں کے ساتھ گلشن اقبال کے علاقے میں المصطفیٰ ہسپتال وہاں پر انسانیت کی گراں قدر خدمات انجام دینے میں مصروف عمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی مذہبی اجتماعات اور نظام مصطفیٰ کی تحریک میں بھرپور کردار بھی آپ کی مذہب کے ساتھ وابستگی کی عکاسی کرتا ہے۔

ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کے حاجی حنیف طیب کی شخصیت میمن قوم کی اُن چند شخصیات میں سے ایک ہے جو پاکستان کی سیاسی، سماجی، مذہبی اور علمی ادبی میدان میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ جو بنی نوانسانی کے فلاحی کاموں میں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہے۔ [۲۲]

ڈاکٹر محمد فاروق عبدالستار پیروانی کی سیاسی اور سماجی خدمات۔

پاکستان کے جواں سال میمن سیاسی رہنما ڈاکٹر محمد فاروق عبدالستار پیروانی کسی تعارف کے محتاج نہیں رہے۔ آپ کا شمار متحدہ قومی موومنٹ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ جو اس وقت پاکستان کی چند بڑی جماعتوں میں سے ایک ہے۔ آپ اپریل ۱۹۵۹ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فضل الرحمٰن اسکول سے اور میٹرک بی۔ وی۔ ایس ہائی اسکول سے کیا۔ انٹر سائنس نیشنل کالج سے اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ (M.B.B.S) سندھ میڈیکل کالج سے ۱۹۸۶ء میں کیا۔ بعدازاں جناح ہسپتال میں ہاوس جاب کرنے کے بعد وہاں پر پلاسٹک سرجری کے شعبہ سے وابستہ ہوئے۔

سیاسی میدان میں آپ نے عملی زندگی کی ابتداء ۱۹۷۹ء میں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (A.P.M.S.O) جوائنٹ سیکریٹری کے طور پر کیا۔ جس کے بعد ۱۹۸۲ء میں آپ مہاجر قومی موومنٹ کی امدادی کمیٹی کے کنوینر کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۸۷ء

کے بلدیاتی انتخابات میں ایم کیو ایم کے امیدوار کی حیثیت سے بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے۔جس کے بعد آپ کو ۱۹۸۸ء میں کراچی کے سب سے کم عمر "میر" منتخب ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔نومبر ۱۹۸۸ء میں کراچی کے دو حلقوں ان۔اے۔۱۹۰۔اور ان۔اے۔۱۹۲ سے انتخاب میں حصہ لیا اور دونوں سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں آپ قومی اور صوبائی اسمبلیوں دونوں کے اُمیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لے رہے تھے کہ اُسی دوران ایم کیو ایم نے قومی اسمبلی کے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا اور صرف صوبائی اسمبلیوں کی سیٹوں پر انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔جس میں آپ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں قومی اور صوبائی دونوں میں حصہ لیا اور دونوں میں کامیابی حاصل کی۔بعد میں قومی اسمبلی سے استعفٰی دے کر صرف صوبائی اسمبلی کے ممبر کا عہدہ اپنے پاس رکھا۔اور بعد میں سندھ اسمبلی میں سینیر وزیر کے عہدے پر اپنی خدمات انجام دیں۔ [۲۴] ان دنوں آپ وفاقی وزیر برائے بیرون ملک مقیم پاکستانی کی وزارت کے امورسرانجام دے رہے ہیں۔اس وقت آپ کے دورِ وزارت کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار نو (۹) ارب ڈالر کی رقم بیرون ملک مقیم پاکستانیوں نے ملک میں ارسال کی جو بلاشبہ ایک بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔

الحاج ذکریا کامدار سابق وفاقی وزیر مذہبی امور اور مشیر حج۔

الحاج ذکریا عبدالعزیز کامدار ۱۹۲۶ء کاٹھیاواڑ کے شہر "جیت پور" میں پیدا ہوئے۔آپ طالب علمی کے زمانے سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔آپ نے تحریک پاکستان کی جدوجہد میں جیت پور میں قائم "میمن یوتھ لیگ" کے پلیٹ فارم پر خدمات انجام دیں تھیں۔جنوری ۱۹۴۰ء میں پریس فنڈ کے سلسلے میں قائداعظم کا جیت پور میں دورہ کے دوران نوجوانوں کی قیادت کرتے ہوئے آپ نے پرجوش خطاب کیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ تجارت کے سلسلے میں بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں اپنے خالو کی کارپیٹ اور فرنشنگ کلاتھ کی دکان پر کام سے وابستہ ہوئے۔کام کے ساتھ ساتھ آپ نے وہاں پر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا،اور ۱۹۴۴ء میں بمبئی سے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ڈپلومہ کورس مکمل کیا۔

۱۹۵۲ء میں آپ پاکستان تشریف لے آئے۔یہاں تجارت کے ساتھ ساجی خدمات میں بھی مصروفِ عمل رہے۔آپ چھے سال تک جیت پور میمن ایسوسی ایشن کے اعزازی جنرل سیکریٹری کے عہدے پر خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۹ء میں آپ حج پر گئے اور اس کے بعد تو آپ کا دل کعبہ شریف کے ساتھ ایسا لگا کہ تقریباً مسلسل کئی حج ادا کئے،اور وہاں ہی سے حجاج کے خدمات کا سلسلہ شروع کیا۔آپ کی زندگی کی سب سے زیادہ خدمات حجاج اکرام کے لیئے رہی ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں آپ نے "انجمن خدام النبیؐ" نامی ادارہ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد حجاج اکرام کو سفر کے دوران درپیش مسائل کے حل کے لیئے مناسب انتظامات کرنا تھا۔حاجیوں کی خدمات اور اس میں آپ کی شاندار کارکردگی کو دیکھتے ہوئے ۱۹۸۰ء میں آپ کو پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے وفاقی کابینہ میں مذہبی امور اور مشیر امور حج کے عہدے پر فائز کیا۔۲۴، جون ۱۹۸۵ء کو اس کا حلف اُٹھایا،اور جس پر آپ ۱۹۹۰ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

الحاج ذکریا کامدار دیگر ساجی خدمات کے سلسلے میں آپ ۶۳۔۱۹۶۲ء میں آل پاکستان میمن فیڈریشن کی منیجنگ کمیٹی کے ممبر اور بعد میں ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء تک ادارے کے صدر کے عہدے پر فائز رہے۔اس کے علاوہ آپ کراچی کی کئی مساجد کے ٹرسٹی اور متولی بھی رہے۔آپ کے تین تجارتی ادارے قائم تھے اور ساتھ ہی آپ باوانی شوگر ملز کے ڈائریکٹر کے عہدے پر بھی اپنے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔آپ نے

حجاج اکرام کی رہنمائی کے لیئے ایک کتاب "سوئے حرم" لکھی ہے، جس کا ترجمہ انگریزی اور چینی زبان میں بھی کیا گیا ہے اور اس سے نہ صرف پاکستان کے حجاج استفادہ حاصل کرر ہے ہیں بلکہ چین اور دنیا کے دیگر مما لک کے حجاج اکرام بھی رہنمائی حاصل کرر ہے ہیں۔

آپ کی شخصیت نا صرف شرافت کی آئینہ دار تھی بلکہ آپ اپنی تہذیب وثقافت کا جیتا جاگتا نمونہ بھی تھے۔آپ جناح کیپ (ٹوپی) اور شیروانی زیب تن کر تے تھے۔میمن قوم کی یہ سادہ اور پر وقار شخصیت کا انتقال ۲۸، اپریل ۲۰۰۲ء میں مختصر علالت کے بعد کراچی میں ہوا۔ [۴۴]

جناب عبدالرزاق سلیمان داود۔

سابق وفاقی وزیر صنعت وتجارت اور پیداوار جناب عبدالرزاق سلیمان داود ۲۹ دسمبر ۱۹۴۳ء کاٹھیاواڑ کے بانٹوا شہر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے انگلینڈ کی نیوکیسل یونیورسٹی سے مائننگ انجینئرنگ میں بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی، جس کے دو سال بعد امریکی ریاست نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی سے ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری حاصل کی ۔۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۱ء تک آپ پنجاب یونیورسٹی میں ڈپارٹمنٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کے وزیٹنگ پروفیسر رہے۔

آپ کی اعلیٰ تعلیمی میدان میں گراں قدر خدمات رہی ہیں ۔۱۹۷۶-۷۷ء اور ۱۹۸۸-۸۹ء میں آپ کو لاہور ایڈوائزری بورڈ آف مینجمنٹ ایسوسی ایشن کے چیرمین اور ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک یونیورسٹی آف پنجاب کے سینڈیکٹ ممبر اور سینٹ ممبر مقرر کیا گیا۔۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء تک پنجاب یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے بورڈ آف اسٹیڈیز کے ممبر بھی رہے۔اس کے علاوہ ۱۹۹۷ء سے ۱۹۹۸ء تک پی۔آئی۔اے کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے ممبر بھی رہے۔آپ ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۰ء تک لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) کے ریکٹر کے عہدے پر اپنے فرائض انجام دے چکے ہیں۔

عبدالرزاق سلیمان داود تجارتی اور کاروباری خاندانی پس منظر میں آپ ۱۹۶۹ء میں لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہوئے، جہاں پر آپ نے ۱۹۷۳ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۱ء تک داود ہرکولیس کیمیکل لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔اور جس کے بعد آپ ڈیسکون انجینئرنگ لمیٹڈ اور اس سے متعلق انڈسٹریز کے مینجنگ ڈائریکٹر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی شاندار کارکردگی کو دیکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے آپ کی صلاحیتوں سے استعفادہ کرتے ہوئے ۴، نومبر ۱۹۹۹ء میں وفاقی وزیر صنعت وتجارت اور پیداوار کے عہدے پر فائض کیا گیا۔ [۴۵]

جناب نثار۔اے۔میمن۔

سابقہ وزیر اطلاعات ونشریات جناب نثار۔اے۔میمن کا شمار پاکستان کے چند صف اول کے کمپیوٹر سائنس کے ماہرین میں ہوتا ہے۔آپ عالمی شہرت یافتہ کمپنی آئی۔بی۔ایم (I.B.M.) سے وابستہ رہے ہیں، ابتداء میں آپ کا تقرر پاکستان میں ہوا جس کے بعد

۱۹۸۴ء میں یورپی مرکز پیرس اور بعد ۱۹۸۷ء میں آئی۔بی۔ایم (I.B.M.) کویت میں جنرل منیجر کے عہدہ پر تقرر کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں آپ کو پاکستان میں کمپنی کے سرپرست کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ امریکن بزنس کونسل آف پاکستان کے صدر اور فیڈریشن آف پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کی ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کمیٹی کے چیرمین کے عہدے پر اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرچکے ہیں۔

۱۹۹۳ء میں اُس وقت کی نگراں حکومت میں جناب نثار۔اے۔میمن کو وزارت اطلاعات ونشریات کا قلمدان تفویض کیا گیا۔ جس پر آپ نے بڑی دیانتداری اور اخلاص سے اپنے فرائض منصبی انجام دیئے۔ [۲۶]

جناب غلام نبی میمن۔

قائداعظم کے انتقال کے بعد ملک کے سیاسی حالات نشیب وفراز کا شکار رہے۔ ملک اس ڈگرگوں حالات میں بھی میمن قوم کے بزرگ اس میں اپنی خدمات دیتے رہے۔ جناب غلام نبی میمن صوبہ سندھ کے ممتاز سیاسی رہنما ہونے کے ساتھ سندھ کی سیاست میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۴ء تک سندھ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ مغربی پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اور صدر ایوب خان کے دور حکومت میں وزیر تعلیم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ جس کے بعد آپ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک ملک کے وزیر قانون کے عہدہ پر اپنی خدمات دیں۔ یحییٰ خان کے دورِ صدارت میں آپ سیاسی منظرنامہ سے دور ہوگئے۔ آپ کا انتقال ۱۹، دسمبر ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ [۲۷]

جناب عبداللہ۔جے۔میمن۔

جناب عبداللہ جے میمن ۱۹۹۷ء جناب معراج خالد کی نگراں حکومت میں آپ وزیر برائے پانی وبجلی کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ سندھ کے ضلع دادو کے گاوٗں پاٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کا خاندان کراچی کے علاقے کھارادر میں آباد ہوا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر کے پاس "انول ٹیکم داس اسکول" کھارادر اور میٹرک سندھ مدرسۃ الاسلام سے کیا۔ جس کے بعد، ۱۹۵۶ء میں آپ ہائی کورٹ میں مترجم کے ملازمت اختیار کی۔

دوران ملازمت آپ ایل۔ایل۔بی اور ایم۔اے کے امتحان کے بعد سول سروس کے امتحان میں شریک ہوئے۔ ۱۹۶۴ء کے اس تاریخی سی۔ایس۔پی۔آفیسر (C.S.P.) کے بیچ میں نامی گرامی شخصیات جس میں، جناب فاروق لغاری (سابق صدر پاکستان) جناب شاہد حامد (سابق گورنر پنجاب)، جناب عشرت حسین (سابق گورنر اسٹیٹ بینک)، جناب ایس۔کے۔دہلوی (سابق سفیر برائے فرانس)، شامل تھیں۔ جناب عبداللہ میمن کو سب سے پہلے ڈیرہ اسماعیل خان کا ایس ڈی ایم مقرر کیا گیا۔ بعد میں آپ کا تبادلہ مشرقی پاکستان کردیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں آپ مشرقی پاکستان سے واپس آگئے، اور یہاں پر ایم ڈی سائٹ مقرر ہوئے۔ جس کے بعد حیدرآباد کے ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

۱۹۷۶ء میں آپ کو پاکستان کے سفارت خانہ واشنگٹن میں کونسلر برائے خوراک وزراعت کی حیثیت سے تعینات کیا گیا۔ آپ ۱۹۷۹ء

میں امریکہ سے واپس آگئے اور بعد میں مختلف سرکاری عہدوں پر اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔۱۹۹۷ء میں جناب معراج خالد کی نگران حکومت میں وفاقی وزیر برائے پانی وبجلی مقرر ہوئے۔آپ کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے ممبر ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔آپ اپنی ریٹائرمنٹ سے لے کر وفات تک قومی مالیاتی کمیشن میں سندھ کی نمائندگی کرتے رہے۔پاکستان کی اس مشہور معروف شخصیت کا انتقال ۸،فروری ۲۰۰۳ء میں کراچی میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوا۔ [۴۸]

میمن گورنرز (سندھ)۔

قیام پاکستان سے ۲۰۱۰ء تک صوبہ سندھ میں جن گورنر صاحبان نے اپنی خدمات انجام دیں ہیں،اُن میں سے دو گورنرز کا تعلق میمن قوم سے رہا ہے۔جن میں

	نام	سال
۱۔	جناب اشرف ولی محمد تابانی۔	۱۹۸۷ء
۲۔	جناب محمود اے۔ہارون۔	۱۹۹۴ء

ہارون فیملی کے ایک اور سپوت محمود اے ہارون کی ملک کے لیئے گراں قدر خدمات۔

جناب محمود ہارون تحریک پاکستان کے رہنماء،قائداعظم کے اے ڈی سی، ۱۹۵۴ء میں میئر کراچی، دوبار گورنر سندھ کے عہدے پر فائز رہنے اور پاکستان کے وزیر داخلہ کے عہدے پر فائز رہنے والی ایک اہم ترین شخصیت رہی ہے۔آپ ۱۶ ستمبر ۱۹۲۰ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔سیاسی میدان میں آپ ڈی۔جے سائنس کالج سے انٹر کیا جس کے بعد سی ایس شاہانی لاء کالج سے قانون کا امتحان پاس کیا۔تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی،اور ۱۷ سال کی عمر میں انہیں قائداعظم کا اے۔ڈی۔سی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔آپ مسلم لیگ گارڈ کے سالار اعلیٰ بھی رہے۔جس کے بعد آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا ڈپٹی چیف بنا دیا گیا۔

محمود اے ہارون ۱۹۴۲ء میں پاکستان مسلم لیگ کونسل کے ممبر اور دو سال بعد آپ صوبائی مسلم لیگ کراچی کے صدر منتخب ہوئے۔۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۰ء تک آپ سندھ لیجسلیٹیو اسمبلی کے ممبر رہنے کے ساتھ مغربی پاکستان اسمبلی کے بھی ممبر منتخب ہوئے۔آپ ۵۳۔۱۹۵۴ء میں کراچی کے میر کے عہدے پر فائز رہے۔اُس وقت وفاقی دارالحکومت کراچی تھا۔جس کے چند ماہ بعد آپ نے وزیر برائے محنت و امداد باہمی کا عہدہ سنبھالا۔سیاسی میدان کے علاوہ آپ پاکستان کے مشہور اخبار ''ڈان گروپ'' کے چیرمین بھی رہے۔آپ کو ۱۹۶۵ء میں متفقہ طور پر کامن ویلتھ پریس یونین کے پاکستانی شعبے کا چیرمین منتخب کیا گیا تھا۔

۱۹۶۸ء میں آپ کو برطانیہ میں پاکستان کا ہائی کمشنر مقرر کیا گیا۔جس کے بعد ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۱ء تک وفاقی وزیر زراعت کے عہدے پر فائز رہے۔سقوط مشرقی پاکستان کے بعد آپ نے لندن میں سکونت اختیار کر لی۔کچھ عرصے بعد آپ دبئی چلے گئے جہاں پر آپ نے

ڈیلی خلیج ٹائمز کی بنیاد رکھی ۔ڈان اخبار کی آزاد پالیسی اور ہارون فیملی کے ساتھ سیاسی اختلافات کی بنیاد پر ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں انہیں سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں جنرل ضیاالحق کی کابینہ میں شمولیت اختیار کی، اور ۱۹۸۸ء تک وفاقی کابینہ میں شامل رہے۔ ۱۹۸۸ء میں غلام اسحاق خان کے دورِ صدارت میں آپ کو وزیرِ دفاع اور ۱۹۹۰ء میں اور پھر دوبارہ ۱۹۹۴ء میں سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف اپنے اخبار ڈیلی ڈان سے وابستہ تھے۔آپ کچھ عرصہ عارضہ قلب میں مبتلا رہنے کے بعد ۶، نومبر ۲۰۰۸ء کو ۸۸ سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ۔ [۲۹]

جناب اشرف ولی محمد تابانی۔

سندھ کے گورنر کے عہدے پر فائز ہونے والی دوسری میمن شخصیت جناب اشرف ولی محمد تابانی کی ہے۔آپ ۱۷، دسمبر ۱۹۳۰ء رنگون (برما) میں پیدا ہوئے۔آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق کاٹھیاواڑ کے شہر گونڈل سے تھا۔آپ نے ابتدائی تعلیم ایم۔اے۔ بروڈیا رنگون سے اور میٹرک کا امتحان سینٹ جوری اسکول بمبئی سے پاس کیا۔ کیونکہ جنگِ عظیم کی وجہ سے آپ کا خاندان بمبئی میں تشریف لے آیا تھا۔تحریکِ پاکستان کی جدوجہد میں آپ بمبئی میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے رکن کی حیثیت سے اُس میں شریک رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ کا خاندان ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آیا۔ بعد میں آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیئے امریکہ چلے گئے جہاں سے ۱۹۵۲ء میں فلاڈیلفیا یونیورسٹی آف ٹیکسٹائل سائنسز سے انجینئرنگ میں بی۔ایس۔سی۔ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے خاندانی کاروبار سے وابستہ ہوگئے۔آپ کی تعلیمی قابلیت اور خاندان کے وسیع کاروبار کی وجہ سے بہت جلد ہی کاروباری حلقوں میں اپنا ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ اس طرح آپ اکثر پاکستان سے باہر جانے والے وفود میں شامل رہتے تھے۔آپ کو عالمی لیبر کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کو بین الاقوامی ادارہ محنت (I.L.O.) کی گورننگ باڈی کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں آپ ایمپلائز فیڈریشن آف پاکستان کے صدر کے عہدے پر فائز رہے۔

جناب تابانی کو ۱۹۷۰ء فیڈریشن آف پاکستان چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر منتخب ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۶ء تک ایکسپورٹ پروموشن بیورو اور کاٹن بورڈ کے چیرمین کے عہدے پر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۵ء میں فشریز بورڈ کے اور ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۶ء تک صنعتی ترقیاتی بینک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیرمین کے عہدے پر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء تک آپ سندھ کے خزانے، صنعت اور ٹیکسیشن کی وزارت پر فائز رہے۔آپ کی شاندار خدمات کو دیکھتے ہوئے حکومت نے ۵، جنوری ۱۹۸۷ء آپ کو سندھ کے گورنر کے عہدے پر فائز کیا۔

جناب اشرف ولی محمد تابانی سیاسی اور کاروباری مصروفیات کے علاوہ سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی بھرپور کردار ادا کرتے رہے تھے۔ آپ گونڈل میمن ایسوسی ایشن کے بانی چیف پیٹرن ہونے کے ساتھ اس پلیٹ فارم پر سماجی اور فلاحی خدمات میں کوشاں رہتے تھے۔اس کے علاوہ آپ گونڈل میمن کوآپریٹیو ہاوسنگ سوسائٹی کے پہلے چیرمین کی حیثیت سے برادری میں رہائشی مسائل کے حل میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ آپ کو سماجی فلاح و بہبود اور صنعت اور محنت کے مسائل کے حل کا گہرا شعور تھا۔ [۳۰]

صوبہ سندھ کے میمن وزراء۔

	نام	عہدہ	سال
۱۔	جناب یوسف ۔اے۔ ہارون۔	وزیراعلیٰ	۱۹۴۹ء
۲۔	جناب اشرف ولی محمد تابانی۔	وزیرخزانہ	۱۹۸۱۔۸۴ء
۳۔	جناب زین نورانی۔	وزیرآب کاری ومحصولات۔	۱۹۹۷ء
۴۔	ڈاکٹر فاروق ۔اے۔ ستار۔	سینئیر وزیر	۱۹۹۷ء

مغربی پاکستان اسمبلی کے میمن ممبران۔

	نام	سال
۱۔	جناب محمود ۔اے۔ ہارون۔	۱۹۵۴۔۵۸ء
۲۔	جناب زین نورانی۔	۱۹۵۴۔۵۸ء
۳۔	جناب یوسف ۔اے۔ ہارون۔	۱۹۵۶۔۵۸ء
۴۔	جناب صادق علی میمن۔	۱۹۵۶۔۵۸ء
۵۔	جناب غلام نبی میمن۔	۱۹۵۸۔۵۹ء
۶۔	جناب ولی محمد حاجی یعقوب۔	۱۹۶۰۔۶۴ء
۷۔	جناب زین نورانی۔	۱۹۶۵۔۷۰ء

پاکستان کی قومی اسمبلی کے میمن ممبران۔

	نام	سال
۱۔	جناب یوسف ۔اے۔ ہارون۔	۱۹۴۷۔۵۷ء
۲۔	جناب احمد ۔اے۔ ایچ۔ جعفر۔	۱۹۴۷۔۵۵ء
۳۔	جناب صدیق داوود۔	۱۹۶۲۔۶۵ء
۴۔	جناب محمود ۔اے۔ ہارون۔	۱۹۶۵۔۶۶ء
۵۔	جناب اے۔ کے۔ سومار۔	۱۹۶۵۔۷۰ء
۶۔	جناب صادق علی میمن۔	۱۹۶۵۔۷۰ء

۷۔	حاجی حنیف طیب۔	۱۹۷۷ء
۸۔	حاجی حنیف طیب۔	۱۹۸۵ء
۹۔	جناب زین نورانی۔	۱۹۸۵ء
۱۰۔	جناب احمد میمن۔	۱۹۸۵ء
۱۱۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۸۸ء
۱۲۔	ڈاکٹر محمد رفیق عیسانی۔	۱۹۸۹ء
۱۳۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۹۰ء
۱۴۔	ڈاکٹر محمد رفیق عیسانی۔	۱۹۹۰ء
۱۵۔	جناب عبدالعزیز میمن۔	۱۹۹۳ء
۱۶۔	جناب ابوبکر شیخانی۔	۱۹۹۳ء
۱۷۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۹۷ء
۱۸۔	جناب محمد حسین محنتی۔	۲۰۰۲ء
۱۹۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۲۰۰۳ء
۲۰۔	ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۲۰۰۸ء
۲۱۔	جناب رشید گوڈیل۔	۲۰۰۸ء
۲۲۔	ماروی میمن۔	۲۰۰۸ء

مجلس شوریٰ کے میمن ممبران۔

	نام	سال
۱۔	جناب زین نورانی۔	۱۹۸۲۔۸۵ء
۲۔	مولانا عبدالستار ایدھی۔	۱۹۸۲۔۸۵ء
۳۔	جناب حسین۔ایس۔اے۔ہارون۔	۱۹۸۲۔۸۵ء
۴۔	جناب عبدالرزاق راجوانی۔	۱۹۸۲۔۸۵ء
۵۔	جناب عبداللہ میمن مولوی۔	۱۹۸۲۔۸۵ء
۶۔	ڈاکٹر نسرین مقبول میمن۔	۱۹۸۲۔۸۵ء

صوبہ سندھ اسمبلی کے میمن ممبران۔

نام	سال
۱۔ جناب محمود۔اے۔ہارون۔	۱۹۴۷۔۵۰ء
۲۔ جناب صادق علی میمن۔	۱۹۵۳۔۵۴ء
۳۔ جناب غلام نبی میمن۔	۱۹۵۳۔۵۴ء
۴۔ جناب عبدالحمید میمن۔	۱۹۵۳۔۵۴ء
۵۔ جناب حسین۔ایس۔اے۔ہارون۔	۷۷۔۱۹۶۱ء (آپ سندھ اسمبلی کے اسپیکر بھی منتخب ہوئے)
۶۔ جناب عبدالعزیز رنگیلا۔	۱۹۸۵ء
۷۔ جناب عبدالستار رویانی۔	۱۹۸۵ء
۸۔ ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۹۳ء
۹۔ ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۹۷ء
۱۰۔ جناب عبدالقادر لاکھانی۔	۱۹۹۷ء
۱۱۔ جناب عبدالعزیز بانٹوا۔	۲۰۰۲ء
۱۲۔ جناب یونس بارائی۔	۲۰۰۲ء
۱۳۔ جناب جمیل میمن۔	۲۰۰۸ء

میمن میئرز۔

نام	سال
۱۔ جناب محمود۔اے۔ہارون۔	۱۹۵۳۔۵۴ء
۲۔ ڈاکٹر فاروق۔اے۔ستار۔	۱۹۸۸ء [۳۱]

میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا پاکستان آرمی میں (SSG.Commando Brigade) کے بانی۔

میمن قوم کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ اس قوم کے افراد کا فوج یا ان کے اداروں سے دور تک کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور یہ اپنے تجارت اور کاروبار میں مصروف عمل رہنے والی قوم ہے۔لیکن پاکستان آرمی کی سب سے حساس اور اہم ترین بریگیڈ جیسے عرف عام میں (Pakistan's Special Services Group(SSG) Commando Brigade of the Pakistan Army) کے نام سے پہچانا

جاتا ہے۔اس فورس کے قائم کرنے کا سہرا میمن قوم کے عظیم سپوت میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا کے سر ہے۔

میجر جنرل ابوبکر مٹھا کے خاندان کا پس منظر دیکھیں تو بمبئی کے بے تاج بادشاہ سر سلیمان قاسم مٹھا جو آزادی کی تحریکوں میں متنازعہ شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ جبکہ اُس کے برعکس اُن کے خاندان میں بعد کی آنے والی نسل نے برصغیر کی تاریخ میں حب الوطنی کی بہت سے اعلیٰ کارنامے انجام دیئے جس میں سر سلیمان قاسم مٹھا کے پوتے میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا کی پاکستان آرمی کے لیئے شاندار خدمات اور ہندوستان میں ان کے دوسرے پوتے حسن ولد حسین مٹھا کو انڈین ریڈ کراس کی طرف سے ان کی وہاں پر شاندار سماجی اور امداد باہمی کے کام جو ادارے کے لیئے انہوں نے گذشتہ بیس سالوں تک انجام دیئے تھے۔جس کے اعتراف کے طور پر ۳۰، دسمبر ۱۹۸۶ء کو گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔

ابوبکر عثمان مٹھا ۱۹۲۳ء میں بمبئی کی اُس وقت کی سیاسی اور سماجی طور پر سب سے با اثر میمن خاندان میں پیدا ہوئے۔اور یہ ہی وجہ تھی کے مشترکہ خاندانی نظام کے تحت گھر کا ہر فرد بزرگوں کی فرمابرداری اور ان کے فیصلوں کے مطابق اپنی زندگی کی راہیں متعین کرتا تھا۔جبکہ اُس کے برعکس ابوبکر نے اپنے دادا کی مرضی کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ تو تجارت سے وابستگی اختیار کی اور نہ ہی اُن کی پسند کے مطابق خاندان میں شادی کرنے کے فیصلے کو تسلیم کیا۔اس کے برعکس اپنے مستقبل کے لیئے آرمی میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔آپ نے بمبئی میں اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کیڈٹ اکیڈمی میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے برٹش انڈین آرمی میں کمیشن حاصل کیا۔اور آپ کو ۱۹۴۲ء میں انڈین ملٹری اکیڈمی ڈیراڈن (Dehradun) میں پیراشوٹ رجمنٹ میں شامل کیا گیا۔آپ نے دوسری جنگ عظیم کے دوران برما کے انتہائی خطرناک محاذ پر جہاں جاپانی افواج کے عقب میں جاکر حملہ کرنے والی فوج میں شامل تھے۔

میجر جنرل ابوبکر مٹھا نے اپنی کتاب "Unlikely Beginnings" میں برٹش انڈین آرمی کے تجربات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہاں پر انگریز فوجیوں کا رویہ ہندوستانی فوجی جوانوں کے ساتھ کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہوتا تھا۔ وہ اکثر کھانے کی میس (Mess) میں اُن پر مختلف جملے کستے رہتے۔جس سے اُن کی ذہنی عکاسی ہوتی تھی۔کہ وہ ہندوستانیوں کے بارے میں کیا سوچ رکھتے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں پر آپ نے پاکستان آرمی (GHQ) اسٹاف کالج کوئٹہ میں GSO-1 کے عہدے پر فائز ہوئے۔آپ ۱۹۵۲ء میں بریگیڈ میجر (Brigade Major) اور ۱۹۶۲ء میں کرنل اسٹاف GOC-in-C کے عہدے پر آپ کا تقرر ہوا۔اُن ہی دنوں ۵۳۔۱۹۵۴ء میں ایک سلسلہ چل رہا تھا کہ لیفٹننٹ کرنل کے عہدے پر فائز آفیسرز سے دریافت کیا گیا کہ ''کیا امریکہ سے امداد قبول کی جائے''جس کے جواب میں مٹھا نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے رہنے کی پالیسی بنانی چاہیئے نہ کہ دوسروں کے رحم وکرم پر اپنے دفاعی معاملات کو نہ چھوڑا جائے،ہمیں اپنی اسلحہ ساز فیکٹریاں قائم کرنی چاہئے نہ کہ امریکہ کی مہربانیوں اور رحم وکرم پر رہے کر اپنے یہاں مانگنے والی ذہنیت کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیئے۔آپ کے اس مشورے پر تو عمل نہیں کیا گیا لیکن آپ کو فوج میں انتہائی اہم اور احساس ذمیداری سونپی گئی جس کے تحت آرمی ''کمانڈوز'' کی ٹریننگ اور تیاری کا مکمل کنٹرول آپ کے حوالے کیا گیا۔جس کے بعد آپ نے آرمی میں ''اسپیشل سروس گروپ'' Special Service Group (SSG) قائم کیا۔اور آپ اس گروپ کے چھے سال تک چیف کے عہدے پر اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

میجر جنرل ابوبکر عثمان مٹھا ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے سانحہ کے دوران ''ڈھاکہ'' میں دیگر جنرل جس میں یحیٰی خان ، لفٹیننٹ جنرل ٹکا خان، میجر جنرل راؤ فرمان علی، اور میجر جنرل خادم حُسین راجہ شامل تھے۔اور ''سقوط ڈھاکہ'' سے قبل آپ اسلام آباد واپس تشریف لے آئے تھے۔دسمبر ۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت کی باگ دور سنبھالتے ہی آپ کو عتاب کا نشانہ بنایا اور آرمی سروس سے برطرف کردیا۔آپ اُس وقت اسلام آباد میں (Quartermaster General at GHQ) کے عہدے پر فائز تھے۔اور آپ کو ۴۸ سال کی عمر میں وقت سے پہلے سروس سے ریٹائر کردیا گیا۔آپ کو اپنے آرمی سروس کے دوران کئی اعزازت حاصل ہوئے تھے جس میں ''ہلال جرات''، ''ستارہ پاکستان'' اورستارہ قائد اعظم شامل تھا۔بھٹو دور میں آپ سے ہونے والی زیادتی نے آپ کی جونیر آفیسرز کے دلوں میں قدرو منزلت میں اور اضافہ کردیا تھا۔اور یہ بات اُس وقت کی حکومت کو بُری طرح کھٹکتی تھی۔اور یہ ہی وجہ تھی کہ انہوں نے آپ کو ہمیشہ پریشان کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔آپ کا انتقال دسمبر ۱۹۹۹ء میں اسلام آباد میں ہوا۔میمن قوم کی عسکری میدان میں اس اہم ترین شخصیت کی زندگی پر مبنی سوانح عمری پڑھنے کے بعد ہمیں ان کی شخصیت کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ [۴۲]

پاکستان میں سماجی شعبہ میں نمایاں خدمات انجام دینے والے میمن قوم کے ادارے۔

پاکستان میں مختلف فلاحی وسماجی خدمات انجام دینے والے اداروں کے یہاں پر نام دیئے جا رہے ہیں، جبکہ ان کی تفصیلی ذکر مصنف کی تصنیف میمن قوم تاریخ کے آئینے میں (جلد پنجم) ''میمن قوم کی فلاحی اور سماجی خدمات'' میں کیا گیا ہے۔

فاونڈیشن اور سوسائٹیز۔

۱۔ ایدھی فاونڈیشن۔
۲۔ ورلڈ میمن آرگنائزیشن۔
۳۔ ورلڈ میمن فاونڈیشن۔
۴۔ آل پاکستان میمن فیڈریشن۔
۵۔ میمن پرفیشنل فورم۔
۶۔ میمن ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی۔
۷۔ میمن لیگ۔
۸۔ فاران کلب۔
۹۔ المصطفیٰ ویلفیر ٹرسٹ۔

میمن قوم کی برادریوں کی سطح پر جماعتیں۔

۱۔ امریلی میمن جماعت۔
۲۔ اوکھائی میمن جماعت۔
۳۔ بانٹوا میمن جماعت۔
۴۔ بلدیہ میمن جماعت۔
۵۔ بمبئی ہالائی میمن جماعت۔
۶۔ پاک ٹھراڈی میمن جماعت۔

۷۔ پاکستان میمن جماعت۔
۸۔ پوربندر سوریا واڈ میمن جماعت۔
۹۔ جیت پور میمن ایسوسی ایشن۔
۱۰۔ جام نگر میمن جماعت۔
۱۱۔ جام نگر وہواریا میمن جماعت۔
۱۲۔ جوناگڑھ میمن جماعت۔
۱۳۔ دھوراجی ایسوسی ایشن۔
۱۴۔ گونڈل میمن ایسوسی ایشن۔
۱۵۔ گوبل وارڈ ہالائی میمن جماعت۔
۱۶۔ کتیانہ میمن ایسوسی ایشن۔
۱۷۔ حیدرآباد میمن جماعت۔
۱۸۔ مانا وادر میمن جماعت۔
۱۹۔ موربی ٹنکارا میمن جماعت۔
۲۰۔ ہالاری میمن جنرل جماعت۔
۲۱۔ وٹھلی میمن جماعت۔
۲۲۔ ویراول پاٹن میمن جماعت۔
۲۳۔ واسا وارڈ میمن جماعت۔
۲۴۔ سورت میمن جماعت۔
۲۵۔ سکھر میمن جماعت۔
۲۶۔ کچھی میمن مرکزی جماعت۔
۲۷۔ کچھی میمن جماعت (کاڑی کھاتہ)
۲۸۔ کچھی میمن جماعت۔ (صدر)
۲۹۔ کچھی میمن جماعت (بھیم پورہ)
۳۰۔ کچھی میمن جماعت۔ (چاکیواڑہ)
۳۱۔ کچھی میمن جماعت۔ (کلری)
۳۲۔ یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۳۔ ہالا یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۴۔ میرپورخاص یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۵۔ شہدادپور یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۶۔ نواب شاہ یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۷۔ دادو یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۸۔ ٹھٹھہ یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۳۹۔ ٹنڈو محمد خان یونائیٹڈ میمن جماعت۔
۴۰۔ کوٹری یونائیٹڈ میمن جماعت۔

ان جماعتوں کے علاوہ دیگر کئی ذیلی خدمتی ادارے ایسوسی ایشنز، انجمنیں، یوتھ سروسز اور اسٹوڈنٹس تنظیمیں جو ملک میں فلاحی خدمات میں اپنا بھرپور خدمات انجام دے رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ آدمجی فاونڈیشن۔
۲۔ حسین ابراہیم فاونڈیشن۔
۳۔ عثمان فاونڈیشن۔
۴۔ حاجی رزاق ٹبا فاونڈیشن۔
۵۔ داود فاونڈیشن۔
۶۔ عائشہ باوانی ٹرسٹ۔
۷۔ حاجی تار محمد تیلی ٹرسٹ۔
۸۔ فیکٹو فاونڈیشن۔
۹۔ زلیخا بائی وی ایم غنی رنگون والا ٹرسٹ
۱۰۔ زلیخا بائی موکاتی ٹرسٹ۔
۱۱۔ احمد عبداللہ فاونڈیشن۔
۱۲۔ دادا فاونڈیشن۔

۱۳۔ کریم فاونڈیشن ۔
۱۴۔ حاجیانی خدیجہ بائی ایجوکیشنل ٹرسٹ ۔
۱۵۔ حاجیانی میٹھی بائی ٹرسٹ ۔
۱۶۔ عائشہ صدیقہ ٹرسٹ ۔
۱۷۔ فاطمہ بائی لالاٹرسٹ ۔
۱۸۔ حسین قاسم دادا فاونڈیشن ۔
۱۹۔ مریم بائی حاجی علی محمد ٹرسٹ ۔
۲۰۔ شوکت ثریا ستار فاونڈیشن ۔
۲۱۔ الجیلانی فاونڈیشن ۔
۲۲۔ دھوراجی فاونڈیشن ۔
۲۳۔ محمد عبداللہ ٹرسٹ ۔
۲۴۔ عائشہ صدیقہ گاڈٹ ٹرسٹ ۔
۲۵۔ محمد صدیق نوی والا ٹرسٹ ۔
۲۶۔ دھوراجی خدمت کمیٹی ۔
۲۷۔ دھوراجی یوتھ سروسز ۔
۲۸۔ ونتھلی میمن ٹرسٹ ۔
۲۹۔ اوکھائی میمن یوتھ سروسز ۔
۳۰۔ اوکھائی میمن انجمن ۔
۳۱۔ بانٹوا میمن خدمت کمیٹی ۔
۳۲۔ بانٹوا میمن راحت کمیٹی ۔
۳۳۔ بانٹوا میمن والنٹیر کورپس ۔
۳۴۔ میمن ایجوکیشن بورڈ ۔
۳۵۔ میمن سوشل ویلفیر سوسائٹی ۔
۳۶۔ میمن یوتھ آرگنائزیشن ۔
۳۷۔ میمن ڈابنک سوسائٹی ۔
۳۸۔ میمن بک فاونڈیشن ۔
۳۹۔ میمن انٹرنیشنل کلب ۔
۴۰۔ میمن میرج بیورو ۔
۴۱۔ بمبئی میمن برادرہڈ ۔
۴۲۔ بلال میمن والنٹیر کور ۔
۴۳۔ کاٹھیاواڑ کوآپریٹیو ہاوسنگ سوسائٹی ۔
۴۴۔ میمن ویلفیر ایسوسی ایشن ۔
۴۵۔ آل میمن ویمن ایسوسی ایشن ۔
۴۶۔ حیدرآباد میمن انجمن ۔
۴۷۔ کیشود میمن انجمن ۔
۴۸۔ لاہور میمن ایسوسی ایشن ۔
۴۹۔ سکھر میمن انجمن ۔
۵۰۔ کتیانہ میمن ایسوسی ایشن ۔
۵۱۔ کتیانہ میمن والنٹیر کورپس
۵۲۔ کراچی میمن اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن ۔
۵۳۔ کتیانہ میمن ایسوسی ایشن حیدرآباد ۔
۵۴۔ کچھی میمن کوآپریٹیو ہاوسنگ سوسائٹی ۔
۵۵۔ کچھی میمن اسٹوڈنٹس فیڈریشن ۔
۵۶۔ چاکیواڑہ کچھی میمن ویلفیر سوسائٹی ۔
۵۷۔ حاجی عبداللہ ہارون مسلم یتیم خانہ ۔
۵۸۔ عبداللہ ہارون ایسوسی ایشن ۔
۵۹۔ کچھی میمن فاونڈیشن ۔
۶۰۔ میمن گریجویٹ ایسوسی ایشن ۔
۶۱۔ راجکوٹ میمن ایسوسی ایشن ۔
۶۲۔ ورلڈ میمن فاونڈیشن کمیونٹی سینٹر ۔
۶۳۔ میمن عالم ٹرسٹ ۔
۶۴۔ کالاوار میمن انجمن ۔

قیام پاکستان سے قبل کراچی میں تعلیمی شعبہ میں میمن قوم کی خدمات۔

قیام پاکستان سے قبل کراچی میں میمن قوم کی تعلیمی خدمات کے حوالے سے جناب حسن علی آفندی کی کوششوں سے ''سندھ مدرستہ الاسلام'' کا قیام ۳۰، اگست ۱۸۸۵ء کو عمل میں آیا۔اس ادارے کے قیام سے آج تک اس کی تعلیمی خدمات کو پاکستان کی تعلیمی تاریخ کا ایک سنہری باب کہا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ ''عربیہ مظہر دارالعلوم'' کھڈہ (لیاری) ''حاجی عبداللہ ہارون یتیم خانہ و جامعہ اسکول''، ''اوکھائی میمن مدرسہ''، (موجودہ اوکھائی میمن اسکول کھارادر) اور دیگر کئی مدرسہ اسکولوں کے ذریعہ تعلیمی کے شعبہ میں بلاکسی امتیاز کے طلبا کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جاتا رہا۔اس کے علاوہ سندھی میمن برادری ٹھٹھہ اور سندھ کے دیگر شہروں میں تعلیمی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دینے مصروف عمل تھی۔ اور آج بھی سندھ میں سندھی میمن برادری اس شعبہ میں نمایاں طور پر سرگرم عمل نظر آتی ہے۔تعلیمی شعبہ میں میمن قوم کی خدمات کا تفصیلی ذکر جلد پنجم ''میمن قوم کی سماجی خدمات'' کیا گیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد میمن قوم کی تعلیمی خدمات۔

قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان میں میمن قوم نے جہاں دوسرے شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی، وہاں پر تعلیمی میدان میں بھی اس قوم کی شاندار خدمات رہی ہیں۔میمن قوم کی مختلف برادریوں نے اپنے جماعتی نظام کے تحت کراچی، حیدرآباد اور سندھ کے کئی دیہی علاقوں میں تعلیمی اداروں کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہوا ہے۔۱۹۷۲ء میں حکومت نے نجی تعلیمی اداروں کو قومی ملکیت میں لیا، اُس وقت میمن قوم کے ملک بھر میں (۹۱) اکیانویں اسکولز، اور چار کالجز قائم تھے۔جن میں اس وقت (۴۶،۰۰۰) چھیالیس ہزار طلباء اور طلبات تعلیم حاصل کر رہے تھے، اور اس قوم کے مخیر حضرات اُس وقت تقریباً (۳۵) پینتیس لاکھ روپے سالانہ تعلیمی امداد کی مد میں فراہم کر رہے تھے۔ان تعلیم اداروں کو مختلف فاونڈیشن، سوسائٹیز اور جماعتوں (برادریوں) کے تعلیمی بورڈز کے ذریعے خدمات فراہم کی جارہی تھی۔جس میں فیس، کتابیں، یونیفارم اور دیگر سہولیات کی فراہمی شامل تھی۔ [۳۴]

جنرل محمد ضیاالحق کے دور حکومت میں اس بات کا احساس کرتے ہوئے کہ تعلیم اداروں کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد اُس کے معیار میں تنزلی آئی ہے۔اسی دوران میمن گجراتی برادریوں نے اپنے طور پر بھی اُن تعلیم اداروں کو حکومت سے واپس حاصل کرنے کے سلسلے میں جدوجہد جاری رکھی ہوئی تھی۔جس میں جناب پیر محمد کالیا صاحب کی خدمات قابل ستائش رہی تھیں اور ان کوششوں کا ثمر ۱۹۸۴ء میں حکومت کی طرف سے میمن گجراتی برادریوں کو ان کے تعلیمی اداروں کو واپس کردیا گیا۔جس کے بعد یہ برادریاں پھر سے تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہوگئیں۔اور آج ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو تعلیم کے میدان میں ان برادریوں کی خدمات کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔اب یہ برادریاں (میمن جماعتیں) نہ صرف اسکولوں کی سطح پر بلکہ اعلی تعلیمی اداروں کے قیام میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کررہی ہے۔ہم یہاں پر اُن اعلی تعلیمی اداروں کے نام تحریر کررہے ہیں ان کی تفصیل مصنف کی تصنیف میمن قوم تاریخ کے آئینے میں (جلد پنجم) ''میمن قوم کی سماجی خدمات'' میں کیا گیا ہے۔

میمن قوم کے قائم کردہ اعلیٰ تعلیمی ادارے۔

۱۔ ایچ۔ای۔جے (H.E.J.) کیمیکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ۔

۲۔ ایل۔ای۔جے (L.E.J.) لطیف ابراہیم جمال نیشنل سائنس انفارمیشن سینٹر اینڈ ڈیجیٹل لائبریری۔

۳۔ داؤد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی۔

۴۔ عثمان انسٹیٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی۔

۵۔ آدمجی انسٹیٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز۔

۶۔ دادابائی انسٹیٹیوٹ آف ہائیر ایجوکیشن۔

۷۔ میمن انڈسٹریل اینڈ ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ۔(M.I.T.I)

۸۔ ہاشانی پوسٹ گریجویٹ آئی انسٹیٹیوٹ۔

۹۔ تابانیز اسکول آف اکاؤنٹنسی۔

۱۰۔ ثریا پارکھ کالج آف لبرل آرٹ۔

۱۱۔ میمن انسٹیٹیوٹ آف ڈیٹا پروسیسنگ۔

۱۲۔ آدمجی سائنس کالج۔

۱۳۔ عائشہ باوانی کالج۔

۱۴۔ رونق اسلام کالج۔

۱۵۔ کتیانہ میمن گرلز ڈگری کالج۔

۱۶۔ میمن گرلز ڈگری کالج۔

۱۷۔ ہالار میمن گرلز کالج۔

۱۸۔ یوسف علی سوریا گرلز کالج۔

۱۹۔ ورلڈ میمن فاؤنڈیشن گرلز ووکیشنل سینٹر۔

۲۰۔ زلیخا بائی وی۔ایم غنی رنگون والا سینٹر۔

۲۱۔ کاکا باوانی ووکیشنل سینٹر۔ [۳۵]

کراچی میں طبی سہولیات کی فراہمی میں میمن قوم کا کردار:۔

میمن قوم کے بارے میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ جہاں بھی آباد ہوتے ہیں وہاں پر سب سے پہلے مسجد تعمیر کرواتے ہیں اس کے بعد جماعتی نظام کے تحت قیام اور وہاں پر برادری کی سہولیات کے لئے کمیونٹی سینٹر اور پھر مدرسہ، اسکول اور ہسپتال دوا خانے کی تعمیر پر

توجہ دیتے ہیں تا کہ اس سے ''حقوق العباد'' اور انسانیت کی خدمت کی جاسکے۔

قیام پاکستان سے قبل میمن قوم کراچی میں (۱۷۵) ایک سو پچھتر سالوں سے آباد تھی اور جس میں اوکھائی میمن برادری، اور کچھی میمن برادری تالپوروں کے دور میں یہاں آ کر آباد ہوئیں ۔[۳۶] ۔اور یہ میمن برادریاں اپنے سماجی ڈھانچے میں رہتے ہوئے مسجد، کمیونٹی سینٹرز اور تعلیمی ادارے قائم کیے، لیکن قیام پاکستان سے قبل طبی شعبے میں کوئی خاص کام نہیں کر سکے تھے ایک دو چھوٹے موٹے دواخانے (ڈسپنسریاں) تو تعمیر کیے گئے تھے، لیکن وہ کوئی قابل ذکر نہیں ہیں اور ان دنوں طبی سہولیات کے لئے حکومت اور پارسی برادری کے مخیّر حضرات کی طرف سے قائم کردہ طبی اداروں اور ہسپتال سے علاج معالجے کی سہولیات حاصل کی جاتی تھی۔ جبکہ میمن قوم نے اس شعبے میں قیام پاکستان کے بعد گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جس کا تفصیلی ذکر مصنف کی تصنیف میمن قوم تاریخ کے آئینے میں (جلد پنجم) ''میمن قوم کی سماجی خدمات'' میں کیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف اس شعبے میں سرانجام دینے والے ان اداروں کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

''فخر پاکستان فیملی'' عبدالستار ایدھی فاونڈیشن کی دکھی انسانیت کے لیئے شاندار خدمات۔

دکھی انسانیت کی خدمت میں جناب عبدالستار ایدھی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ایدھی فاونڈیشن کی ابتداء ۱۹۵۲ء میں ''بانٹوا میمن والنٹیر کورپس'' سے ہوئی، جس کے کپتان عبدالستار ایدھی تھے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ اُس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں آپس کے کچھ مسائل کی وجہ سے اس ادارہ کا نام تبدیل کر کے ''مدینہ ایسوسی ایشن'' نام رکھ دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں اس کو ''مدینہ ٹرسٹ'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کے بعد ۱۹۷۳ء میں اسے ''عبدالستار ایدھی ٹرسٹ'' اور آج کل دنیا کی سب سے بڑی ایمبولینس سروس اور فلاحی کاموں میں بین الاقوامی شہرت کی حامل ''ایدھی فاونڈیشن'' کے نام سے دکھی انسانیت کی خدمات میں سرگرم عمل ہے۔ [۳۷] بلاشبہ ہم عبدالستار ایدھی صاحب اور ان کی بیگم محترمہ بلقیس ایدھی اور ان کے فرزند فیصل ایدھی کو ''فخر پاکستان فیملی'' کا خطاب دے سکتے ہیں۔ جناب عبدالستار ایدھی کے خاندان کو دنیا بھر کے کئی ممالک سے اور بین الاقوامی اداروں کی طرف سے اتنے اعزازات اور ایوارڈز عطا کیے گئے ہیں۔ اس کی مکمل تفصیل ''میمن قوم کی سماجی خدمات'' کی جلد میں کیا گیا ہے۔

میمن قوم کے قائم کردہ ہسپتال جو لاکھوں انسانوں کو طبی سہولیات فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد صحت عامہ (میڈیکل) کے شعبہ میں میمن قوم کی طرف سے قائم کردہ ہسپتال اور طبی مراکز۔

(۱) میمن جنرل ہسپتال۔
(۲) عثمان میموریل ہسپتال
(۳) بانٹوا خدمت کمیٹی ہسپتال
(۴) کتیانہ میمن ہسپتال
(۵) کاٹھیاواڑ ہسپتال
(۶) حسینی ہسپتال
(۷) فاطمہ بائی ہسپتال
(۸) بانٹوا انیس ہسپتال
(۹) پٹیل ہسپتال
(۱۰) جمال نور ہسپتال
(۱۱) عزیز ٹبا ڈائیلاسز ہسپتال
(۱۲) زبیدہ ہسپتال۔
(۱۳) ہاشانی آئی ہسپتال۔
(۱۴) کیڈنی سینٹر سول ہسپتال کراچی۔
(۱۵) میمن ہسپتال صدیق آباد۔
(۱۶) ہالاری میمن جنرل ہسپتال
(۱۷) حاجی احمد میموریل ہسپتال
(۱۸) اوکھائی میمن ہسپتال حسین آباد
(۱۹) راجکوٹ میمن ایسوسیایشن ہسپتال
(۲۰) ماں عائشہ میموریل سینٹر
(۲۱) کھارادر جرنل ہسپتال
(۲۲) ٹبا کارڈیو ہارٹ ڈیسیس ہسپتال
(۲۳) پاکستان میمن جماعت ہسپتال
(۲۴) میمن چیری ٹیبل ہسپتال
(۲۵) میمن میڈیکل انسٹیٹیوٹ۔
(۲۶) آدمجی آئی ہسپتال
(۲۷) حسین آباد ہسپتال اینڈ میٹرنٹی ہوم۔
(۲۸) مولو جمعہ میٹرنٹی ہوم۔ گاڑی احاطہ۔ [۴۸]

اس کے علاوہ اسکیم ۳۳ صفورہ گوٹھ کے پاس کراچی میں ایک میگا میڈیکل پروجیکٹ "میمن میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کمپلیکس" تکمیل کے آخری مراحل میں ہے جہاں پر طبی شعبے کی خدمات کے ساتھ وہاں پر میڈیکل کی تعلیم و تربیت اور میڈیکل ریسرچ کی تمام جدید سہولیات سے آراستہ ہوگا۔ جس کا تخمینہ ایک ارب روپے سے بھی زیادہ ہے۔

میمن قوم کے بارے میں مختلف دانشور، سیاسی و سماجی رہنماؤں کے تاثرات۔

میمن قوم کی تحریک و تعمیر پاکستان کی سیاسی، معاشی، سماجی و فلاحی خدمات کا مفصل ذکر کرنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قوم کے بارے میں مختلف مکتبۂ فکر کے دانشور، مفکر، سیاسی و سماجی رہنماء کیا سوچ رکھتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان کے دیگر رہنماؤں کی اس قوم کے بارے میں خیالات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

سر سید احمد خان کے میمن قوم کے بارے میں تاثرات۔

سرسید احمد خان نے اپنی ''خودنوشت حیات'' میں اپنے ۱۸۶۹ء میں انگلینڈ کے سفر کے سلسلے میں بمبئی تشریف لے گئے تھے۔تو وہاں پر میمن اور پارسی برادریوں کو تجارت میں بہت فعال پایا۔وہ وہاں پر ایک میمن تاجر کی دوکان پر گئے تو وہ اُن سے بہت ہی محبت اور عقیدت سے ملے، اور دریافت کرنے پر بتایا کہ میمن قوم بہت سے تعلیمی، مذہبی اور دیگر فلاحی کاموں، جس میں مسجدوں کی تعمیر، مدارس کا قیام، یتیم خانوں اور لنگر خانے قائم کرنے جیسے کاموں میں مصروف عمل رہتی ہے۔ [۳۹]

جناب حکیم محمد سعید شہید۔چانسلر ہمدرد یونیورسٹی۔

میمن برادری علم دوست برادری ہے۔عالم دوست برادری ہے۔ یہ خدمت گذار برادری ہے۔سماجی،فلاحی، رفاہی،طبی خدمات اس کا مظہر ہے۔(پاکستان میمن جماعت کا ۳۲واں سالانہ جلسہ تقسیم انعامات ۱۵، ستمبر ۱۹۹۵ء)

ڈاکٹر محمد عبدالوہاب وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی۔

میمن برادری کی تعلیمی اور سماجی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، میمن برادری نے خدمت خلق کے جذبے کے تحت کراچی اور اندرون سندھ میں جو تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں، ان سے علم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ یہ خدمت صدقہ جاریہ ہے۔

(دھوراجی یوتھ سروسز جوتھا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات مورخہ ۲۵، مئی ۱۹۹۵ء)

ڈاکٹر قدیر خان ایٹمی سائنس دان (فخر پاکستان)۔

۔۔۔پاکستان کے قیام کے بعد ہندو قوم کو یقین تھا کہ یہ ملک چند ماہ میں مالی، معاشی مشکلات کا شکار ہو کر ختم ہو جائے گا مگر تقسیم کے بعد ہندوستان سے خاص طور پر یوپی، حیدرآباد وغیرہ سے لاتعداد تعلیم یافتہ لوگ ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ان لوگوں نے جہادی جذبہ کے تحت ملک کی تعمیر کی۔

۔۔۔میں اس وقت آپ کو اُن محسنان پاکستان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جن کو ''میمن'' کہتے ہیں۔جوبلی سینما اور رنچھوڑ لائن کے قیام کے دوران میرا رابطہ ان لوگوں سے پڑا۔

۔۔۔انہوں نے (صنعت کاروں) قیام پاکستان کے فوراً بعد دل و جان سے ملک کی خدمت کی اور مالدار لوگوں نے حکومت پاکستان کو کثیر رقم دی جس سے لوگوں کی تنخواہیں دی گئیں، اور ملک میں صنعتوں کی بنیاد ڈال کر ملک کو مضبوط بنیاد مہیا کر دی۔

۔۔۔شاید آپ کو علم نہ ہو ایک مرتبہ جب پاکستان سخت مالی مشکلات کا شکار تھا، تو حاجی رزاق (ARY) نے حکومت کو ایک سو پچاسی ملین ڈالر قرض دیا تھا۔میمن برادری کے پاکستان پر بہت احسانات ہیں۔پاکستان کے قیام کے فوراً بعد نقد رقوم دے کر اور بعد میں لاتعداد صنعتی ادارے قائم کر کے انہوں نے ایک مضبوط پاکستان کی بنیاد ڈال دی تھی۔اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اس کا اجر عظیم دے گا۔

[۴۰] روزنامہ جنگ مورخہ۔ ۱۳، جنوری ۲۰۱۰ء

خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان۔

۔۔۔۔۔اپنی قائدانہ صلاحیت اور جوش وجذبے کی وجہ سے میمن برادری تجارت اور کاروبار کے شعبے میں جانی پہچانی برادری ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد جب صنعت وتجارت پر مکمل جمود طاری ہو گیا تھا۔ اُس وقت میمن برادری نے نہایت اہم کردار ادا کرتے ہوئے۔ اس شعبے کو متحرک کر کے اس میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، میمن برادری مذہبی کاموں اور فلاحی و رفاہی خدمات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے اور سخاوت وفیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مستحق اور دکھی لوگوں کے لیئے دل کھول کر عطیات دیتی ہے۔

(سنگ بنیاد نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی ۹، ستمبر ۱۹۴۹ء)

جناب نواز شریف (سابق وزیر اعظم پاکستان)۔

۔۔۔۔قیام پاکستان کے وقت بھی میمن برادری نے دل کھول کر ملک کی خدمات کی تھی اور آج بھی اس مشکل گھڑی میں ملک وقوم کے لیئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی، میمن برادری (۳۳) تینتیس ملین ڈالر ”قرض اتارو۔ ملک سنوارو“ میں دینے پر شکر گزار رہوں۔

(میمن صنعت کاروں کے ۱۷ رکنی وفد سے ملاقت مارچ، ۱۹۹۷ء)

آئی آئی چندریگر (سابق وزیر اعظم پاکستان)۔

۔۔۔ریاست کچھ اور کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے وفد نے انتخابی فنڈز کی وصولیابی کے لیئے کاٹھیاواڑ کے تمام شہروں اور علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا تھا اور قائد اعظم کی تحریک کو بھر پور انداز میں آگے بڑھایا تھا۔ اس تحریک میں خصوصاً میمن برادری کی کوششوں کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ قائد اعظم کی تحریک چلانے کے لیئے چاندی کی گولیاں میمن برادری نے ہی دی تھیں، اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی صنعتی اور اقتصادی ترقی میں بھی بھر پور کردار ادا کیا تھا۔ (تاجروں کے وفد سے ملاقات۔ دسمبر ۱۹۵۸ء)

جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان۔

۔۔۔۔پاکستان بنانے میں میمن برادری کی خدمات کا کوئی شمار نہیں۔ سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے پاکستان میں اسلام کا نام قائم کیا۔ اس برادری نے تجارت وصنعت کے ذریعے ملک کو اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تعلیمی میدان میں آپ کی خدمات اتنی ہیں کہ ان کا ذکر کرنے کے لیئے بھی خاصا وقت درکار ہو گا۔

(آل پاکستان میمن فیڈریشن کے زیر اہتمام منعقدہ ”میمن کنونشن“ کی اختتامی تقریب ۲۸، مارچ ۱۹۸۳ء)

جناب محمد رفیق تارڑ صدر مملکت۔

۔۔۔۔میمن برادری حقیقی خدمتی جذبے سے سرشار ہے، دکھی انسانیت کی خدمت افضل ترین عبادت ہے۔ یہ برادری نیکی کے کاموں میں پیش پیش رہتی ہے۔ پرائیوٹ سیکٹر میں میمن برادری نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔

(پٹیل اسپتال کے افتتاح کے موقع پر خطاب۔ ۲۴، نومبر ۱۹۹۹ء)

جناب ملک معراج خالد سابق نگراں وزیر اعظم پاکستان۔

۔۔۔۔میری جب بھی صدر مملکت سے نجی ملاقات ہوتی ہے، اُس میں میمن برادری کی سماجی اور فلاحی خدمات کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ اس قابل احترام برادری نے دکھی انسانیت کی بڑی خدمت کی ہے۔ کاش ہم اس کی تقلید کرسکیں اور اپنے آپ کو خدمت انسانیت کے لیئے وقف کردیں۔ (پٹیل اسپتال کے افتتاح کے موقع پر خطاب۔ ۲۴، نومبر ۱۹۹۹ء)

پرنس کریم آغا خان۔

۔۔۔۔ملک کی تعمیر و ترقی میں میمن برادری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ (کراچی ۱۹۶۲ء)

عبدالقادر گیلانی سفیر عراق۔

۔۔۔مستحق، ضرورت مند اور مصیبت زدگان کی خدمات کرنا میمن برادری کی بنیادی خصوصیات میں شامل ہے۔ (چٹاگانگ ۱۹۷۱ء)

ایم۔اے۔اصفہانی۔

۔۔۔۔میمن برادری کا اتفاق اور باہمی میل جول مثالی ہے۔ اس کمیونٹی نے صنعتی اور اقتصادی ترقی میں بھی بے حد نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ (ڈھاکہ ۱۹۶۹ء)

غلام فاروق وفاقی وزیر تجارت۔

۔۔۔میمن برادری نے تعلیم اور فلاح و بہبود کے شعبوں میں نہایت عمدہ مثالیں قائم کی ہیں۔ جس پر دیگر تمام اداروں کو بھی عمل پیرا ہونا چاہئے۔ (کراچی ۱۹۷۵ء)

مولانا شبیر احمد عثمانی۔

۔۔۔آپ کو پورے برصغیر میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ملے گی، جہاں میمن حضرات تجارت کے سلسلے میں نہ گئے ہوں، اور انہوں نے وہاں پر کم از کم ایک مسجد تعمیر نہ کرائی ہو۔

فضل قادر چوہدری وزیر تعلیم۔

۔۔۔ یہ میمن برادری ہی ہے جس نے تحریک پاکستان کی کامیابی کے لیئے قائداعظم کی خدمت میں چاندی کی گولیاں پیش کی تھیں، اور پھر قیام پاکستان کے بعد بھی اس کے اقتصادی اور معاشی استحکام کے لیئے ملک میں صنعت وتجارت کے شعبے میں مفید رہنمائی فراہم کی۔

(کراچی ۱۹۶۲ء)

ڈاکٹر عشرت العباد (گورنر سندھ)۔

میمن برادری کی ملک کے قیام اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی ترقی واستحکام کے لیئے بڑی خدمات ہیں، خصوصاً فلاحی شعبہ میں میمن برادری نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ (آل پاکستان میمن فیڈ ریشن کی تین روزہ نمائش منعقدہ جولائی ۲۰۰۵ء)

ایئر وائس مارشل (ریٹائرڈ) عظیم داود پوتا (گورنر سندھ)۔

۔۔۔ میمن حضرات کی تمام برادریوں میں قوت ہے، ایمان ہے اور اتحاد ہے اور یہی ان کی کامیابی کی علامت ہے۔ مجھے میمن برادری پر فخر ہے۔ میرا بچپن میمنوں کے ساتھ گزرا ہے، اسی لیئے میری زندگی پر میمن برادری کی گہری چھاپ ہے۔ میمن برادری کی تاریخ ملک کی خدمات سے بھری پڑی ہے، میمن برادری نے تعلیمی ادارے، اسپتال اور فلاحی ادارے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ کاروباری اور صنعتی میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے کر ملک کے تعمیر وترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس پر میمن برادری بجا طور پر خراج تحسین کی مستحق ہے۔

(یونائیٹڈ میمن جماعت آف پاکستان کا تیسرا ''میمن کنونشن'' منعقدہ ہالا سندھ مورخہ ۲۹، اپریل ۲۰۰۰ء)

جناب سید کمال الدین اظفر (گورنر سندھ)۔

۔۔۔ ملک وملت کے لیئے میمن برادری نے ہمیشہ گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ملکی ترقی میں میمن برادری کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس موقع پر انہوں نے میمن تاجروں اور صنعت کاروں سے کہا کہ وہ حکومتی مراعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نئی نئی صنعتیں لگائیں اور بے روزگاری کے خاتمے میں حکومت کا ساتھ دیں۔ (آل پاکستان میمن فیڈ ریشن کے صدر جناب عبدالعزیز میمن کی قیادت میں میمن رہنماوں کے ۳۳ رکنی وفد کی گورنر ہاوس میں ملاقات۔ ۳۰، جولائی ۱۹۹۵ء)

جناب ممنون حسین (گورنر سندھ)۔

۔۔۔۔ میمن برادری کی تحریک پاکستان سے لے کر تعمیر پاکستان تک کی خدمات تعریف اور توصیف کی مستحق ہیں، میمن برادری مخیر حضرات اور دردمند دل رکھنے والوں کی کثیر تعداد ہے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ جذبہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔

(کتیانہ میمن اسپتال کے شعبہ امراض چشم، میڈیکل اور سرجیکل فلور کی توسیع کا افتتاح ۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء)

۔۔۔۔ آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد میمن برادری کا ملک کی تعمیر اور ترقی میں اہم کردار رہا ہے جو نہایت فخر کی بات ہے۔ آپ کی برادری نے پاکستان کی اقتصادی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ پاکستان بننے کے بعد اس ملک کے وسائل محدود تھے مگر میمن برادری نے صنعتی اور

معاشی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ (موربی ٹنکارہ میمن کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ کا افتتاح ۸، اگست ۱۹۹۹ء)

۔۔۔نیک کاموں کے لیئے وقت نکال کر خدمت کرنے والوں اور مخیّر حضرات کی جانب سے دولت عطیہ کرنے والوں کو دنیا کے ساتھ آخرت میں بھی بدلہ ضرور ملتا ہے۔میمن برادری ہمیشہ انسانیت کی خدمت کرتی رہی ہے۔

(بانٹوا میمن اسپتال ملحقہ عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب سے خطاب مورخہ ۷، ستمبر ۱۹۹۹ء)۔

لیفٹننٹ جنرل معین الدین حیدر (گورنر سندھ)۔

۔۔۔میمن برادری نے پورے ملک میں تعلیمی ادارے،صحت کے مراکز کمپیوٹر سینٹر اور زچہ خانے قائم کر کے سماجی فلاح و بہبود کا نیک کام کیا ہے۔اور اس طرح حکومت اور غیر سرکاری اداروں کے اتحاد سے عوام کی بہتر طریقے سے خدمت کی جا سکتی ہے۔

(یونائیٹڈ میمن جماعت ہالا سندھ کے زیر اہتمام خیراتی اسپتال میں بلڈ بنک کے افتتاح کے موقع پر ۱۰، جون ۱۹۹۸ء)

۔۔۔درحقیقت پاکستان کی تعمیر اور ترقی کے لیئے میمن قوم نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔میمن کمیونٹی ہمیشہ ہی تعلیم،صحت عامہ اور سماجی فلاح و بہبود کے کاموں سے پہچانی جاتی ہے۔ (کراچی ۱۲، فروری ۲۰۰۰ء)

جناب وسیم سجاد (چیرمین سینیٹ)۔

۔۔۔میمن برادری محب وطن اور وفا شعار برادری ہے۔یہ بہت عظیم برادری ہے۔خدمت کے میدان میں اس کا کردار قابل رشک وتقلید ہے۔میمن کمیونیٹی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ سماجی فلاح و بہبود کے کام خاموشی کے ساتھ اور دوسروں کا بتائیے بغیر کرتی ہے اور ان کی تشہیر پسند نہیں کرتی۔ (کراچی ۲۰ اپریل ۱۹۹۶ء)

جناب فضل قادر چوہدری وزیر تعلیم۔

۔۔۔یہ میمن برادری ہی ہے جس نے تحریک پاکستان کی کامیابی کے لیئے قائداعظم کی خدمت میں چاندی کی گولیاں پیش کی تھیں، اور پھر قیام پاکستان کے بعد بھی اس کے اقتصادی اور معاشی استحکام کے لیئے ملک میں صنعت وتجارت کے شعبے میں مفید رہنمائی فراہم کی۔

(کراچی ۱۹۶۲ء)

جناب سید غوث علی شاہ، وزیراعظم کے مشیر برائے امور سندھ۔

۔۔۔اوکھائی میمن جماعت خانہ میں میمن برادری نے قائداعظم کو استقبالیہ پیش کیا تھا، اس میں پوری میمن برادری کی شرکت یہ آپ کی جدوجہد آزادی کی تحریک میں ہراول دستہ کی حیثیت سے شرکت کی غمازی کرتی ہے۔ (اوکھائی میمن انٹرمیڈیٹ آرٹس اینڈ ہوم اکنامکس گرلز کالج کا رسم افتتاح ۳۰، اگست ۱۹۹۹ء)

جناب سید خورشید احمد شاہ وفاقی وزیر تعلیم ومذہبی امور۔

۔۔۔قائداعظم کا لگایا گیا پودا پاکستان اب تناور اور سایہ دار درخت بن چکا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنتے دیکھا تھا۔ مگر ہماری نئی نسل ان مشکلات اور قربانیوں کو نہیں جانتی، جو ہمارے بڑوں نے اس ملک کے لیئے دی تھیں۔میمن کمیونٹی نے تحریک پاکستان میں بھرپور مالی تعاون کیا تھا۔ہمیں اپنے اُن بزرگوں کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے، جنہوں نے اس وطن عزیز کے لیئے قربانیاں دیں۔

(آل پاکستان میمن فیڈریشن کے زیر اہتمام ''یوم آدمجی'' ۲۶، جنوری ۱۹۹۶ء)

جناب ہمایوں خان مری ڈپٹی چیرمین سینیٹ۔

۔۔۔میمن برادری ملکی فلاح و بہبود کے لیئے کام کر رہی ہے۔اس کا صرف میں نہیں بلکہ پاکستان کے تمام باشعور عوام بھی اعتراف کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ میمن قوم کو دکھی انسانیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(اوپلیٹا میمن ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام حاجیانی حاجرہ ہاں مانڈویا لیڈیز ہال اور حبیب ہاتھانی ہال کے افتتاح کے موقع پر ۶، جون ۱۹۹۹ء)

جناب قاضی خالد علی سابقہ صوبائی وزیر تعلیم سندھ۔

۔۔۔میمن برادری کی سماجی اور فلاحی خدمات قابل تحسین ہیں، خصوصاً تعلیم وصحت کے شعبوں میں کارکردگی عمدہ رہی ہے۔آئندہ بھی میمن برادری اپنی خدمات کا سلسلہ جانفشانی کے ساتھ جاری وساری رکھے گی۔

(کمپیوٹر لیب اور حاجی جان محمد ڈاگھا لائبریری کا افتتاح ۱۸، ستمبر ۱۹۹۷ء)

۔۔۔پاکستان میں میمن برادری نے سماجی اور فلاحی اداروں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔تعلیمی اور سماجی شعبوں میں میمن برادری کی اہم خدمات ایک سنہرا باب ہے۔میمن برادری نے اسلام کی سربلندی کے لیئے جو گراں قدر کام کیئے ہیں وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

(جام نگر وہواریا یوتھ سروسز کے چوتھے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات مورخہ ۲۵، مئی ۱۹۹۵ء)

جناب سلیم ضیاء سابق صوبائی وزیر قانون۔

۔۔۔تمام برادریوں میں میمن برادری نے تعلیم کے میدان میں اور فلاحی کاموں کے میدان میں جتنی ترقی کی ہے وہ کسی اور برادری نے نہیں کی۔(جام نگر وہواریا یوتھ سروسز کے چوتھے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات مورخہ ۱۸، اکتوبر ۱۹۹۸ء) [۴۱]

حکومت پاکستان سے اعلیٰ اعزاز یافتہ کے معززین۔

	نام۔	اعزاز	سال
۱۔	جناب عبدالواحد آدمجی۔	ہلال پاکستان	۱۹۶۰۔
۲۔	جناب عثمان سلیمان۔	تمغہ قائداعظم	۱۹۶۱۔
۳۔	جناب یوسف حاجی عبدالکریم۔	تمغہ خدمات	۱۹۶۱۔
۴۔	جناب احمد داؤد۔	ہلال خدمت	۱۹۶۲۔

۵۔	ڈاکٹر علی محمد قاسم۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۴۔
۶۔	جناب محمد علی رنگون والا۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۴۔
۷۔	جناب صدیق ایچ دادا۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۴۔
۸۔	پروفیسر عبدالعزیز میمن۔	تمغہ حسن کارکردگی	۱۹۶۵۔
۹۔	جناب عبدالستار ایوب۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۵۔
۱۰۔	جناب لطیف ابراہیم جمال۔	ستارہ قائداعظم	۱۹۶۷۔
۱۱۔	جناب قاسم ایچ کے دادا۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۸۔
۱۲۔	جناب گل محمد آدمجی۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۸۔
۱۳۔	جناب احمد اے دادا۔	ستارہ خدمت	۱۹۶۸۔
۱۴۔	جناب عبدالحمید چھوٹانی۔	تمغہ قائداعظم	۱۹۶۸۔
۱۵۔	جناب یحییٰ احمد باوانی۔	ستارہ قائداعظم	۱۹۶۹۔
۱۶۔	جناب ہاشم عبداللہ میمن۔	تمغہ خدمت	۱۹۷۰۔
۱۷۔	جناب احمد عیسیٰ جعفر۔	ستارہ پاکستان	۱۹۷۱۔
۱۸۔	جناب عبدالقادر احمد جعفر۔	تمغہ خدمت	۱۹۷۱۔
۱۹۔	جناب عبدالمجید سندھی میمن۔	تمغہ خدمت	۱۹۸۲۔
۲۰۔	جناب محمد صدیق اسماعیل۔	تمغہ حسن کارکردگی	۱۹۸۵۔
۲۱۔	محترمہ لیلہ شہزاد۔	تمغہ امتیاز	۱۹۸۵۔
۲۲۔	جناب عثمان عیسیٰ بھائی میمن۔	تمغہ خدمت	۱۹۸۷۔
۲۳۔	مولانا عبدالستار ایدھی۔	نشان امتیاز	۱۹۸۸۔
۲۴۔	پروفیسر عبدالحمید میمن۔	تمغہ امتیاز	۱۹۹۱۔
۲۵۔	جناب سراج الحق میمن۔	شاہ عبداللطیف بھٹائی ایوارڈ	۱۹۹۴۔
۲۶۔	جناب عبدالمجید سندھی میمن۔	ستارہ امتیاز	۱۹۹۶۔
۲۷۔	جناب محمد اسماعیل میمن۔	تمغہ امتیاز	۱۹۹۹ء
۲۸۔	ڈاکٹر امین محمد سوریا۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۱ء
۲۹۔	جناب احمد دادا باوانی۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۳ء
۳۰۔	جناب عبدالحمید ہارون۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۳ء

۳۱۔	جناب محمد اشرف طائی۔	تمغہ حسن کارکردگی	۲۰۰۳ء
۳۲۔	جناب عثمان میمن ڈیپلائی۔	تمغہ حسن کارکردگی	۲۰۰۳ء
۳۳۔	جناب عبدالرزاق ٹبا۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۴ء
۳۴۔	جناب لطیف ابراہیم جمال۔	ہلال امتیاز	۲۰۰۵۔
۳۵۔	جناب محمد حسین دادا بھائی۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۵۔
۳۶۔	جناب معین محمد فدا۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۵۔
۳۷۔	جناب زبیر حبیب۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۵۔
۳۸۔	جناب بشیر علی محمد تیلی۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۵ء
۳۹۔	جناب فیصل عبدالستار ایدھی۔	ستارہ ایثار	۲۰۰۵ء
۴۰۔	جناب عقیل کریم ڈیڈھی۔	ستارہ ایثار	۲۰۰۵ء
۴۱۔	جناب سلیمان اقبال(A.R.Y)	ستارہ ایثار	۲۰۰۵ء
۴۲۔	جناب احمد عبدالرزاق چنائی۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۶ء
۴۳۔	پروفیسر عبدالغفار ربلو۔	ستارہ امتیاز	۲۰۰۶ء
۴۴۔	محترمہ بلقیس ایدھی۔	ہلال امتیاز	۲۰۰۷ء
۴۵۔	جناب شریف الدین میمن۔	ستارہ شجاعت	۲۰۰۷ء
۴۶۔	جناب غلام رسول میمن۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۷
۴۷۔	جناب جمیل عبدالکریم تولہ۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۸ء
۴۸۔	جناب حاجی مسعود پارکھ۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۹ء
۴۹۔	جناب محمد عارف بالاگام والا۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۹ء
۵۰۔	جناب مقصود اسماعیل چامڑیا۔	تمغہ امتیاز	۲۰۰۹ء [۴۲]

حوالہ جات REFERENCES

[۱] کیمارڈسطی — لاسٹ ڈیز آف برٹش راج — صفحہ نمبر۔

[۲] حبیب لاکھانی — الحاق جوناگڑھ — صفحہ نمبر ۱۶۳

[۳] حبیب لاکھانی — الحاق جوناگڑھ — صفحہ نمبر ۱۶۶

[۴] حبیب لاکھانی — الحاق جوناگڑھ — صفحہ نمبر ۱۶۸

[۵] فرشتہ سونیان ڈنشا۔ — سوانح عمری احمد حسین جعفر۔

[۶] عبدالستار پاریکھ۔ — Enterprising Philanthropists" — صفحہ نمبر ۳۹۔۳۸

[۷] اسٹیفن آرلوکس — پاکستان کی صنعتی اور تجارتی پالیسیاں — صفحہ نمبر ۳۲۔۳۱

[۸] نواب صدیق علی خان — بے تیغ سپاہی — صفحہ نمبر ۳۲۱۔۳۲۲۔

[۸۔ب] میمن بلیٹن — سردار پٹیل سے ایک ملاقات۔ کیم جنوری ۱۹۸۱ء۔ الحاق جوناگڑھ۔ — صفحہ نمبر۔۱۴۸

[۹] میمن بلیٹن — سردار پٹیل سے ایک ملاقات۔ شمارہ۔ کیم جنوری ۱۹۸۱ء

حبیب لاکھانی۔ — الحاق جوناگڑھ۔ — صفحہ نمبر۔۱۴۸

[۱۰] رفیق دھوراجوی ' — 'میر کارواں سر آدمجی' — صفحہ نمبر ۹۵۔۹۴۔

[۱۱] میمن عالم۔ — شمارہ مارچ ۱۹۶۷ء

[۱۲] میر جی کاکا اینڈ قریشی۔ — سر آدمجی جی داود سوانح عمری۔

[۱۳] عبدالستار پاریکھ۔ — Enterprising Philanthropists" — صفحہ نمبر ۳۹

[۱۴] یحییٰ ہاشم باوانی۔ — پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری — صفحہ نمبر ۸۹۔۸۵

[۱۵] عبدالستار پاریکھ۔ — Enterprising Philanthropists" — صفحہ نمبر ۴۱۔۴۰

[۱۶] سوویت مصنف سرجی لیون۔ — سوویت اسکالرز ویو ساؤتھ ایشیا — صفحہ نمبر ۳۴۔۳۳

[۱۷] عبدالستار پاریکھ۔ — Enterprising Philanthropists" — صفحہ نمبر ۴۲

[۱۸] میمن بلیٹن۔ — شمارہ فروری ۲۰۰۷ء۔

[۱۹] میمن بلیٹن۔ — شمارہ فروری ۲۰۰۷ء۔

[۲۰] میمن عالم کے مختلف شمارے۔

[۲۱] عمر عبدالرحمن کھانانی — میمن شخصیات جلد اول۔ — صفحہ نمبر ۶۹ تا ۶۵

[۲۲] عمر عبدالرحمن کھانانی۔ — میمن شخصیات جلد دوم — صفحہ نمبر ۳۸۔۳۴۔

[۲۳] میمن عالم۔ یحییٰ ہاشم باوانی شمارہ۔ — صفحہ نمبر ۱۴۹۔۱۴۸

[۲۴] عمر عبدالرحمن کھانانی۔ — میمن شخصیات جلد دوم — صفحہ نمبر ۳۸۔۳۴۔

[۲۵] میمن عالم — شمارہ جنوری ۲۰۰۹ء

[۲۶] یحییٰ ہاشم باوانی۔ — پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری — صفحہ نمبر ۱۳۰

[۲۷] یحییٰ ہاشم باوانی۔ — پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری — صفحہ نمبر ۱۴۱

[۲۸] کھتری عصمت علی پٹیل۔ میمن بلیٹن شمارہ مارچ ۲۰۰۳ء

[۲۹] میمن عالم۔ — شمارہ نومبر ۲۰۰۸ء

[۳۰] عمر عبدالرحمن کھانانی — میمن شخصیات جلد دوم — صفحہ نمبر ۱۷۔۱۸

[۳۱] عمر عبدالرحمن کھانانی — مائی ڈائری. MY DAIRY

[۳۲] میجر جنرل ابوبکر مٹھا، سوانح عمری، "Unlikely Beginnings"

[۳۳] عبدالستار پاریکھ۔ Enterprising Philanthropists" صفحہ نمبر۔۸۳۔۸۲

[۳۴] حبیب لاکھانی۔ پاکستان اور میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۲۲۵

[۳۵] عبدالستار پاریکھ۔ Enterprising Philanthropists" صفحہ نمبر۔۳۱۔۳۰

[۳۶] عبدالعزیز اسماعیل مرکیا۔ تاریخ ہوکھائی میمن برادری۔ صفحہ نمبر۔۱۹۱۔۱۹۰

[۳۷] میمن عالم۔ ۵۰۰ واں شمارہ

[۳۸] میمن عالم اور میمن بلیٹن کے مختلف شماروں سے معلومات حاصل کی گئی ہے۔

[۳۹] عبدالستار پاریکھ۔ Enterprising Philanthropists" صفحہ نمبر۔۲۶

[۴۰] روزنامہ جنگ مورخہ ۱۳، جنوری ۲۰۱۰ء

[۴۱] میمن عالم کے مختلف شمارے

[۴۲] میمن عالم کے مختلف شمارے سے معلومات حاصل کی گئی ہے۔

BIBLOGRAPHY کتابیات

''تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق'' تحریک وتعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔ کے تحقیقی کام میں مندرجہ ذیل گزیٹیرز، کتابوں اور مختلف رسائل سے استعفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ جس کے لئے میں ان مصنفین اور ناشران کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

''پروفیسر عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا''

ENGLISH BOOKS

1. Imperial Gazzeteer of India ", 1908, Diffrent Volumes (26)Oxford at the Clarendon Press.
2. "Gazzetter of Bombay Presidency", Volume IX Part II,(1899) "Gujrat" Government Central Press. Bombay.
3. " Gazzetter of Bombay Presidency", Volume VIII (1884) " Kathiawar " Government Central Press. Bombay.
4. " Bombay Gazzeteer, " Volume -1, 2, 3, (1909) Government Central Press. Bombay.
5. " Broda Gazzeteer, " Volume I, (1923) "General Information.
6. Mihir Bose, "The Memon". World Memon Foundation, 2000.
7. Cynthia Soluadori, "Through Open Doors A view of Asian Culture in Kenya." Kenway Publication Nairobi Kenya, 1989.
8. Doulat Haroon Hidyatullah, Haji Sir Abdullah Haroon, Oxford Press Publication Karachi 2005.
9. Deleara Jamasji-Hirjikaka & Yasmin Qureshi,"The Merchant Knight Adamjee Haji awood Adamjee Foundation Karachi, 2004.
10. Farishta Murzban Dinshaw, "Ahmed E.H Jaffer and the Making of Pakistan". Ahmed Jaffer & Company Limited, Karachi, 2001.
11. Major General Abobakar Usman Mitha, "Unlikely Beginings" Oxford Press Publicaiton, Karachi, 2000.
12. Ebrahim C. Moomal, "End of the Road". Ph. A. R. Cassim, Pretoria, 1996.

13. Sergey Levin, "THE UPPER BOURGEOISIE FROM THE MUSLIM COMMERCIAL COMMUNITY OF MEMONS IN PAKISTAN, 1947 TO 1971." "Souiet scholars view south Asia". People Publisher, Lahore, 1975.

14. Umer A. Rehman Khanani, "My Diary". Memon Youth organistion, Memon Alam Trust, Karachi, 2003.

15. F. A. Chotani, "Memons International Directory". Memon International, Bombay, 1971.

16. Habib Lakhani, "Honarable Memon". Lakhani Publications, Karachi, 1986.

17. All India Cutchi Memon Federation World Conference Mumbay Souvenir 1993

18. Sattar Parekh, "Enterprising Philanthropists." Ahmed Abdullah Foundation, Karachi.1999

19. James Burgess, "ANTIQUITIES OF KUCH AND KATHIYAWAR," Archaeological Survey of Western India 1874-75.

20. A Short History of Pakistan Book one to Four. Alien Rule and The Rise of Muslim Nationalism. I.H. Qureshi. University of Karachi.1967.

21. Asif Hussein & Hameed Karim Bhoja Memon of Sri Lanka Memon Association of Sri lanka Colombo

22. Dr. MUHAMMAD S.A.S Life and Tme." HAMDARD FONDATION. S.Moiuinulhaq,"

23. J. Vasina. " Oral Tradition as History " Madison Wisconsin 1985.

24. Syed Shrifuddin Pirzada "Foundation of Pakistan.All India Muslim League Documents.1906-1947". Oxfor University Press.Krachi.

25. H.V. Hodson " The Great Divide" Britain-India Pakistan. " Oxford University Press. Karachi. 1967.

2 6. N.M.H. Isphani, " QUID AS A NEW AIMS". Elite Publisher, Karachi 1976.

2 7. V.P.Menon, " Story of Intigration of India States." Orient Longman Bombay. 1956.

2 8. Ch Muhammad Ali, " Emergence of Pakistan". Reasearch Society Lahore. 1988.

29. Maj Gen Abubakar Mitha, "Unlikely Beginnings." Oxford University Press.

30. Dr. Ismail Baig, " Junagarh" .

اردو کتب و رسائل و جرائد

۱۔ عمر عبدالرحمٰن کھانانی ''میمن شخصیات (حصہ اول)''۔ میمن یوتھ آرگنائزیشن، کراچی، 1985ء

۲۔ عمر عبدالرحمٰن کھانانی ''میمن شخصیات (حصہ دوم)''۔ میمن یوتھ آرگنائزیشن، کراچی، 2003ء

۳۔ حبیب لاکھانی ''الحاق جوناگڑھ''۔ حبیب لاکھانی پبلی کیشنز، کراچی، 1989ء

۴۔ حبیب لاکھانی ''پاکستان اور میمن'' (گجراتی)۔ حبیب لاکھانی پبلی کیشنز، کراچی، 1982ء

۵۔ یحییٰ ہاشم باوانی ''تحریک آزادی اور میمن برادری'' واڈاساڈا فاؤنڈیشن، کراچی، 1982ء

۶۔ یحییٰ ہاشم باوانی ''پاکستان کے پچاس سال اور میمن برادری'' دی میمن ویلفیئر سوسائٹی، کراچی، 1998ء

۷۔ عبدالستار گوپلانی ''یادوں کی سوغات''۔ میمن بک فاؤنڈیشن، کراچی، 1996ء

۸۔ اقبال پاریکھ ''جوناگڑھ اجڑے دیار کی کہانی'' جوناگڑھ پبلی کیشنز، کراچی، 2003ء

۹۔ عبدالستار رفا ضلانی ''میمن قوم آغاز تا امروز''۔ عبدالستار رفا ضلانی گلستان مصطفیٰ فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۶۶

۱۰۔ محمد عثمان دموہی ''کراچی''۔ انڈس پبلیکیشنز کراچی، 1996ء

۱۱۔ کھتری عصمت علی پٹیل ''قائد کاٹھیاوار عثمان عیسیٰ بھائی میمن''۔ جام نگر میمن جماعت، 2005ء

۱۲۔ ہاشم ذکریا ''تذکرہ میمن قوم''۔ کچھی میمن اسٹوڈنٹس فیڈریشن، کراچی، 1998ء

۱۳۔ اردو ڈکشنری بورڈ کی مرتب کردہ اردو لغات

۱۴۔ گین پرنس، آرٹیکل ''زبانی تاریخ''
جدید تاریخ مرتبہ ڈاکٹر مبارک علی۔ صفحہ نمبر ۱۲۲ ، ۲۰۰۱ء فکشن ہاؤس لاہور۔

۱۵۔ سید امیر الدین نزہت ''رسالہ ابراز الحق''۔ طبع ہاے واقع بمبئے بندر زیور طبع پوشیدہ، 1870ء

۱۶۔ گاندھی جی نے اپنی سوانح عمری 'The Story of my experiments' اردو ترجمہ 'تلاش حق'

۱۷۔ عبدالعزیز اسماعیل مرکٹیا۔ تاریخ اوکھائی میمن برادری اوکھائی میمن ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ پبلیکیشن

۱۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر۔ تاریخ ترکان عثمان مکتبہ فریدی اردو بازار کراچی۔

۱۹۔ ضیاالدین برنی۔ عظمت رفتہ تعلیمی مرکز کراچی ۱۹۶۱ء

۲۰۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اعظم چودھری۔ پاکستان اسٹڈیز۔ غضنفر اکیڈمی اردو بازار کراچی۔

۲۱۔ رفیق دھوراجوی۔ میر کارواں سر آدمجی۔ آدمجی فاونڈیشن۔

۲۲۔ نواب صدیق علی خان۔ بے تیغ سپاہی الائز بک کارپوریشن کراچی ۱۹۷۱ء

۲۳۔ عبدالغنی میگانی۔ معرفانی کی سوانح حیات ۱۹۶۲ء۔

۲۴۔ موگٹ لال پاریکھ: جونا گڑھ ناری اگن یاترا (جونا گڑھ تیرا آگ کا سفر)

۲۵۔ رتو بھائی کوٹھاری: جونا گڑھ نی لوک کرانتی (جونا گڑھ کا عوامی انقلاب)

۲۶۔ یوسف مانڈو یہ: جیل ویتی ۔ (جیل بیتی)

جرائد و رسائل اور میگزین

۱۔ ''میمن عالم'' کے مختلف جرائد، (گذشتہ ۵۰ سالوں کے) میمن عالم ٹرسٹ، کراچی

۲۔ ''میمن ویلفیئر'' کے مختلف جرائد، (گذشتہ ۵۰ سالوں کے) میمن ویلفیئر ٹرسٹ بمبئی انڈیا

۳۔ ''میمن بلیٹن'' کے مختلف جرائد، (گذشتہ ۳۰ سالوں کے) آل پاکستان میمن فیڈریشن کراچی

۴۔ ''میمن میترا'' کے مختلف جرائد، گجراتی میں 1920ء بمبئی

۵۔ ''دی میمن'' کے مختلف جرائد، (گذشتہ ۳۰ سالوں کے) یونائیٹڈ میمن جماعت کراچی۔

۶۔ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ فروری ۱۹۸۹ء۔

۷۔ پیر علی راشدی نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ باتیں ماہنامہ ''پیام حق'' شمارہ مئی ۱۹۷۲ء میں کہی جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔

۸۔ ہفت روزہ ''انقلاب'' ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

۹۔ روزنامہ حیات کراچی۔ منگل ۱۳، اکتوبر ۱۹۳۸ء

۱۰۔ مسلم بلیٹن ۱۹۴۰ء راجکوٹ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔

۱۱۔ مسلم ٹائمز بمبئی۔ شمارہ۔ نومبر ۱۹۴۷ء۔

۱۲۔ مسلم گجرات۔ شمارہ ۱۰، اگست ۱۹۴۵ء۔

۱۳۔ مسلم ٹائمز۔ شمارہ ۳۰، اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

۱۴۔ کتیانہ میمن ایسوسی ایشن دس سالہ خصوصی مجلہ ۱۹۶۳ء۔

۱۵۔ میمن سماج کے مختلف شمارے۔

''میمن قوم تاریخ کے آئینے میں'' کی مکمل سیریز۔

جلد اول۔ VOL-1 ''ہندو لوہانہ سے مسلم میمن قوم کی برادریوں تک''

☆ میمن قوم کی تاریخ کے تحقیق کے بنیادی ماخذ۔

☆ لوہانہ سے مومن تک۔ (اساس میمن قوم)

☆ میمن قوم کی سندھ سے ریاست کچھ اور کاٹھیاواڑ میں ہجرت۔

☆ میمن قوم کی برادریوں میں تقسیم۔

☆ سندھی میمن برادری۔ (ابتداء سے ۲۰۱۰ء تک)

☆ کچھی میمن برادری۔ ('' '')

☆ آفریقہ میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والی نصرپوریا میمن برادری۔(ابتداء سے ۲۰۱۰ء تک)

جلد دوم۔ VOL-2 ''ہالائی/کاٹھیاواری میمن برادریاں۔

☆ ریاست ہالار۔(ریاست جام نگر)

☆ ریاست بڑوڈہ۔ (اوکھامنڈل، امریلی، کوڈینار)

☆ ریاست راجکوٹ، موروی۔

☆ ریاست پوربندر۔(پوربندر، راناؤ، بانوارڈ، ترسائی)

☆ ریاست باونگر اور گوںل وارڈ میں آباد میمن برادریاں۔

جلد سوم۔ VOL-3 '' میمن قوم کی معاشی طور پر خوشحال برادریاں۔

☆ ریاست گونڈل۔ (دھوراجی، گونڈل، اوپلیٹا)

☆ ریاست جیت پور۔

☆ ریاست جوناگڑھ۔(بانٹوا، کتیانہ، ونتھلی، ویراول، ماناودر، سردارگڑھ، وساوارڈ، وغیرہ)

☆ دیگر ریاستیں۔

جلد چہارم۔ VOL-4 ”تجارت اور معیشت میں میمن قوم کی خدمات“

- ☆ اسلام قبول کرنے سے قبل (میمن قوم) لوہانہ بحیثیت تجارتی قوم۔
- ☆ متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں میمن قوم کی تجارتی سرگرمیاں۔
- ☆ میمن قوم کی تجارتی شعبے میں ٹیکسٹائل (کپڑے اور اجناس) کے شعبے سے گہری وابستگی۔
- ☆ میمن قوم کی شپنگ کے شعبے میں نمایاں خدمات۔
- ☆ میمن قوم تجارتی میدان میں دنیا کے مختلف ممالک میں۔ (افریقہ، برما، سری لنکا، اور میڈل ایسٹ میں)
- ☆ میمن قوم ہندوستان اور خصوصاً بمبئی کے تجارتی میدان میں، ۱۸۱۰ء سے ۲۰۱۰ء تک۔
- ☆ میمن قوم پاکستان اور خصوصاً کراچی کے تجارتی میدان میں، ۱۸۱۰ء سے ۲۰۱۰ء تک۔
- ☆ دنیا کے دیگر ممالک کے تجارتی شعبے میں میمن قوم کا کردار۔

جلد پنجم۔ VOL-5 ”میمن قوم کی سماجی خدمات“

- ☆ میمن قوم کا سماجی ڈھانچہ۔
- ☆ مذہبی امور سے خاص وابستگی۔
- ☆ میمن قوم کے گراں قدر خدمات انجام دینے والے اہم سماجی ادارے۔
- ☆ تعلیمی شعبہ میں میمن قوم کی خدمات۔ (تقسیم ہند سے قبل اور تقسیم ہند کے بعد ۲۰۱۰ء تک)
- ☆ ہندو پاک میں میڈیکل کے شعبے میں خدمات۔ (تقسیم ہند سے قبل اور تقسیم ہند کے بعد ۲۰۱۰ء تک)
- ☆ آبادکاری اور ہاؤسنگ کے سلسلے میں میمن قوم کی خدمات۔ (تقسیم ہند سے قبل اور تقسیم ہند کے بعد ۲۰۱۰ء تک)
- ☆ علمی ادبی سرگرمیوں میں میمن قوم کا کردار۔
- ☆ شوبز اور اسپورٹس میں خدمات۔

جلد ششم۔ VOL-6 ”تاریخ پاکستان کے گمشدہ اوراق“

”تحریک و تعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار“

- ☆ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں میں میمن قوم کا کردار۔
- ☆ مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ میمن قوم کی وابستگی۔
- ☆ ۱۹۴۰ء قرارداد پاکستان سے ۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک میمن قوم کی عملی خدمات و قربانیاں۔

☆ پاکستان کے ساتھ جوناگڑھ کا الحاق اور ہندوستان کا اُس پر قبضہ۔

☆ قیام وتعمیر پاکستان میں میمن قوم کا کردار۔

جلد ساتویں۔ VOL-7 ''سو (۱۰۰) بڑی میمن شخصیات''

☆ میمن قوم کے قیام میں آنے سے لے کر ۲۰۱۰ء تک اس قوم کی تمام اہم ترین شخصیات کی مختلف خدمات، جس سے فلاح انسانی پر پڑنے والے مثبت اور دور رس نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے، اس بات کا تعین کیا گیا ہے کہ ان میں سے کون سی شخصیت کس مقام پر اپنی جگہ بنا سکی ہے۔

مقدمہ میمن قوم۔

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی رہی تو آخر میں ''**مقدمہ ابن خلدون**'' کی طرح میمن قوم کی تاریخ کی ان سات جلدوں کا ایک ''**مقدمہ میمن قوم**'' لکھنے کا ارادہ ہے۔ جس میں اس قوم کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں پر بحث کی جائے گی اور اُس کی اصلاح کے لئے مختلف طریقہ کار کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گا۔ اس کے ساتھ اس قوم کی ثقافتی ومعاشرتی زندگی کا بھی جائزہ پیش کیا جائے گا۔